U 12458 Date 9-1-10

Title – ~~Munawar~~ MUNAWWAR KHATOON.

Creator – Murattiba Hazrat Aasi Lucknavi; Mohd. Ashraf Ali.

Publisher – Jamal Printing Works (Delhi).

Date – 1354 H.

Pages – 48 + 40 + 44 + 43 + 44 + 52.

Subjects –

منور خاتون

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کم من صائم لیس لہ من صیامہ الا الظمأ وکم من قائم لیس لہ من قیامہ الا السہر رواہ الدارمی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ انکو روزہ سے سوائے پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سے تہجد میں کھڑے ہونے والے ایسے ہیں کہ کھڑے ہونے سے انکو سوائے بیداری کے کچھ حاصل نہیں ہوتا

چونکہ حدیث مذکورسے ظاہر ہوتا ہے کہ ظاہری عمل کے ساتھ ساتھ اسکی روح کا حاصل کرنا بھی نہایت ضروری اور جزا کیلئے شرط ہے اس لئے رسالہ مسمّٰی بہ

جس میں رمضان و عیدین وغیرہ کے متعلق روح اور حقائق کا مفصل بیان ہے

از افادات حضرت حکیم الامت جناب مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب

دامت برکاتہم

باہتمام احقر ظہور الحسن ناظم کتب خانہ امداد الغرباء سہارنپور جمالی پرنٹنگ ورکس دہلی میں طبع ہوا

تمہید مجموعہ ہفت اختر

بعد الحمد والصلوۃ یہ مجموعہ ہے سات مضامین کا جس میں چھ[ع] مواعظ ہیں اور ایک حصہ سوا سو ملفوظات کا اور یہ باستثنائے وعظ آخر کے کہ شوال میں بیان کیا گیا باقی سب ذخیرہ رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ کا ہے اور ہر چند کہ یہ باعتبار طرز تدوین کے معنیً گویا ایک حصہ ہے دعوات عبدیت کا مگر چونکہ اسکے مواعظ کے مضامین کہ اُن میں اعمال رمضان وعیدین کی ارواح کا بیان ہے اس خصوصیت میں دوسرے مواعظ کے مضامین سے ممتاز ہیں اسلئے اسکو مستقلاً و منفرداً شائع کرنا تجویز کیا گیا۔ ضابط مواعظ کے عزیزی مولوی عبد الحلیم لکھنوی اور ملفوظات کے عزیزی مولوی اسعد اللہ ہیں سلمہم اللہ تعالیٰ احیاءً وکرمہم ونعمہم اور بلحاظ اسکے مستقلاً مقصود ہونے اور باقتضاء توعیت عدد مضامین جداگانہ نام اس کا **ہفت اختر**[ل] مناسب معلوم ہوا۔

کتبہ اشرف علی

ثامن ذیقعدہ ۱۳۳۳ ہجری

ع اس مرتبہ ساتویں وعظ روح الارواح کو بھی جس کا الحاق اس مجموعہ کے ساتھ طبع اول کے بعد تجویز ہوا تھا ہمراہ شائع کر دیا ہے اور ملفوظات چونکہ علیحدہ مستقلاً شائع ہوتے ہیں۔ اسلئے اُن کو ہمراہ شائع نہیں کرایا گیا ۱۲ ظہور

ل سبع سیارہ کذا فی الغیاث ششہت بہائی التنویر ۱۲ منہ

این	متی	کم	کیف	ماذا	لمن الشان	من ضبط	المستمعون
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	بیٹھکر ہوا یا کھڑے ہوکر	کیا مضمون تھا	کس طبقہ کیلئے زیادہ مفید تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد
جامع مسجد تھانہ بھون ضلع مظفرنگر	۲ رمضان جمعہ ۱۳۳۲ھ	۳ گھنٹہ	بیٹھکر			عبدالحلیم کان اللہ	۳۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ترجمہ: اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ۔ ۱۲ محمد صابر امروہی غفرلہ

یہ تو اس آیت کے سننے ہی سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ روزہ کے متعلق بیان ہوگا۔ کیونکہ اس میں روزہ کا مضمون ہے لیکن یہ بھی خیال ہوا ہوگا کہ ہم تو اس کے متعلق بہت مرتبہ سن چکے ہیں پھر بار بار اعادہ دہرانا کی کیا ضرورت ہے۔ صاحبو آپ بھی تو ایک ہی فعل کا بہت مرتبہ اعادہ کیا کرتے ہیں رات کو کھانا کھا چکتے ہیں پھر صبح کو کھاتے ہیں۔ صبح کو کھا چکتے ہیں پھر شام کو کھاتے ہیں۔ یہ کیا بات ہے کہ

کہ وعظ کے متعلق یہ خیال پیدا ہوا۔ اور اپنے روزمرّہ کے افعال پر یہ خیال نہوا۔ اگر یہ کہو کہ کھانے کی تو ضرورت ہے۔ تو جو ضرورت وہاں ہے۔ وہی یہاں بھی ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ روٹی کو تو غذا سمجھتے ہو اور اسے نہیں سمجھتے حالانکہ جس طرح جسم کی غذا ہے اسی طرح روح کی بھی غذا ہے جس طرح جسم کو ہر وقت غذائے جدید کی ضرورت ہے کیونکہ حرکات مختلفہ سے جو اجزا متحلل ہو گئے ہیں۔ قیام بدن کیلئے اُنکے بدل کی ضرورت ہے۔ اسی طرح جو غذائے روحانی تم کو پارسال یا دو چار مہینے پہلے مل چکی ہے وہ غذا جزو روح بنکر نفس کی حرکات مختلفہ کبر حسد بغض ریا وغیرہ سے متحلل ہو چکی۔ پس جس طرح غذائے جسمانی بدل ما یتحلل (جسم کے جو اجزا تحلیل ہو گئے اُن کا عوض ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بن جاتی ہے اسی طرح وعظ بھی بھولے ہوئے مضامین کا بدل ہے اب معلوم ہو گیا ہو گا کہ وعظ کے اعادہ کی بھی ضرورت ہے جو غذا کے اعادہ کی ہے اور وعظ کی بھی وہی غایت ہے جو غذا کی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ غذا جزو بدن بنتی ہے اور وعظ جزو روح۔ اب اگر وعظ کا اعادہ ہو تو ضرورت سے خالی نہیں ہے یہی راز ان مضامین کے اعادہ کا سمجھ میں آگیا ہو گا جو حق تعالیٰ کے کلام میں بار بار آئے ہیں۔ اہل فلسفہ کو یہ شبہ ہے کہ انہیں قرآن مجید کے تکرار مضامین پر بہت شبہے ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہر چیز میں فلسفہ کا رنگ ڈھونڈتے ہیں اور وہی اُن کے دماغوں میں بسا ہوا ہے حتیٰ کہ عادات و معاشرات روزمرّہ میں بھی اسی کا خبط غالب ہوتا ہے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے مجھے تصور شیخ کا مسئلہ نقل کرنے کو دیا تھا۔ میں بیٹھا لکھ رہا تھا کہ ایک نو وارد معقولی طالب علم آئے اور پوچھنے لگے کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا تصور شیخ کا مسئلہ لکھ رہا ہوں کہنے لگے کون شیخ ابو علی سینا!! اللہ اکبر اتنا غلو کہ جب شیخ بولو تو ابو علی سینا ہی مراد ہو۔ ایک شخص کی حکایت سُنی ہے کہ وہ تیل لینے کسی تیلی کے کولھو پر گئے دیکھا کولھو میں بیل چل رہا ہے اور بیل کے گلے میں گھنٹی بندھی ہوئی ہے۔ پوچھا میاں تیلی گھنٹی لٹکانے میں کیا حکمت ہے۔ اُس نے کہا میاں ہم غریب لوگ ہیں ہمارے ذمے اور بھی بہت سے کام ہیں۔ آدمی رکھ نہیں سکتے ایک دفعہ ہنکا کے چلے جاتے ہیں اور اس گھنٹی کی آواز سے یہ سمجھتے رہتے ہیں کہ بیل چل رہا ہے جب آواز رک جاتی ہے تو آکے پھر ہنکا دیتے ہیں۔ کہنے لگے واہ اس سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ بیل چل رہا ہے۔ ممکن ہے کہ بیل کھڑا ہو اگر دن ہلا تا ہو

ملہ حرت سے گذر تا ۱۲ محمد صابر غفرلہ۔

اور اس نے گھنٹی کی آواز آتی رہتی ہو۔ اس نے کہا میاں آپ یہاں سے کہیں اور جگہ تشریف لیجائیے ہم آپ کے ہاتھ تیل بھی نہیں بیچتے۔ آپ تو اس بیل کو بھی اپنی طرح منطقی بنا دینگے پھر وہ بیل بھی نہیں رہیگا۔

ایک اور حکایت ہے کہ ایک طالب علم کہیں وطن سے باہر تحصیل علم کرنے گئے تھے جب فراغت کر کے وطن واپس آئے تو باپ نے اپنے جی میں یہ خیال کیا کہ صاحبزادے بہت دور سے بہت دن کے بعد آئے ہیں لاؤ آج کھانے میں کچھ تکلف کر دیں غریب آدمی تھے گھر میں دو بیضے تھے۔ وہ تلوائے جب کھانا کھانے بیٹھے۔ دسترخوان پر تین آدمی تھے۔ ایک وہی منطقی طالب علم اور اُن کا چھوٹا بھائی۔ اور ایک باپ۔ ان حضرت کو معقول کا جوش اٹھا باپ سے کہنے لگے کہ میں ایسا علم پڑھ کے آیا ہوں کہ ان دو انڈوں کے سوا تین بنا سکتا ہوں باپ کو یہ سنکر بہت تعجب ہوا کہنے لگے ہاں بیٹا کیونکر بتاتے ہیں ضرور بتاؤ کہنے لگے دیکھئے ایک یہ انڈا اور ایک یہ اور ایک ان دونوں کا مجموعہ تین ہوگئے پھر تین یہ اور ایک ان تینوں کا مجموعہ چار ہوگئے۔ وہلم جرا الی مالا نہایۃ۔ اسی طرح اعتبار کرتے چلے جاؤ سو کیا بیشمار انڈے بنتے چلے جا ہیں گے۔ باپ نے اس خبط کا عملی اور نہایت لطیف جواب یہ دیا کہ ایک انڈا چھوٹے بیٹے کو اٹھا کر دیدیا اور خود اٹھا لیا اور اُن سے کہا جو انڈا تو نے بنائے تم لے لو وہ تم کھا لو۔ اب تو میاں کی آنکھیں کھل گئیں۔ غرض جب فلسفہ میں غلو ہوجاتا ہے تو ہر چیز میں اُسی کا رنگ نظر آتا ہے اور ہر شئے کو اُسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں۔ اسی واسطے ہمارے بزرگ تمام علوم کو مخلوط کر کے پڑھاتے ہیں کہ نری فلسفہ سے فلسفیانہ خبط اور غلو نہ ہوجائے۔ بعضے یورپ والے اس طرز کے مخالف ہیں وہ کہتے ہیں پہلے علوم آلیہ سے فراغت ہوجانا چاہئے تاکہ علوم عالیہ میں کامل بصیرت ہو۔ مگر تجربہ سے معلوم ہوا کہ بصیرت خاک بھی نہیں ہوتی۔ بلکہ خبط ہوجاتا ہے غرض اہل فلسفہ کے دماغ میں فلسفہ یہاں تک رچ گیا کہ وہ قرآن مجید کو بھی چاہتے ہیں کہ کتب فلسفہ کے طرز پر ہو۔ معقولی کتابوں میں تو تکرار عیب ہے اور قرآن مجید میں تکرار اعلیٰ درجہ کی خوبی ہے کسی کی حس صحیح اور عقل سلیم ہو تو وہ جانے کہ یہ تکرار کیا کچھ مناسبت طبعی رکھتی ہے۔ کتب معقولات میں تو ضابطہ کا طرز اختیار کیا گیا ہے اور قرآن مجید میں دوسرا طرز اختیار کیا گیا ہے۔

اور وہ طرز ضابطہ کا طرز نہیں ہے۔ بلکہ شفقت کا طرز ہے۔ دیکھو جب اپنے بیٹے کو ایک دن نصیحت کرتا ہے۔ دوسرے دن جب اُسکو اس نصیحت پر عمل کرتے نہیں دیکھتا۔ پھر وہی نصیحت کرتا ہے۔ پھر خلاف کرتے دیکھتا ہے۔ پھر وہی نصیحت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر سو مرتبہ بھی ضرورت پڑے گی تو یہ سو مرتبہ برابر وہی نصیحت کرتا رہیگا۔ نہ اسی کو یہ خیال ہوگا کہ ایک ہی بات کا کیا بار بار اعادہ کروں۔ اور نہ کسی اور ہی کو اس اعادہ و تکرار پر اعتراض ہوگا۔ تو اسکی کیا وجہ ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ باپ کو بیٹے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی شفقت ہے شفقت کے ہوتے ضابطہ کا برتاؤ نہیں کیا جاتا۔ اور اگر باپ اپنے بیٹے کی تربیت اسی طرح کرے کہ ایک بار کہکر پھر نہ کہے کہ ایک مرتبہ تو کہہ چکا ہوں تو سب سے پہلے یہی معقولی حضرات نامعقول بن کر اعتراض کریں گے کہ تم تو بیٹے کے ساتھ قانونی برتاؤ کرتے ہو۔ اپنے اوپر سے الزام اُتارتے ہو۔ ایک اُستاد کے دو شاگرد ہوں ایک محبوب دوسرا مبغوض دونوں کے ساتھ اُستاد کا برتاؤ جدا جدا ہوگا۔ مثلاً دونوں سے ایک دفعہ کہیگا پڑھو۔ اگر دونوں پھر خاموش ہو جائیں گے۔ تو محبوب سے کہے گا پڑھ۔ اور اگر پھر خاموش ہو جائے گا۔ تو اس سے زیادہ سختی سے کہے گا۔ اور اُس مبغوض سے دوبارہ کچھ نہ کہے گا۔ کیونکہ مقصود تو یہ ہے کہ اسے کل پیٹوں بھی اور الزام بھی نہ آوے اور اُس دوسرے کے ساتھ محبت ہے اس لئے بار بار کہتا ہے کہ کل نہ پیٹے۔ کیوں صاحبان دونوں کے درمیان کیا تفاوت سمجھیں گے۔ یہی کہ اُسکی شفقت باعث ہوئی ہے تکرار تنبیہ پر۔ (ذوق صاحبزادہ ہی)

کیا فلاسفہ یہ چاہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا برتاؤ ہمارے ساتھ ضابطہ کا ہو۔ حضرت فلاسفہ اس کی قدر کیا جانیں۔ یہ تو اہلِ محبت ہی خوب سمجھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کو ہم سے اس درجہ شفقت ہے کہ ایک بات کو دس مرتبہ کہکر نہیں چھوڑتے۔ پھر کہتے ہیں۔ پھر کہتے ہیں چنانچہ اسی کو فرماتے ہیں افنضرب عنکم الذکر صفحا ان کنتم قوما مسرفین کیا ہم تمہارے حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے اپنی نصیحت روک لیں گے نہیں بار بار نصیحت کریں گے جن پر حق تعالیٰ کی صفات کمال کا ظل ہے اُن کو بھی مخلوق سے اس قدر محبت ہوتی ہے کہ وہ کوئی گستاخی یا نہ سنے برابر نصیحت کرتے رہتے ہیں۔ (اسا تذہ بزرگ فرما) اور اُن کی یہ حالت ہوتی ہے کہ روح

کس بشنود یا نہ شنود من گفتگوئے میکنم (ترجمہ۔ یعنی کوئی شخص سُنے یا نہ سنے میں برابر نصیحت کئے جاؤں گا۔ محمد صابر غفرلہ) اور یہ خیال ہوتا ہے کہ ؎

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن است و بس
در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید۔

(ترجمہ۔ اے حافظ تیرا کام فقط دعا کرنا ہی اور بس۔ اس بات کی فکر میں مت رہ کہ اس نے سُنا یا نہ سنا۔ محمد صابر غفرلہ)

اس بشنود یا نشنود پر ایک حکایت یاد آئی۔ مولانا سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبدالحی صاحب سے فرمایا کہ وعظ کہا کرو۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ حضرت میرا وعظ کون سُنے گا۔ فرمایا خدا سنیگا عرض کیا حضرت جب لوگ تھوڑے ہوں گے تو مضامین کی آمد کہاں ہو گی فرمایا تم لوگوں کی طرف مُنہ ہی نہ کرو۔ چنانچہ لوگوں کی طرف پشت کر کے وعظ شروع کیا پھر تو بے انتہا مخلوق جمع ہونا شروع ہو گئی۔ اللہ اکبر کیا خلوص ہے۔ کہ اگر کوئی نہ سُنے گا تو خدا تو سُنیں گے۔ یہی وہ خلوص ہے جس کی وجہ سے یہ حضرات منبع فیوض بنے۔ اُنہیں کے رفیق حضرت مولانا اسمٰعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ وعظ کیلئے کہیں تشریف لیگئے۔ چنانچہ وعظ کہا۔ جب ختم کر کے اُٹھے اُس وقت ایک شخص وعظ سُننے کے اشتیاق میں پہنچا جب سُنا وہ وعظ ہو چکا تو ایک آہ سرد بھری اور کہا افسوس اتنی دور سے آنے کی محنت ضائع گئی۔ مولانا نے فرمایا افسردہ کیوں ہوتے ہو چلو اب پھر کہہ دوں۔ اُس کا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد میں لیگئے۔ وہاں صرف مولانا تھے اور وہ شخص تھا۔ مولانا نے من اولہ الی آخرہ (ترجمہ۔ اول سے آخر تک محمد صابر غفرلہ) سارا وعظ اُسی طرح کہہ دیا۔ کتنا سخت کام ہے کہ جو نشاط دس ہزار آدمیوں کے مجمع میں ہوا تھا وہی ایک آدمی میں ہو۔ صاحب ہم سے تو ایسا کبھی (بسرانہ) ہو سکے (توضیحاً ۱۲ محمد صابر)۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی مخلوق پر نظر ہی نہ تھی وہ جو کچھ کہتے تھے خالق کی رضا کیلئے کہتے تھے۔ اور یہ خیال ہوتا تھا کہ جسے ہم راضی کرنا چاہتے ہیں وہ دس ہزار میں بھی تھا اور ایک میں بھی ہے۔ الحاصل خلوص پیدا کیجیے ان تکرار دین اور اس طرز کی تنبیہ ہو سکتی ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح باپ اپنی شفقت کی وجہ سے تکرار کرنے سے دلگیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی تکرار نہیں چھوڑتے۔ باپ کی شفقت پر ایک مثل یاد آئی۔ کسی بنئے کی حکایت مشہور ہے کہ اُس کے گھر میں کوا آ کر بیٹھا اُس کا بیٹا چھوٹا تھا۔ اُس نے پوچھا ابا یہ کیا ہے کہا کہ بیٹا اسے کوا کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اُس نے سو مرتبہ پوچھا کہ یہ کیا ہے۔

اور وہ برابر جواب دیتا رہا اور ذرا بھی چیں بجبیں نہوا۔ مگر اُسے بھی پر تکتا رہا۔ جب باوا بڈھے ہوئے اور صاحبزادے جوان۔ اتفاقاً ایک مرتبہ کوا آکر بیٹھا۔ پوچھا بیٹا یہ کیا ہے کہا کوا ہے۔ پھر پوچھا کہ کیا ہے۔ تو گھور گھار کے کہدیا کوا ہے۔ جب تیسری مرتبہ پوچھا کہ یہ کیا ہے۔ تو کہا کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے جو فضول بات کی رٹ لگا دی۔ باپ نے کہا بیٹا خفا نہو ذرا ٹھیر جاؤ۔ یہ کہا وہی بہی اُٹھا لایا اور دکھایا کہ تم نے سو مرتبہ پوچھا تھا تو میں نہ گھبرایا اور تم میرے تین ہی مرتبہ کے پوچھنے سے اس قدر گھبرا گئے اور خصوصاً آجکل تو غالب حالت یہی ہے کہ کوئی بیٹا باپ کو باپ سمجھ کر اطاعت نہیں کرتا۔ جبتک کمائی رہتی ہے تو کمائی کے لالچ سے خدمت کرتے رہتے ہیں اور جب وہ کمائی کے قابل نہیں رہتا۔ تو پھر اُن میں عمر کے ساتھ دو نقطے بھی بڑھ جاتے ہیں یعنی باپ سے پاپ ہو جاتا ہے۔ صاحبو! جب باپ کی شفقت ہے۔ تو شفقت پیدا کرنے والے کو کتنی شفقت ہوگی۔ اگر حق جل شانہ کو بندوں سے بلا شفقت التفات ہوتا تو ایک مرتبہ تو نرمی سے فرما دیتے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو۔ پھر جب عمل نہ کرتے تو دوبارہ ڈانٹ کر فرماتے۔ پھر تیسری مرتبہ چپت بھی لگتی پھر برابر جب تک عمل نہ کرتے چپت لگتی رہتی۔ اللہ اکبر۔ کیا ٹھکانا ہے اس شفقت کا۔ کہ برابر گناہ دیکھتے ہیں اور سمجھاتے رہتے ہیں۔ یہ بھی تو نہیں ہوتا کہ مدت دراز کے سمجھانے کے بعد ہی قوم نوح کی طرح طوفان میں غرق کر دیے جائیں۔ یا قوم لوط کی طرح طبقہ زمین اُلٹ دیا جائے یا قوم عاد کی طرح تیز آندھیوں میں برباد کر دیے جائیں۔ یا بنی اسرائیل کی طرح جو گناہ کریں وہ دروازوں پر لکھ دیا جائے۔ یا کوئی فرشتہ آکر ہلاک کر دے اسی کو شاعر کہتا ہے ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجکو اِنشا ادھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے یہ دمبدم عنایت

(ترجمہ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) (قربانی ۱۲ محمد صابر)

اور پھر اتنی عنایت کے بعد بہت بڑی عنایت یہ ہے کہ جب خلوص سے اللّٰھم اغفر لی (ترجمہ اے اللہ مجکو بخشدے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہا سب نامۂ اعمال سے مٹا دیا۔ یہ نہیں کیا کہ نامۂ اعمال میں رہنے دیتے۔ گو معاف کر دیتے جیسا کہ عدالت میں ہوتا ہے کہ اگر مقدمہ خارج بھی کر دیا جاتا ہے تو مسل کو پھاڑ کر نہیں پھینک دیا جاتا۔ بلکہ وہ داخل دفتر کر دیجاتی ہے۔ یہاں اتنے ہی سے خوش ہو جاتے ہیں۔ اور کمال شکر گذار ہوتے ہیں۔ اور وہاں

یہ قانون ہے کہ مقدمہ بھی خارج اور مسل بھی خارج تاکہ فرشتوں کی نظر میں بزرگ ثابت ہو اور انھیں ہم پر کسی قسم کے اعتراض کا موقع نہ ملے۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس رعایت کا اسی طرح یہ تکرار مضامین بھی عین عنایت و رعایت ہی۔ مگر بھلے مانس معترضین نے اس عنایت کی قدر کی کہ اعتراض کر دیا کہ کیوں ہے یہ رعایت۔ اپنے اوپر بھی تو یہ اعتراض کیا ہوتا کہ ہم میں کیوں ہے تکرار کیوں ہیں دو آنکھیں۔ دو کان۔ دو ہاتھ۔ دو پاؤں۔ وہاں تو یہ تمنا ہے کہ دو کی جگہ چار ہو جائیں تو اچھا ہے۔ اسی طرح ایک مرتبہ کھا کر دوبارہ کیوں کھاتے ہو۔ ایک مرتبہ سو کر دوبارہ کیوں سوتے ہو۔

خلاصہ یہ کہ یہ اعتراض ہی فضول ہے۔ کہ جب ایک مرتبہ یہ مضمون ہو چکا تھا تو پھر کیوں ہوا۔ کیونکہ یہ موٹی سی بات ہی کہ اکثر اگر ایک مرتبہ کہنے کا اثر نہیں ہوتا تو دوبارہ کہنے کا اثر ہو جاتا ہے۔ دیکھو حکیم سے نسخہ لکھوا کر لاتے ہو ایک ہی مرتبہ کے استعمال سے فائدہ نہیں ہوتا۔ بلکہ تین دن پی کر دیکھتے ہو۔ اور اگر ایک مرتبہ پینے کے بعد فائدہ محسوس نہ (ظاہر محمد صابر) ہوا اور کوئی یہ رائے دے کہ اس نسخہ سے فائدہ نہیں ہوا اسے چھوڑ دو تو تم خود یہ جواب دو گے کہ ایک دفعہ کے استعمال سے فائدہ نہیں ہوا کرتا۔ کم از کم تین دن تو پینا چاہیئے۔ جب جسمانی نسخہ کی نظیر موجود ہے۔ تو پھر روحانی نسخہ کو اسی پر کیوں نہیں قیاس کر لیتے۔ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب پہلی نصیحت سے فائدہ نہوا تو وہ بے کار گئی۔ سو پہلی نصیحت بیکار نہیں گئی۔ اس سے بھی نفع ہوا اور وہ نفع یہ ہوا کہ اس نے نفع کی استعداد پیدا کر دی دوسری نصیحت نے اس استعداد کو اور قوی کر دیا۔ تیسری مرتبہ کی نصیحت نے اس استعداد کو ظاہر کر دیا جس طرح دوا میں کہ پہلی دوسری خوراک سے بھی نفع ہوا تھا۔ مگر وہ محسوس و ظاہر نہ تھا۔ تیسری خوراک سے ظاہر ہو گیا۔ تو نفع مجموعہ مرتب ہوا۔ جس طرح ایک قطرہ پانی کا نل سے پتھر کی سل پر ٹپکتا ہی۔ تو برسوں میں مثلاً اس میں گڑھا ہو جائے گا۔ تو کوئی عاقل یہ نہ کہیگا کہ گڑھا اخیر قطرہ سے ہوا ہے۔ بلکہ یہ گڑھا مجموعہ قطرات کا اثر ہے جس طرح اخیر قطرہ موثر ہے پہلا دوسرا قطرہ بھی موثر تھا ہاں ان کا اثر ظاہر نہ تھا۔ اب اخیر قطرے کے ساتھ مجموعہ (اشرف کنہیوالا مشہد صابر) کا اثر ظاہر ہوا اسی طرح ترازو میں پانچ سیر رائی رکھو تو پلہ جھک جائیگا۔ مگر ایک دانہ رکھ کر

دیکھوگے تو اُس سے پلہ کا جھکنا محسوس نہ ہوگا۔ اسی طرح دو تین سے بھی تاوقتیکہ اُن کی مقدار معتد بہ مقدار نہ ہو جائے۔ (ظاہر ۱۲ محمد صابر غفرلہ) معتد بہ مقدار سے پلہ جھک جائے گا تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اخیر دانہ سے جھکا بلکہ اُس پلہ کے جھکانے میں مجموعہ کا ہر جزو مؤثر ہے۔ چنانچہ کوئی سریع الحس ایک دانہ رائی کا عمدہ کانٹے میں ڈال کر دیکھے تو اُسے فوراً پلہ کا جھکنا محسوس ہو جائے گا اس کو فلاسفہ نے بھی مان لیا ہے اور اس پر یہ تفریع کی ہے کہ زمین کا مرکز ثقل وزن کے بدلنے سے بدلتا رہتا ہے۔ اور مرکز حجم نہیں بدلتا۔ اب ایک آن ایسی فرض کرو کہ تمام عالم کو سکون ہو پھر ایک چیونٹی چلی تو ساری زمین ہل گئی۔ لوگ انہیں بے وقوف کہیں گے کہ کہیں اتنی بڑی زمین اتنی سی چیونٹی سے ہل سکتی ہے۔ زمین تو بے شک ہلیگی مگر زلزلہ کی طرح نہیں ہلیگی جو محسوس ہو۔ آپ علوم درسیہ پڑھیں تو سارے تعجبات جاتے رہیں اور آپ کی بھی سمجھ میں آجائے کہ ایک چیونٹی کی حرکت سے ساری زمین کیونکر ہل سکتی ہے مقصود میرا ان تمام مثالوں سے اس کی تائید کرنا ہے کہ مجموعہ کا ہر جزو مؤثر ہوتا ہے۔ اب اگر اس دفعہ کے وعظ میں نفع ہوا تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس سے پہلے کے وعظ بیکار گئے بلکہ اُن سے بھی نفع ہوا کہ اُنھوں نے بتدریج نفع کی استعداد پیدا کر دی۔ مگر یہ نفع ظاہر نہ ہوا اخیر میں آکر ظاہر ہو گیا۔ جس طرح ایک بچے کو کل بھی دیکھا تھا اور آج بھی دیکھا تو یہ بچہ بہ نسبت کل کے آج بڑھا اور اگر روز نہ بڑھے تو ایک دم سے پچاس برس کا بڈھا کیونکر ہو سکتا ہے۔ اسی طرح سالکوں کو بھی تسلی رکھنا چاہیے جن کی یہ حالت ہے۔ کہ اگر ذکر و شغل سے کچھ واردات و ثمرات حاصل نہیں ہوتے تو دلگیر ہوتے ہیں کہ ہماری محنت ضائع ہو رہی ہے۔ کیونکہ آجکل ذاکروں کو یہ بھی خبط ہے کہ ذکر و شغل شروع کرتے ہی ثمرات کے متوقع (ترجمہ آرزومند ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہو جاتے ہیں۔ کہ آدمی دو کے پیر شدی۔ یہ نہیں خیال کرتے کہ کام کب سے شروع کیا ہے۔ مجھے اس موقع پر ایک مثل یاد آتی ہے۔ ہے تو وہ بیہودہ سی۔ مگر نتیجہ خیز ہے۔ عوام میں مثل مشہور ہے کہ رات پڑی بوند نام رکھا محمود۔ ابھی نطفہ کا قیام بھی متحمل ہے۔ مگر اُنہوں نے بنا النا سد علی الفاسد شیخ چلی کے طور پر طے کر لیا کہ لڑکا ہوگا اُس کا یہ نام رکھیں گے۔ پھر وہ بڑھیگا اُس کے اولاد ہوگی۔

اُس کا یہ نام ہوگا وچنیں مسلسل ۔ اب اگر بچہ نہوا یا لڑکی ہوئی تو سوچتے ہیں کہ ہائیں یہ کیا ہوا اسی طرح ذکر سے پہلے یہ حضرات یوں سوچ لیتے ہیں ۔ کہ اس طرح احوال ہوں گے ۔ اور کیفیات و واردات ہوں گے اور یوں انوار ہوں گے ۔ اور جب شروع کیا تو اُسی وقت سے اب وحی کا انتظار ہے ۔ غضب کی بات ہے کہ تعلیم ظاہری میں تو میزان شروع کرکے بخاری کے فوراً متوقع نہیں ہوتے مگر تعلیم باطنی میں یہ چاہتے ہیں کہ سیڑھیاں چڑھنا نہ پڑیں ایک دم سے اُڑ کے پہنچ جائیں سلوک کے ساتھ اس بدسلوکی و بے صبری کی وجہ یہ ہے کہ یہ جانتے نہیں کہ ذکر کیا چیز ہے ۔ اگر یہ جانتے تو صبر ہوتا ۔ بلکہ ان ثمرات کا انتظار بھی نہ ہوتا کیونکہ انتظار کرنا ایک شے کے بعد دوسری شے کا اُس وقت ہوتا ہے کہ یہ پہلی شے مقصود بالعرض ہوا اور وہ دوسری شے مقصود بالذات ہو ۔ جب یہ ذکر کے بعد ثمرات کا انتظار کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہو کہ ذکر کو مقصود بالعرض سمجھتا ہے اور ان ثمرات کو مقصود بالذات ۔ خبر بھی ہے ذکر کیا شے ہو حدیث قدسی میں وارد ہے انا جلیس من ذکرنی (ترجمہ جو مجھکو یاد کرتا ہے میں اُس کا ہمنشین ہوں ۱۲ محمد صابر) ذکر محبوب حقیقی کی مجالست ہے ۔ ارے ظالم تو محبوب حقیقی کی مجالست کو چھوڑ کر کسی اور چیز کے پیچھے پڑا ہے ۔ ہمارے حاجی صاحبؒ سے جب کوئی عرض کرتا کہ حضرت ذکر کرتے بہت روز ہوگئے مگر کچھ معلوم نہیں ہوا ۔ حضرت فرماتے کہ خدا کا شکر کرو کہ تمہیں ذکر ہی کی توفیق ہوگئی ۔ اب اگر کوئی ثمرات کے پیچھے پڑے تو اس سے بڑھ کر اور کیا جہل ہوگا کہ اُسکے نزدیک محبوب حقیقی کی مجالست بھی مقصود بالعرض ہے ۔ مطلق محبوب کی مجالست کے بارہ میں مولانا فرماتے ہیں ؎

ہر کجا دلبر بود خرم نشیں	فوق گردون ست نی قعر زمین

(ترجمہ جس جگہ محبوب ہو خوش و خرم بیٹھ وہ جگہ مرتبہ میں آسمان سے بلند ہے نہ زمین پست ۱۲ محمد صابر عفرلہ)

ہر کجا یوسف رخے باشد چو ماہ	جنت است آں گرچہ باشد قعر چاہ

(ترجمہ ۔ جہاں محبوب ہو وہ جگہ جنت ہے اگرچہ کنواں ہی کیوں نہ ہو ۱۲ محمد صابر عفرلہ)

گفت معشوقی بعاشق کای فتا	تو بغربت دیدۂ بس شہرہا

پس کدامی شہر ازآنہا خوشتراست گفت آں شہرے کہ در وے دلبراست

کسی معشوق نے عاشق سے پوچھا کہ تم نے سیاحت میں کونسا شہر پسند کیا ہے یعنی وہ کہتا ہے سب میں عمدہ وہ شہر ہے جہاں محبوب کی زیارت ہو عشاق نے تو یہاں تک کیا ہے کہ اگر مسمی کی مجالست نصیب نہیں ہوئی تو اسم ہی مجالست کو غنیمت سمجھا ہے مولانا فرماتے ہیں ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد	در بیابان غمش بنشستہ فرد
کسی نے مجنوں کو جنگل میں تنہا دیکھا	(ترجمہ) کہ غمگین بیٹھا ہوا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ
؎ ریگ کاغذ بود و انگشتاں قلم	مے نمودی بہرکس نامہ رقم

یعنی ریت پر انگلیوں سے کچھ لکھ رہا ہے ؎

گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں	می نویسی نامہ بہرکیست ایں

پوچھا اے مجنوں کسے خط لکھ رہے ہو ؎

گفت مشق نام لیلےٰ مے کنم	خاطر خود راتسلی مے کنم

کہنے لگا کہ لیلےٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں (اپنے دل کو تسلی دے رہا ہوں محمد صابر غفرلہ)

یہ تو وہ لوگ ہیں جنہیں مسمی کی مجالست میسر نہیں فقط اسم کی مجالست پر قناعت کرتے ہیں اور تم ہو کہ تمہیں مسمی کی مجالست پر بھی قناعت نہیں۔ ہاں اگر کوئی حافظ جی ہی ہوں کہ انہیں مسمی نظر نہ آتا ہو تو کیا کیا جائے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں تو نظر نہیں آتا تو نظر آنے کی کیا صورت ہے پس تمہیں خوشخبری دیتا ہوں کہ تم ذکر برابر کرتے رہو یہی تمہاری آنکھوں کا نسخہ ہے۔ یہی نسخہ ہے ایک دن تمہیں قلب کا بینا بنادے گا۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

بود واے دیدہ آمد نور ساز	شد ز بوئے دیدۂ یعقوب باز

(ترجمہ۔ خوشبو وہ چیز ہے کہ آنکھ کیلئے دوائے نور بخش ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یعنی ایک خوشبو سے یعقوب کا دیدہ کھل گیا تھا۔ بلکہ ایک دولت تمہارے متمنی سے بڑھکر ہے کیونکہ محبت میں تمنا یہ ہوتی ہے کہ محبوب پاس بیٹھے اور اگر بہت زیادہ ہوس ہوئی تو یہ تمنا ہوتی ہے کہ محبوب میری بغل اور میرے احاطہ میں آجائے۔ تمہیں ان سب سے

۱۴۳

بڑھکر ایک ایسی حالت میسر ہے جس کی تمنا کا کبھی احتمال بھی نہ ہوا ہو گا۔ وہ یہ کہ محبوب تمہیں اپنی بغل میں لئے ہوئے ہے کیونکہ فرماتے ہیں الا انہ بکل شیئ محیط (ترجمہ وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اگر کوئی معشوق اپنے عاشق سے یوں کہے کہ کہو تم مجھے گود میں لیتے ہو یا میں تمہیں گود میں لیلوں تو واللہ اگر کچھ سلامتی فہم ہے تو یہی کہیگا کہ میری ایسی قسمت کہاں کہ تو مجھے بغل میں لیکے بیٹھے اس لئے کہ بغل میں لینے والا تو محب ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کسی کو تمنا ہوتی ہے تو محیط ہونے کی ہوتی ہے۔ خدا کی عنایت ہے کہ وہ تمہیں بغیر تمہاری تمنا کے آغوش رحمت میں ایسا گھیرے ہوئے ہے کہ تم کسی آن میں اس سے باہر نہیں ہو سکتے۔ اس سے بڑھکر اب اور مجالست کیا ہوگی۔ اتنی بڑی دولت کے ہوتے ہوئے تم یہ چاہتے ہو کہ ثمرات ہوں۔ احوال ہوں۔ ذوق ملے۔ شوق ملے۔ اس کی ایسی مثال ہے کہ ؎

دست بوسی چوں رسید از دست شاہ	پایٔ بوسی اندریں دم شد گناہ

(ترجمہ بادشاہ اگر دست بوسی کے واسطے کسی کو ہاتھ دیدے تو اس وقت میں قدم چومنا جرم ہے ۱۲ محمد صابر امروہی غفرلہ)

وزارت ملتی ہے مگر یہ کہتا ہے کہ نہیں مجھے تو جالی کھرپا دو۔ میں وزیر نہیں بنوں گا۔ میں گھسیارہ ہی رہوں گا۔ جسے ذکر کی توفیق ہو جائے یہی بڑی دولت ہے۔ ہمارے حضرت پڑھا کرتے تھے ؎

یا بم او را نیا بم جستجوے میکنم	حاصل آید یا نیاید آرزوئے میکنم

(ترجمہ اُس کو پاؤں یا نہ پاؤں اُسکی جستجو کرتا ہوں ملے یا نہ ملے آرزو کرتا ہوں ۲ محمد صابر امروہی غفرلہ)

یا نیابم بناء علےٰ ظاہرہ ہے یعنی جسے میں یا بم سمجھتا ہوں اُس کے اعتبار سے نیابم کیونکہ یہاں تو جستجو ہی یا بم ہے کسی نے خوب کہا ہی اگرچہ بے سمجھے کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کہنے والے کا ذہن وہاں تک نہیں پہنچتا۔ جہاں سننے والے کا پہنچ جاتا ہے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے اپنی غزل کسی کو سنائی اُس نے ایک معمولی سے شعر کو مکرر پڑھوا کر سنا اور بڑی دیر تک مزے لیتا رہا مولانا نے پوچھا اسمیں ایسی کونسی بات ہی جس سے تمہیں لطف آرہا ہے۔ اُس نے ایک ایسے معنے بیان کئے کہ مولانا کے ذہن میں بھی نہ تھے۔ خیر وہ قول یہ ہے ؎

تلاش یار میں رہنا مجاہدہ ہے یہی ۔۔۔ تصور رخ جاناں مشاہدہ ہی یہی

سچی بات ہی ذکر و فکر ہی مشاہدہ ہے اور ارشاد ہی فاذکرونی اذکرکم (ترجمہ تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یہ خدا کو یاد کرتا ہے اور خدا اسکو یاد کرتا ہے۔ پھر اتنی بڑی دولت کے ہوتے اور کیا چاہیئے۔ غرض بعض ذاکرین ذکر خالی عن الثمرات۔ (ترجمہ ثمرات سے خالی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کو ضائع سمجھتے ہیں۔ تو اس کا بھی جواب یہی ہے جیسا کہ میں ابھی بیان کر چکا ہوں سمجھ لینا چاہیئے کہ پہلی مرتبہ کا ذکر بیکار نہیں گیا اس سے بھی نفع ہوا اگر محسوس نہیں ہوا اخیر میں جو نفع محسوس ہوا ہے وہ مجموعہ مدت کا نفع ہے۔ میں نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہی کہ علماء کو سلوک میں مجاہدہ بہت کم کرنا پڑتا ہے۔ فرمایا کہ یہ سب سے زیادہ مجاہدہ کرتے ہیں جتنک طالب علمی کرتے ہیں وہ سب مجاہدہ ہی ہے سبحان اللہ کیسی اچھی بات فرمائی جس دیا سلائی کو برسوں دھوپ دے چکے ہیں۔ وہ ذرا سی گرمی پاتے ہی فوراً روشن ہو جائیگی۔ اور جس نے کبھی دھوپ نہ دیکھی ہو ہمیشہ نمی میں رہی ہو وہ بہت دقت سے جلے گی بس وہ برسوں کی دھوپ اسی طرح طلب علم کی دوڑ دھوپ ضائع نہیں ہی۔ آج اُس کا اثر ظاہر ہو رہا ہے اور اگر اسکو ضائع سمجھ کر طالب (طالب بہ طاری مراد) اختیار کی تو محرومی رہی خوب فرمایا ہے ؎

نازپرورد تنعم نبرد راہ بدوست ۔۔۔ عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

(ترجمہ عیش و عشرت ناز و نعمت میں پلا ہوا راہ سلوک نہیں طے کر سکتا۔ عاشقی محنت و جفاکش لوگوں کا کام ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

جو ناز و نعمت عیش و عشرت میں رہتے ہیں انہیں کچھ نہیں ملتا طالب علموں ہی میں دیکھ لو جو تنعم میں رہتے ہیں اُن میں خاک بھی استعداد نہیں ہوتی۔ غرض کام کرتے رہو اگر شروع میں نفع محسوس نہ ہو تو نا اُمید ہو کر یہ نہ سمجھو کہ نفع نہیں ہوا بلکہ نفع جمع ہو رہا ہے سب ایک دم سے مل جائیگا۔ اس کی ایسی مثال ہی کہ ایک شخص کو ایک قیمتی حلوا خریدنا ہی۔ پانچ روپے کی ضرورت ہے اور دو آنے کی آمدنی ہے۔ کسی صاحب بصیرۃ نے بتلا دیا کہ ایک ایک پیسہ گھڑے میں ڈالتے رہو۔ جب پانچ روپے پورے ہو جائیں گے تو حلوا آ جائیگا۔ اب اگر وہ پانچ روپے جمع ہونے سے پہلے چاہے کہ حلوا آ جاوے تو کیسے آ سکتا ہے۔ ایسے ذاکرین تمہاری

روزانہ کی بارہ تسبیحیں بھی ایک ایک پیسہ ہیں۔ اگر جمع نہ کروگے تو جو شئے خریدنا چاہتے ہو تو کیسے خریدوگے۔ ہاں جب پانچ روپے ہو جائیں گے حلوے کی قاب مل جائیگی۔ غرض دیر ہوتی ہے ہونے دو کیونکہ دیر بھی حکمت حق سے ہوتی ہے۔ اسکی ایک حکمت حق تعالی نے مولانا کی مثنوی سے مجھے منکشف کی ہے

میتوانم ہم کہ بے ایں انتظار ۔۔۔ رہ نمایم وا دہم راہ گذار

(ترجمہ یعنی مجکو قدرت ہے کہ بغیر انتظار کے رستہ دکھلاؤں اور راہ گذار کو ظاہر کر دوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

تا ازیں طوفان دوراں وارہی ۔۔۔ بر سر گنج وصالم پا نہی

(ترجمہ۔ تاکہ زمانہ کے رنج والم کے طوفان سے چھٹکارا پا ئے میرے وصل کے خزانہ کو حاصل کرے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

لیک شیرینی ولذات مقر ۔۔۔ ہست بر اندازۂ رنج سفر

(ترجمہ۔ لیکن وطن کی لذت ولطف سفر کے رنج ومحن برداشت کرنے کی مقدار پر ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

آنگہ از فرزند وخویشاں خوری ۔۔۔ کز غریبی رنج ومحنتہا بری

(ترجمہ اس وقت خویش واقارب اہل وعیال کی صحبت کا لطف حاصل ہو سکتا ہے کہ مسافرت میں بہت سی تکلیفیں ومحنتیں اٹھائی ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

خصوصاً جبکہ شیخ پاس ہو اور پھر اسے وسوسہ ہو تو تعجب ہے کیونکہ وہ شیخ تسلی کر سکتا ہے۔ پھر اپنی رائے سے کیوں کام لے۔ ایک شخص مولانا گنگوہی سے بیعت تھے۔ انہوں نے ایک بار اپنا کچھ حال مجھ سے کہا میں نے اس کے متعلق تحقیق بیان کی کہنے لگے حضرت مولانا نے بھی یہی فرمادیا تھا۔ میرا یہ خیال تھا کہ یوں ہی تسلی کردی ہیں میں نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ مولانا کو چھوٹا سمجھتے ہیں۔ مولانا کو کیا غرض کہ وہ تمہاری خوشامد کریں۔ اب تو ان کی آنکھیں کھل گئیں۔ پھر انہیں اس بدگمانی سے توبہ کرائی اسکے بعد خدا کے فضل سے انہیں نفع ہونا شروع ہو گیا۔ جو شخص شیخ کے بتانے کے بعد بھی وسوسہ کرے یہ سمجھو کہ وہ اسے شیخ نہیں سمجھتا بلکہ اپنے نفس کو شیخ سمجھتا ہے اور اسی کا اتباع کرتا ہے۔ رہبر ولی پر اعتماد نہ کرنے کی ایسی مثال ہے کہ اندھے حافظ جی کہیں دعوت میں گئے تھے۔ جب وہاں سے لوٹے تو شاگرد کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے اس نے کہا حافظ جی کھائی۔ حافظ جی کہنے لگے ہاں خوب کھائی

اُس نے پھر کھانا کھائی اُنھوں نے پھر بھی کھانا خوب کھائی یہاں تک کہ اُسکے روکنے سے تڑک کے اور قدم بڑھا کر خندق میں گر پڑے۔ تو کہنے لگے کہ کمبخت یوں کیوں نہ کہا کہ حافظ جی خندق۔ اندھے کو چاہیئے کہ جس کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا ہے اُس کی تقلید کرے تحقیق کے درپے نہ ہو۔ ہاں اگر کسی معقول عذر سے اُسپر اعتماد نہ رہے دوسرے کو ڈھونڈے۔ مریض اگر طبیب سے محاجہ کرنے لگے تو طبیب بیزار ہو کر کبھی علاج نہ کریگا۔ ہاں تھوڑے دنوں کی تقلید کے بعد خود بخود محقق بن جاؤ گے مبارک ہے وہ تقلید جو کامیاب کر دے اور منحوس ہے وہ تحقیق جو ناکام رکھے۔ اسپر ایک مثل یاد آئی ایک احمق کے اونٹ پر گون بھری ہوئی تھی۔ ایک عاقل پیدل چلا جا رہا تھا۔ اُس نے پوچھا گون میں کیا ہے۔ احمق نے کہا ایک طرف گیہوں ہے اور ایک طرف ریگ۔ پوچھا ریگ کیوں بھرا ہے۔ اُس نے کہا تا کہ دونوں طرف کا وزن برابر رہے۔ عاقل نے کہا ریگ نکال ڈالو اور آدھے آدھے گیہوں دونوں طرف بھر دو تب بھی یہ مقصود حاصل ہو جائیگا اور اونٹ کو راحت رہیگی۔ احمق کی سمجھ میں آگیا۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد خوش ہو کر عاقل سے کہا تم بھی میرے اونٹ پر بیٹھ جاؤ۔ بہت اصرار سے وہ عاقل اونٹ پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد اُس احمق کو خیال آیا کہ جب میں باوجود احمق ہونے کے ایک اونٹ کا مالک ہوں تو یہ تو عقلمند ہے خدا جانے اسکے پاس کس قدر مویشی ہوں گے۔ (۱۸) اُس عاقل سے پوچھا تمہارے پاس کتنے اونٹ ہیں کہا ایک بھی نہیں۔ پوچھا کتنی گائیں ہیں کہا ایک بھی نہیں۔ پوچھا کتنی بکریاں ہیں کہا ایک بھی نہیں۔ پوچھا آخر کچھ ہے بھی کہا کچھ بھی نہیں۔ کہا مہربانی کر کے آپ میرے اونٹ سے اُتر جایئے اور میں آپکے اس مشورے سے باز آیا آپ کی عقل نہایت منحوس ہے کہ جس نے آپ کو ورطۂ افلاس (تنگدستی کے بھنور ۱۲ محمد صابر غفرلہ) سے نہ نکالا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اُسکی نحوست سے میں بھی مفلس ہو جاؤں آپ جیسے عقلمندوں سے تو میں احمق ہزار درجے اچھا کہ ایک اونٹ کا تو مالک ہوں اور یہ کہکر پھر اُسی طرح ایک طرف گیہوں اور ایک طرف ریگ بھر لیا۔ حقیقت میں جو کم عقلی موصل الی اللہ (ترجمہ اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانیوالی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہو وہ مبارک ہے اُس عقل سے جو مانع ہو۔ بھولے بھالے اولیاء اللہ مقصود تک پہنچ گئے اور فلاسفۂ یونان ٹھوکریں کھاتے پھرے۔ عقل حقیقت میں وہ ہے

جو رہبر ہو۔ اور جو مانع ہو تو اس کو تو یہ کہا جائیگا۔ کہ ؎

آزمودم عقل دور اندیش را	بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

(ترجمہ عقل دور اندیش کو بارہا آزمایا اس کے بعد اپنے کو دیوانہ بنایا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یعنی جب عقل سے کام نہ چلا تو اپنے کو دیوانہ بنا دیا یہ مطلب نہیں کہ عقل سے بالکل کام نہیں لیا۔ کیونکہ یہ بھی تو عقل ہی کا کام تھا بلکہ مطلب یہ ہی کہ عقل سے کام لینے میں غلو نہیں کیا اسی کو کہا ہے ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست	کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رای

(ترجمہ اپنی رائے اور فکر کو راہ سلوک میں کچھ دخل نہیں ہی اس طریق میں خود بینی اور خود رائی کفر ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافری است	راہرو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

(ترجمہ۔ طریقت میں عقل و تقوی پر بھروسہ کرنا کفر ہی راہِ سلوک طے کرنے والا اگر سینکڑوں ہنر جانتا ہو پھر بھی اسکو توکل یعنی اپنے کو اہل اللہ کے سپرد کرنا چاہیئے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

توکل کے معنی سپردن خود بخدا (ترجمہ اپنے کو خدائے تعالیٰ کے سپرد کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہی اور اپنے کو اہل اللہ کے سپرد کرنا یہ بھی خدا ہی کے سپرد کرنا ہے پس اپنے کو اہل اللہ کے سپرد کر دینا چاہیئے اپنی عقل و رائے سے کام نہیں چل سکتا کیونکہ یہ طریق وصول فن ہی دوسرا ہے۔ اگر کوئی بحر محبت (محبت کا دریا) (حساب جاننے والا آدمی) اعلےٰ درجہ کا دریا میں قدم رکھے تو وہاں اُسکی محاسبی کیا کام آسکتی ہی وہاں تو غواصی (تیراکی) ۱۲ کی ضرورت ہی

بحریست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست	آنجا جز آنکہ جاں بسپارند چارہ نیست

(ترجمہ دریائے عشق ایسا دریا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں ہی۔ اس جگہ جان سونپنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے محمد صابر غفرلہ)

یہاں جان سپردن کے معنی ہلاک نمودن (ہلاک کرنا ۱۲ محمد صابر) کے نہیں ہیں۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ جان را بدست کسے سپردن تا از ہلاک محفوظ ماند (جان کو کسی شخص کے ہاتھ میں دینا تاکہ ہلاکت سے محفوظ رہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اگر تم نے اپنے کو کشتی والے کے سپرد نہ کیا تو اُس بنیئے کی سی مثال ہوگی جو ایک بھی مع اہل و عیال سفر کو چلا راستہ میں ایک دریا پڑا آپ نے پہلی کنارے رکوا دی اور خود دریا کے پانی کو بانس سے ناپنے لگے تو پانی کہیں پر گھٹنوں گھٹنوں تھا کہیں پر کمر کہیں آدمی ڈوبا و کہیں اس سے کم اور کہیں اس سے زیادہ آپنے سلیٹ پنسل لیکر حساب لگا کر پانی کی اوسط

نکالی کہ کمر کمر ہے۔ اس میں سے بہلی جا سکتی ہے۔ آپ نے بہلبان سے کہا کہ بہلی لیچل۔ اب جو بیچ میں بہلی پہنچی تو لگی غوطے کھانے سمجھے کہ حساب میں غلطی ہوگئی۔ جھٹ نکال پھر دیکھا تو حساب صحیح تھا کہنے لگے "لیکھا جوں کا توں پھر کنبہ ڈوبا کیوں"۔ حضرت خوب سمجھ لو کہ سلوک میں اپنی رائے سے دریا میں بہلی کو ڈالنا اور اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ ہر جگہ اسی ہنر کی ضرورت ہے جو اس جگہ کے موافق ہو مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ ایک نحوی کشتی میں سوار ہوئے۔ فن میں ایسے کامل نہ تھے مگر چھچھورپن کا جوش تھا جبتک آدمی کامل نہیں ہوتا تو چھچھورپن کا جوش ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک اور نحوی نماز پڑھ رہے تھے چند عورتیں آئیں انہوں نے کہا السلام علیکم۔ انہوں نے کچھ خیال نہ کیا اور عادت کے موافق جواب میں وعلیکم السلام کہا اور نماز میں مشغول ہوگئے۔ نماز پڑھنے میں خیال آیا کہ میں اتنا بڑا نحوی مشہور ہوں مجھ سے ایسی صریح غلطی ہوئی اسکی تلافی کی کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی نیت توڑ کر ان عورتوں کے پیچھے دوڑے اور انکے پاس پہنچ کر کہنے لگے وعلیکنّ السلام وعلیکنّ السلام۔ یوں تو چاہیے ان عورتوں نے خیال نہ کیا ہو مگر انکے بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہونے سے ضرور خیال کیا ہوگا۔ یہ تھا چھچھورپنا۔ یہی تھے وہ نحوی کشتی میں سوار ہوئے تو ملاح سے کہنے لگے تمہیں کچھ نحو بھی آتی ہے ۳۰ اس نے کہا نہیں۔ آپ نے کہا افسوس تم نے اپنی آدھی عمر کھوئی۔ جب کشتی چلی تو اتفاق سے ایک گرداب میں آگئی۔ ملاح نے پوچھا حضرت آپ کچھ تیرنا بھی جانتے ہیں انہوں نے کہا نہیں۔ ملاح نے (بھنور ۱۲ محمد صابر) کہا افسوس آپ نے اپنی ساری عمر کھوئی۔ کشتی گرداب میں ہے اسکے ساتھ آپ بھی ڈوبیں گے میں تو تیرتا ہوا نکل جاؤنگا۔ یہاں نحو کام نہیں دے سکتی۔ یہاں محو کی ضرورت ہے۔ اگر تم بھی میری طرح فنا فی البحر (دریا میں فنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہوتے تو دریا تمکو نہ ڈبوتا۔ تو ہر جگہ اپنی تحقیق کام نہیں آتی۔ بلکہ دوسرے کی تقلید کی ضرورت ہے۔ ہم اتنا پڑھ چکے ہیں بہت سی کتابیں دیکھ چکے ہیں۔ مگر ہمیں ابتک نہیں معلوم کہ ربیع میں کیا بوتے ہیں اور خریف میں کیا بوتے ہیں۔ یہاں ہمارا علم اور ہماری تحقیق کام نہیں دے سکتی بلکہ یہاں جاہل کاشتکاروں کی تقلید کام آسکتی ہے اور اپنی تحقیق کے بھروسے اناج بونے لگیں تو نتیجہ یہ ہوگا کہ مشقت بھی ہوگی اناج بھی جائیگا اور کچھ بھی ہاتھ نہ آئیگا۔ بہرحال ہر فن میں اسکے جاننے والوں کو امام بناؤ اور انہیں کی تقلید کرو۔ جب تقلید کروگے تو تعجیل بھی نہ ہوگی۔ لکھتے ہیں پانچ دن ذکر کرتے ہو گئے ابتک احوال طاری نہیں ہوئے نہ کچھ کیفیات وارد ہوئیں اور دس دن

گذر گئے ابھی تک ثمرات حاصل نہیں ہوئے کیونکہ وہ رہبر تعجیل سے روکیگا اور اسکی تقلید کرنا پڑیگی ایک مرتبہ ہمپر بھی وسوسہ غالب ہوا کہ کیا بات ہی مقصود جلدی سے کیوں نہیں حاصل ہو جاتا خدا کو ہماری طلب کا علم بھی ہی ہمپر رحمت بھی ہے ہمکو مقصود تک پہنچا دینے کی قدرت بھی ہی باوجود ان دواعی کے پھر کیوں دیر لگتی ہے۔ اسی پریشانی میں مثنوی شریف جو کھولکر دیکھی تو سر صفحہ پر یہ شعر نکلے۔ یہ بھی نہیں کہ دو چار ورق اُلٹنا پڑے ہوں ؎

چارہ ہے جو بد پئے من درد تو ۔۔۔۔۔ مے شنودم دوش آہ سرد تو

(ترجمہ۔ برادر، میرے وصال کی چارہ جوئی کر رہا تھا اور کل گذشتہ رات میں تیری آہ سرد کو بھی سُنتا تھا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

مے توانم ہم کہ بے این انتظار ۔۔۔۔۔ راہ نمایم دادہم راہ گذار

اس میں یہ بھی مان لیا کہ مجھے قدرت بھی ہی کہ بے انتظار پہنچا دوں۔

تا ازیں طوفان دوران وا رہی ۔۔۔۔۔ بر سرِ گنج وصالم پا نہی

(ترجمہ۔ تاکہ رنج و ستم کے طوفان سے چھٹکارا پاکر میرے وصال میں کامیاب ہو ۱۲۔ محمد صابر غفرلہ)

لیک شیرینی ولذاتِ مقر ۔۔۔۔۔ ہست بر اندازۂ رنج سفر

(ترجمہ۔ لیکن وطن کا لطف یا وصل کی لذت مجاہدہ رنج والم برداشت کرنے پر ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یعنی اسکے درد و طلب کو بھی مان لیا اور عطا و رحمت کو بھی مان لیا

حاصل جواب کا یہ ہے کہ تجھ میں طلب بھی ہے ہم میں رحمت بھی ہی۔ علم بھی ہے قدرت بھی ہی جسکے مجموعے سے شبہ پیدا ہوا۔ لیکن اس سب کے ساتھ حکمت بھی ہی یہی جواب ہی۔

آنکہ از فرزند و خویشاں برخوری ۔۔۔۔۔ کز غریبی رنج و محنتہا بری

یعنی سفر میں جتنی زحمت ہوگی اُسی قدر وطن کی قدر ہوگی۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ میاں پانی تو نعمت ہی ہی پیاس بھی نعمت ہی کیونکہ اسی سے پانی کی لذت ہی۔ اگر بے پیاس پانی پیو تو ناگوار ہوگا۔ حدیث شریف میں ہی کہ جنت جب خالی رہجائیگی تو حق تعالیٰ سے عرض کریگی کہ آپنے مجھے بھرنیکا وعدہ کیا تھا۔ حق تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرنیکے لئے اُسی وقت ایک مخلوق پیدا کرکے اُس سے جنت کو بھر دیگا۔ مولنا محمد یعقوب صاحبؒ فرماتے تھے اُس قوم کو جنت کا اتنا مزا نہیں آئیگا جتنا ہمیں آئیگا کیونکہ اُنہوں نے کبھی تکلیف نہیں اُٹھائی اور ہم دنیا کی مصیبتیں جھیل چکیں گے۔ اس لئے ہمیں اُس راحت کی پوری پوری قدر ہوگی۔ سچ ہے لذت

۲۱

انگور میوہ داند نہ خداوند میوہ (ترجمہ انگور کی لذت میوہ جانتا ہے نہ مالک میوہ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) مولانا فیض الحسن صاحب رح کو دہلی کے ایک شاہزادہ نے اپنے ہاتھ سے کھانا پکاکر کھلایا۔ اس کے بعد مولانا سے داد چاہی مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ کے کھانے سے کیونکر اندازہ ہوسکتا ہے کہ کیسا ہے۔ ممکن ہے کہ اپنی نوع کے لحاظ سے اچھا ہو ممکن ہے کہ بُرا ہو۔ کئی بار پکاکر کھلاؤ تو اندازہ ہوسکتا ہے۔ واقعی ع وبضدہا تتبین الاشیاء (ترجمہ چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں محمد صابر غفرلہ) اسی طرح سالک جب کسی مقام پر مشقت کے بعد پہنچتا ہے تو اُس کی قدر ہوتی ہے اور آنکھیں کھلتی ہیں اور بزبان حال یا قال کہتا ہے۔

دوش از وقت سحر از غصہ نجاتم دادند واندراں ظلمت شب آبحیاتم دادند

(ترجمہ۔ کل رات صبح کیوقت غصہ وغم سے مجھ کو نجات دی شب کی ظلمت میں مجکو آبحیات بخشی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور پھر اُس وقت پیر کی بھی قدر ہوگی اور کہیگا ؎

کیمیائیست عجب بندگی پیر مغاں خاک او گشتم وچندیں درجاتم دادند

(ترجمہ۔ پیر کامل کی اطاعت عجیب کیمیا ہے اُس کے قدموں میں ہاتنے درجات پائے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور یہ درجات تو شروع ہی میں مل جاتے ہیں مگر اطلاع نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ کہ ذکر وشغل کے بعد تعجیل نفع کا انتظار نہ کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اگر ایک مرتبہ کے وعظ سے نفع نہ محسوس (ظاہر ۱۲ ص) ہو تو اُسے بیکار نہ سمجھنا چاہیئے۔ الحاصل یہ تقریر تو اسکو مقتضی (تقاضا کرنیوالی ص) ہے کہ اگر کسی مکرر مضمون کا بھی بیان کروں تو محل شبہ نہ ہونا چاہیئے۔ مگر میں انشاء اللہ ایک نئی بات بیان کروں گا۔ بیان کئے ہوئے مضمون کو مکرر نہیں بیان کرونگا اور نئی باعتبار اپنی ہیئت ترکیبیہ کے ہوگی ورنہ فی نفسہ تمام مضامین پرانے ہیں اس اعتبار سے کہ کتاب وسنت ہی سے مستنبط (نکلے ہوئے ص) ہوتے ہیں لیکن تاہم اپنی ہیئت ترکیبیہ کے اعتبار سے نیا ہوگا۔ پس اس مضمون کے فرسودہ (پرانا ۱۲ ص) ہونیکا شبہ بھی جاتا رہا اور واقع میں تو وہ فرسودہ (پرانا ۱۲ ص) کسی حالت میں نہیں ہوتا بلکہ جس قدر اُسکی کہنگی بڑھتی جاتی ہے بجائے فرسودگی وضعف کے اُس میں حدت (تیزی ۱۲) بھی بڑھتی جاتی ہے جس کی ایسی مثال ہے ؎

خود قوی تر مے شود خمر کہن خاصہ آں خمرے کہ باشد من لدن

(ترجمہ پُرانی شراب میں خود تیزی بڑھتی جاتی ہے خاصکر وہ شراب محبت جو اللہ تعالیٰ کیجانب سے عطا ہوئی ہو ۱۲ محمد صابر)

۲۴

شراب جوں جوں پرانی ہوتی جاتی ہے تیزی بڑھتی جاتی ہے۔ اسی طرح اُس خم لدنی کا پینے والا بھی کما قیل ؎

ہر چند پیر و خستہ و بس ناتواں شدم ہر گاہ نظر بروئے تو کردم جواں شدم

(ترجمہ ہر چند بوڑھا اور بہت ناتوان ہو گیا ہوں جس وقت تیرے چہرہ پر نظر ڈالتا ہوں جوان ہو جاتا ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہاں پُرانا ہونے سے فتور و ملال کچھ نہیں آتا۔ حضرت حاجی صاحبؒ باوجود ضعف کے جب حقائق و معارف بیان فرماتے اُٹھ کر بیٹھ جاتے تھے اور جب بیان فرما چکتے تو ضعف سے آہ آہ کرتے تھے۔ آخر یہ کیا چیز تھی جو تھوڑی دیر کیلئے قوت پیدا کر دیتی تھی وہی فرسودہ (پرانے ۱۲ ص) مضامین تھے۔ اسی طرح علوم میں تو ہماری بھی یہی حالت ہو جاتی ہے مگر اعمال میں نہیں ہوتی۔ وہاں اعمال میں بھی یہ حالت تھی کہ تراویح میں ایک شب کے اندر پورا پورا قرآن کھڑے کھڑے سُنا ہے۔ کچھ عجیب بات تھی یوں تو یہ حالت تھی کہ بات کرنا بھی ضعف کیوجہ سے دشوار تھا۔ مگر اِدھر نیت باندھی اور اللہ اکبر کہا نہ معلوم پھر وہ ضعف کہاں چلا جاتا تھا۔ حضرت اکیلے اخیر تک کھڑے رہتے تھے اور حافظ برابر بدلتے رہتے تھے۔ بات یہ ہے کہ ان حضرات کو اعمال میں تازگی اور شگفتگی ہوتی تھی اور ہمیں اعمال میں تو لطف آتا نہیں مگر علمی باتوں میں مزہ ہوتا ہے اس لئے اُس میں ہم میں بھی قوت آجاتی ہے۔ بہر حال خدائی شراب گھستی نہیں فرسودہ نہیں ہوتی اور تعجب ہے کہ پُرانا روپیہ تو کالا ہونیکی وجہ سے کبھی نہیں چھوڑتے ہو اور اللہ کے مضامین پُرانے ہونیکی وجہ سے چھوڑتے ہو کیا اُس پرانے روپے کے برابر بھی نہیں خیر یہاں ظاہراً بھی یہ شبہ نہ کرو میں ایک نیا ہی مضمون بیان کرونگا جو اس آیت سے مستنبط ہوتا ہے حق تعالےٰ فرماتے ہیں کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ترجمہ آیت کا یہ ہے۔ اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا۔ جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا اس توقع پر کہ تم متقی بن جاؤ۔ محمد صابر غفرلہ) اس تشبیہ میں اسکی رعایت کی ہے کہ سہل ہو جاوے کیونکہ ایک تو مسابقت میں رغبت ہوتی ہے اور ایک مرتبہ جوش ہوتا ہے کہ ہم بھی کریں۔ دوسرے یہ کہ جب ہماری شان کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ (ترجمہ۔ تم بہترین اُمت ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہے تو غیرت بھی ہوتی ہے کہ ہم باوجود افضل ہونیکے حق تعالیٰ کا وہ کام نہ کریں جو ہم سے مفضول (گھٹیا لوگ ۱۲ ص) کر گئے تو گویا پہلی قومیں ایک ایسی چیز لے گئیں جو تمھیں اب تک نہیں دی گئی۔ اُنہیں ہم نے ایک بائیسکل

دی تھی جس سے وہ بہت جلد اپنا راستہ قطع کر سکتے تھے تمہیں بھی دیدی تاکہ تم ان سے پیچھے نہ رہ جاؤ۔ اسی لئے فرمایا کُتِبَ عَلَیْکُمُ (تم پر فرض کیا گیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یہ خدا کی بڑی رحمت ہے کہ فرض کردیا جس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شفیق باپ اپنے بیٹے کو زبردستی مسہل پلائے واقعی بڑی رحمت ہے کہ فرض کردیا کیونکہ جانتے تھے کہ بغیر اس کے نہیں کریں گے ہمارے والد صاحب نے بچپن میں مجھے مسہل پلانا چاہا میں نے انکار کیا۔ مجھ سے کہا کہ پی لو تو ایک روپیہ دینگے میں جانتا تھا کہ اب اگر انکار کرونگا یہ دھمکی دیکر پلائیں گے پھر روپیہ بھی جائیگا اور پینا پڑیگا۔ اس لئے پی لیا۔

حق تعالیٰ نے بھی ہماری ہی ضرورت اور ہماری ہی مصلحت کیلئے مسہل تجویز فرمایا اور اسکے پی لینے پر انعام کا وعدہ فرمایا اور نہ پینے پر دھمکی بھی دی۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس عنایت و شفقت کا۔ واللہ وجد کے قابل ہے۔ لوگ ستار کی تن تن اور سارنگی کی روں روں پر کودتے ناچتے ہیں۔ افسوس انہیں حس نہیں۔ وجد کی چیزیں یہ علوم ہیں۔

بہر حال خدا نے ہم پر روزہ اس لئے فرض کیا تاکہ ہم اُسے کریں اور لوگوں کی یہ حالت ہے کہ کہتے ہیں ابکے بڑی شدت کی گرمی ہے روزہ کیسے رکھا جائیگا نہایت تپش و حبس ہے دن کیسے کٹیگا خدا سے کیسے بدگمانی ہے۔ کیا خدا نے تمہیں ایسی بات کا حکم دیا ہے جو تم سے نہو سکے لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اُسی کا جو اُسکی طاقت و اختیار میں ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) وہاں تو یہ رحمت ہے کہ اگر بارش و ابر (بادل ۱۲ ص) نہو گا تو صبر ہو گا۔ بہر حال تمہیں اسکی کیا فکر جب وہ اپنا کام لینا چاہیں گے تو اُس کیلئے ویسے ہی سامان بھی پیدا کر دینگے۔ گو تمہاری بدگمانی کا مقتضا تو یہی تھا کہ خوب تپش ہوتی اور شدت سے گرمی پڑتی کیونکہ حدیث قدسی میں ہے اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (ترجمہ۔ میں اپنے بندے کے گمان کے موافق ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) خدا کے ساتھ جیسا گمان کرلو خدا ویسا ہی کر دیتا ہے۔ مگر کیا رحمت ہے سبحان اللہ کہ رمضان شروع ہوتے ہی نہ گرمی رہی نہ وہ پیاس رہی نہ وہ حبس رہا نہ وہ تپش رہی۔ اور ایک دن پیشتر ہی اس قدر گرمی تھی کہ بغیر پنکھے کے قرار نہ تھا۔ اور بغیر بار بار پانی پیے چین نہ تھا۔ ابھی پانی پی کے بیٹھے اور ابھی پھر پیاس موجود۔ سبحان اللہ رمضان کی بھی بڑی عجیب برکت ہے کہ شروع ہوتے ہی ٹھنڈی ہوائیں

چلنے لگیں۔ کونین کیسی مثال ہو گئی کہ ہے تو نہایت کڑوی مگر اُس کی گولی پر شکر لپیٹ دی گئی ہے کہ کونین معلوم نہ ہو اور اُس کا نفع حاصل ہو جائے۔ اگر کڑوی رکھی جاتی تب بھی کھانا پڑتی۔ مگر یہ نہ سمجھ لینا کہ جب تیز ہوائیں چلیں گی تو روزہ رکھیں گے نہیں تو نہیں رکھیں گے۔ یہ تو تمہیں راہ پر لگا دیا اب برابر رکھتے رہو اگر ہوا نہ بھی چلے تب بھی رحمت ہے تاکہ بے بٹا ہر میں سراہ کی قدر ہو۔ اور صبر بھی ہو اسکو یوں سمجھو کہ بعضے کھانے سرد اچھے ہوتے ہیں مثلاً فیرینی وغیرہ۔ اور بعضے کھانے گرم اچھے ہوتے ہیں مثلاً پلاؤ۔ قورمہ وغیرہ۔ بہرحال جو کچھ عطا کریں سب رحمت ہے۔ خواہ وہ سردی ہو یا گرمی مجھ سے سوال کیا گیا کہ تراویح کے اندر گرمی بہت لگتی ہے پنکھا باندھنا جائز ہے یا نہیں مجھے یاد ہے کہ میں نے ابتداء عمر میں اسے ناجائز لکھا تھا مگر اب لوگوں کی حالت پر نظر کر کے لکھ دیتا ہوں کہ جائز ہے۔ مگر خلاف ادب ہے کیونکہ اس کی تو ایسی ہی مثال ہے کہ صاحب کلکٹر کے اجلاس پر کھڑے ہو کر اپنی عرضی سُنا رہے ہیں اور پیچھے سے نوکر کھڑا پنکھا جھل رہا ہے۔ اگر سرشتہ دار منع کرے۔ اور یہ پوچھے کہ کیوں صاحب آپ منع کیوں کرتے ہیں کیا خلاف قانون ہے۔ وہ یہی کہیگا کہ خلاف قانون تو نہیں ہے مگر خلاف ادب ہے۔ اسی طرح نماز کو بھی حق تعالیٰ کے دربار کی حاضری خاص تجویز کیا گیا ہے اور حاضری کا حق یہ ہے کہ ؎

حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ　　متی ما تلق من تہوی دع الدنیا واہملہا

(ترجمہ۔ اگر محبوب حقیقی کے دربار کی حضوری اور قرب چاہتے ہو تو اُس سے غافل مت ہو بلکہ اُسکی طرف متوجہ رہو اور جب اپنے محبوب سے ملاقات کرو یعنی عبادت میں اسکی مشغول ہو تو دنیا و ما فیہا کیطرف التفات مت کیا کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

تو جب محبوب کے سامنے کھڑے ہو گئے تو پنکھا کیسا وہاں تو اپنا بھی ہوش نہ رہنا چاہئے اور اگر اس طرح سمجھ میں نہ آوے تو یوں سمجھو کہ تم سے پہلے بہت سے لوگ گذرے جن میں اُمراء بھی تھے رؤسا بھی تھے۔ نواب بھی تھے بادشاہ بھی تھے۔ مگر اُن کی بنوائی ہوئی مساجد میں کہیں پنکھے کا نشان نہیں۔ شاہجہاں نے اتنی بڑی دہلی کی مسجد تعمیر کرائی اور خود بھی نماز کو آتے تھے۔ مگر کبھی پنکھا نہیں لگوایا۔ عالمگیر نے ہزاروں مسجدیں بنوائیں اور خود بھی جماعت کے پابند تھے مگر کسی مسجد میں کبھی پنکھے کا انتظام نہیں کیا۔ ورنہ ان کی مساجد میں ضرور پنکھے کے نشان پائے جاتے۔ پھر پنکھے لگانا اعلےٰ درجہ کی صورت تکبر کی ہے کہ جہاں بادشاہ متواضع ہوتے یہ وہاں

۲۵

بھی نہیں ہوتے۔ یہ مسجد سُنا ہے کہ عہد عالمگیری کی ہے۔ اس میں پنکھے تو نکھے کہیں ہوا آنیکے لئے جھروکے تک نہیں۔ اب تو میں خود کہہ دیتا ہوں کہ کبھی مسجد بناؤ تو اُس میں جھروکے اور کھڑکیاں رکھنا تاکہ نمازیوں کو راحت رہے اور مسجد میں آنے سے نفس حیلے بہانے نہ کرے۔ جیسا کانپور میں ایک بھولے بھالے شخص بیچارے بھوپال سے آئے تھے کہنے لگے اب کے جمعہ کی نماز ہم پڑھائیں گے اور وہ خطبہ پڑھیں گے جو اول قدوم (انا ۱۲ اص) مدینہ میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پڑھا تھا۔ چنانچہ جمعہ آیا۔ نماز پڑھانے کھڑے ہوئے اول تو وہ خطبہ ہی ایسے طویل لہجہ سے پڑھا کہ لوگ اُس میں اُکتا گئے تھے اُس پر غضب یہ کیا کہ پہلی رکعت میں سورۂ قاف شروع کردی گرمی بہت تھی ایک شخص بیہوش ہو کر گر پڑا۔ ایک شخص کو قے آنے لگی اور ایک شخص جس کو زبردستی کرکے کچھ لوگ اتفاق سے اُسی روز مسجد میں نماز پڑھنے لائے تھے نیت توڑا اور یہ کہتا ہوا کہ ہم اسی سے تو نماز نہیں پڑھتے یہ جا اور وہ جا اور شہر بھر میں ہل چل مچ گئی کہ اگر وہی نماز پڑھائیں گے تو ہم کہیں اور نماز پڑھ لیں گے۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جھروکے رکھو تاکہ ہوا آتی رہے۔ مگر اس ہوا میں اور اُس پنکھے میں فرق ہے کیونکہ یہ قدرتی پنکھا ہے جو عبدیت کے منافی نہیں ہے بخلاف اُسکے کہ اُس میں مخدومیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کوئی خادم جھلتا ہے البتہ بجلی کے پنکھے میں مجھے اب تک تردد ہے اور غالبًا وہ بھی خلاف ادب معلوم ہوتا ہے کہ شروع حرکت تو انسان کے فعل سے ہوتی ہے اور اگر بہت ہی جی چاہتا ہے تو خیر بجلی کا پنکھا لگاؤ البتہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ اگر ٹوٹ جاتا ہے تو کتنوں ہی کو زخمی کر دیتا ہے۔ اچھا ہوا کہ یہاں نہیں ہے میں تو بمبئی کلکتہ بھی گیا تو پنکھے کے محاذاۃ (مقابل ۱۲) سے بچکر مسجد میں کھڑا ہوتا تھا کہ اگر امام کے محاذاۃ (مقابلہ ۱۲ اص) میں کھڑا ہونیکا ثواب نہ ملیگا تو اس کے ٹوٹنے کے عذاب سے تو بچا رہونگا۔ اجی سیدھی بات تو یہی ہے کہ بلا اہتمام پنکھے کے نیت باندھکر کھڑے ہو جائیں واقعی جسے ذرا بھی حق تعالیٰ کی محبت کا چسکا ہو اُسے سردی گرمی کی کیا پرواہ ؏ از محبت تلخہا شیریں شود (ترجمہ محبت سے تلخیاں بھی گوارا ہو جاتی ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور اہلِ محبت کی یہ حالت ہوتی ہے ؎

خوشا وقت شوریدگان غمش　　اگر ریش بینند و گر مرہمش

۲۶

(ترجمہ۔ اُسکے غم کے پریشان لوگوں کا کیا اچھا وقت ہی اگر زخم دیکھتے ہیں اور اگر اسپر مرہم رکھتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

گدایانے از بادشاہی نفور | بامیدش اندر گدائی صبور

(ترجمہ ایسے فقیر کہ بادشاہی سی نفرت کرنیوالے اسکی اُمید پر فقیری میں قناعت کرنیوالے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

دمادم شراب الم درکشند | وگر تلخ بینند دم درکشند

(ترجمہ۔ ہر دم رنج کی شراب پیتے ہیں اور جب اسمیں کڑواہٹ دیکھتے ہیں تو خاموش ہو بیٹھتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

بس نماز میں تھوڑی مشقت اٹھالی ادہر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا اور نپکھا لے لیا۔ غرض خدا کا دونوں طرح مشاہدہ کرلیا۔ شان جلالی میں بھی شان جمالی میں بھی ؎

از دستِ ہجر یار شکایت نمی کنم | گر نیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور

(ترجمہ محبوب سے جدائی کی شکایت نہیں اگر جُدائی نہوتی تو وصل میں وہ لطف و لذت نہوتی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

حضرات اولیاء اللہ کی تو شان یہ ہوتی ہی کہ اگر اُنہیں تکلیف ہوتی ہی تو وہ اُس میں بھی شکر کرتے ہیں۔ کہ اس سے زیادہ تکلیف نہیں ہوئی۔ مولنا فرماتے ہیں ؎

چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بیں | تازہ باش و چیں میفگن بر جبیں

(ترجمہ۔ جب قبض پیش آئے تو اسمیں بسط کا ملاحظہ کرو خوش و خرم رہو پیشانی پر بل نہ ڈالو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

وہ قبض سے نہیں گھبراتے کیونکہ قبض عین بسط ہی۔ غرض یہ سب خدا کی رحمت ہے اگر کوئی طبیب کہدے کہ آج پانی نہ پینا ورنہ استسقا ہوجائیگا۔ اُس نے تو ایک ہی دن کو کہا تھا مگر یہ احتیاط کے مارے دو دن چھوڑ دیں گے۔ افسوس طبیب کے کہنے کی یہ وقعت اور خدا کے ارشاد کی یہ قدر۔ خدا نے علاج میں جو سہولت برتی ہے ایسا تو کوئی طبیب کر بھی نہیں سکتا طبیب اگر کسی چیز سے پرہیز کراتا ہے تو یہ نہیں کرسکتا کہ عین ضرورت کیوقت پرہیز کرالے۔ اور ضرورت سے پہلے نہ کرائے بلکہ وہ حفظ ما تقدم (پہلے سے احتیاط برتنا ۱۲ ص) کیلئے چھ مہینے پہلے سے پرہیز شروع کراتے ہیں اور پھر بعد تک جاری رکھتے ہیں۔ یہاں یہ ہے کہ جب عین ضرر کا وقت ہوا اُسی وقت حکم دیدیا پرہیز کا۔ پھر اس سے بڑھکر لطف یہ کہ زمانہ پرہیز میں بھی بد پرہیزی کی اجازت دیدی یعنی رمضان کی راتوں میں اُنہی مفطرات کی اجازت دیدی کہ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ (ترجمہ تم رات تک روزہ کو پورا کیا کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور اُس چیز کی خاصیت ہی بدل دی صرف اُتنی دیر

کیلئے۔ اب وہ مضر نہیں ہوسکتی۔ حکمائے یونان کے باپ سے بھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ مریض کی مصلحت کی رعایت کرکے اُس چیز کی خاصیت بدل دیں پھر جبتک اُسکی خاصیت بدلی رہی اُسوقت تک تو اُسکے استعمال کی اجازت دیدی اور جب اُسمیں باذن حق اصلی خاصیت عود کر آئی یعنی دن قریب ہوا تو پھر روک دیا اور صُوۡمُوۡا (ترجمہ روزہ رکھو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) فرمادیا کہ اب نہ کھاؤ نہ پیو۔ شاید کوئی یہ شبہ کرے کہ قرآن مجید نازل ہوئے سینکڑوں برس ہوگئے جو کچھ حکم ہونا تھا ایک بار ہوچکا روز روز صُوۡمُوۡا (ترجمہ تم روزہ رکھو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کہاں کہا جاتا ہے فقہا حقیقت بیں بڑے عارف تھے وہ اسکی حقیقت کو خوب سمجھے۔ وہ کہتے ہیں کہ صوم کا سبب وجوب شہود شہر ہے لہذا جب شہود شہر ہوگا تو تقدیراً یہی امر ہوگا کہ صُوۡمُوۡا (ترجمہ تم روزہ رکھو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) جس طرح جب ظہر کا وقت ہوگا تو یہی تقدیراً امر ہوگا کہ صَلُّوۡا (ترجمہ تم نماز پڑھو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کیونکہ وقت ظہر سبب وجوب ہے ہاں حج کا سبب بیت اللہ ہے اور وہ چونکہ مکرر نہیں اسلئے حج بھی مکرر نہیں اور یہاں چونکہ یہ اسباب مکرر ہوتے رہتے ہیں اسلئے اُن کے مسببات بھی مکرر ہونگے گو تمہیں ادراک نہیں ہوتا۔ اُنکے جیسے کان پیدا کرو تو تمہیں بھی ہر ظہر کے وقت صَلُّوۡا (ترجمہ نماز پڑھو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اور رمضان کے ہر دن میں صُوۡمُوۡا سنائی دینے لگے۔ اسی کو عارف رومیؒ فرماتے ہیں ؎

پنبہ اندر گوش حس دوں کنید تا خطاب ارجعی را بشنوید

(ترجمہ ان ظاہری کانوں میں جو ادنیٰ درجہ کے حواس سے ہیں روئی رکھکر گوش باطن کو درست کرو جب اس قابل ہوگے تو ارجعی ... سنو گے ۱۲)

اور عارف شیرازیؒ فرماتے ہیں ؎

الست از ازل ہمچنان شان بگوش بفریاد قالوا بلیٰ در خروش

(ترجمہ الست بربکم کی ندا اُن عاشقان صادق کے کانوں میں ہنوز ویسی ہی ہے قالوا بلیٰ کی فریاد سے شور کر رہے ہیں ۱۲ محمد صابر)

کہ جو اَلَسۡتُ بِرَبِّکُمۡ ازل میں کہا گیا تھا وہ منقطع نہیں ہوا اسی طرح وہ صَلُّوۡا و صُوۡمُوۡا (ترجمہ نماز پڑھو اور روزہ رکھو) منقطع نہیں ہوا آج بھی موجود ہے اور برابر رہیگا۔ اہل ادراک ہی اسکو ادراک کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں۔ جب یہ ثابت ہوگیا وہ شبہ جاتا رہا کہ کہاں بار بار حکم پرہیز کا ہونا ہے الغرض حق تعالیٰ کو ہمارے ساتھ کس قدر شفقت ہے کہ پرہیز کرایا مگر تھوڑی دیر کہ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیۡلِ (ترجمہ تم رات تک روزہ کو پورا کیا کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اس سہولت پر طبیب سا اسلئے قادر نہیں

کہ وہ مظہر (ظاہر کرنے والا ۱۲ من) نفع وضرر ہے اور حق تعالیٰ محدث (پیدا کرنے والا ۱۲) ہی نفع وضرر کا کہ جبتک چاہا ایک شے کو نافع رکھا اور جب چاہا اُسی ضار (نقصان دینے والی ۱۲ من) بنا دیا۔ حق تعالیٰ کو تمہاری کس قدر رعایت منظور ہے۔ کہ ایک محکمہ نفع وضرر کا قائم کیا کہ ایک ہی شے رات بھر نافع رہتی ہے اور صبح کو ضار ہو جاتی ہے۔ دن بھر مضر رہتی ہے رات سے پھر مفید ہو جاتی ہے۔ ایک یہ رحمت دوسری یہ شفقت کہ جب مضر ہوا تو اُس سے بچنا فرض کر دیا اور یہی نکتہ ہے کتب علیکم میں آگے فرماتے ہیں لعلکم تتقون روزہ تم پر فرض کیوں ہوا اس اُمید میں کہ تم متقی ہو جاؤ۔ اس ترجمہ سے یہ اشکال رفع ہو گیا ہو گا کہ لعلّ تو تردد وترجی کیلئے ہے۔ جب باری تعالیٰ کو تمام اشیاء کا علم ہے تو تردد کا کلمہ کیوں استعمال کیا۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ فرض ہوا ہے تمہاری اس اُمید پر کہ تم متقی ہو جاؤ گے یعنی روزہ رکھکر یہ اُمید رکھو کہ متقی ہو جاؤ گے۔ یہاں بھی اُمید وبیم میں رکھا کہ تمہیں روزہ رکھکر متقی بن جانے کی امید رکھنا چاہیئے یقین نہ رکھنا چاہیئے۔ یہ بھی خدا کا لطف ہے کیونکہ اگر یہ فرما دیتے کہ تم متقی ہونیکا یقین رکھو تو روزہ رکھنے کے بعد تو متقی ہونیکا ناز ہی ہو جاتا جو بالکل خدا سے بعید کر دیتا کیونکہ ناز و نیاز جمع نہیں ہوتے جیسا صحابہ کے بارے میں ۴۶ ارشاد ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (ترجمہ وعدہ کیا اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور اُنہوں نے اچھے کام کئے اُن سے مغفرت اور ثواب عظیم کا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یہاں بھی مِنْهُمْ فرمایا اگر مِنْهُمْ نہ فرماتے تو اس لفظ سے جو نیاز پیدا ہوتا ہے وہ پیدا نہ ہوتا ایک ذرا سا لفظ بڑھایا اور سارے جہان کو ہلا دیا۔ اسی واسطے بزرگوں کو ناز پسند نہیں نیاز پسند ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان پر اس قدر نیاز کا غلبہ تھا کہ باوجودیکہ عُمَرُ فِي الْجَنَّةِ (ترجمہ۔ عمر جنت میں ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) فرما دیا گیا۔ مگر حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے جو صاحب سر (راز ۱۲ الکل) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مشہور تھے پوچھتے ہیں کہ سچ بتاؤ کہیں حضور نے مجھے منافقین میں تو نہیں بتایا۔ سچ ہے ؎

باسایۂ ترا نمی پسندم

عشق است و ہزار بدگمانی

(ترجمہ عشق میں ہزاروں بدگمانیاں ہوتی ہیں اسلئے محبوبہ کا سایہ کے ساتھ رہنا بھی عشاق نہیں پسند کرتے ۱۲)

(محمد صابر غفرلہ)

جو مرنا تھا تو اُسکے جنازے پر جب شریک ہوتے جب یہ دیکھ لیتے کہ حذیفہؓ بھی شریک ہیں
بات یہ ہے کہ محبوب کون ہے۔ اُسکی شان یہ ہے لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ (ترجمہ وہ جو کچھ
کرتا ہے اُس سے کوئی بازپرس نہیں کرسکتا اور اوروں سے بازپرس کیجا سکتی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تو ونھم
اس واسطے بڑھایا کہ صحابہ کو یہ کیفیت بھی میسر ہو۔ کیونکہ ناز والوں کو قرب نہیں ہوتا۔ قرب اہل
نیاز کو ہوتا ہے۔ اسی واسطے تمام انبیاء اہل نیاز ہوئے۔ البتہ ناقصین ناز بھی کرتے لگتے
ہیں سہارنپور میں ایک دفعہ شدت کی بارش ہو رہی تھی ایک مجذوب کہنے لگے بس کر
بس کر کیا مار ڈالیگا" یہ کہتے ہی فوراً بارش رک گئی وہ صاحب حال تھا غیر صاحب
حال کو ایسا نہ چاہیے ؎

ناز را روئے بباید ہمچو ورد　　چون نداری گرد بدخوئی مگرد

(ترجمہ۔ ناز کرنیکے لئے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب تم ایسا چہرہ نہیں رکھتے بدخوئی کے پاس بھی
نہ جاؤ ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

۴۰　سو یہ وہ کلمہ تھا جسے انبیاء بھی نہیں کہہ سکتے مگر دونوں کے مرتبہ میں بہت فرق ہے
مجذوبوں کی تو ایک ناسمجھ چھوٹے بچے کیسی مثال ہے کہ اگر وہ باپ کی ڈاڑھی بھی نوچے تو نہ
باپ کو ناگوار ہوتا ہے نہ عرفاً بے ادبی سمجھی جاتی ہے اور انبیاء کی سمجھدار بڑے بیٹے کی سی
مثال ہے کہ اس کی مجال نہیں کہ باپ کی ڈاڑھی میں ہاتھ ڈال سکے۔ مگر جو قرب اسے ہے اپنے
باپ سے وہ اُس چھوٹے بیٹے کو ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ جوان لڑکا باپ کا مشیر ہے۔ اسی
طرح مجذوب کو ہرگز وہ قرب نہیں جو سالک کو ہے۔ غرض تمام انبیاء اور حضرت عمرؓ کو باوجود
بشارتوں کے پھر بھی چین نہیں اور یہی نکتہ ہے جنہوں کے پڑھانے میں کہ نیاز کی صورت
دیکھنا چاہتے ہیں اور ناز کو پسند نہیں کرتے اسی طرح یہاں بھی لعلکم تتقون فرمایا تاکہ کوئی خدا کو مقید
نہ سمجھنے لگے۔ اہل سنت کا یہ مذہب ہے کہ لا یجب علی اللہ شیئ (ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز
واجب نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) مگر معتزلہ پھسل گئے اور اس کے قائل ہو گئے کہ حق تعالیٰ پر واجب
ہے کہ طاعت پر ثواب دے اور معصیت پر عذاب۔ ہمارے نزدیک اس خدا پر کچھ بھی واجب
نہیں اور جہاں کہیں انعام کے صیغے ہیں جیسے حق علی اللہ (ترجمہ اللہ تعالیٰ پر حق ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) آیا ہے

اُس کے معنی مشابہ حق کے ہیں یعنی حق تعالیٰ اس طور پر اُسے پورا فرمادیں گے جیسے کوئی وجب کو ادا کرتا ہو۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ تمام مخلوق کو دوزخ میں ڈال دیں تب بھی وہ غیر ظالم ہونگے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ ظلم ملک غیر میں تصرف کرنیکو کہتے ہیں اور یہ سب اُنہیں کی ملک ہیں وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ غرض وہ جو بھی کریں حُسن ہی ہے

کفر ہم نسبت بخالق حکمت ست	ور بما نسبت کنی کفر آفت است

(ترجمہ۔ کفر خالق کے اعتبار سے حکمت ہی اور اگر ہماری طرف نسبت کرو تو کفر آفت ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یعنی کفر بھی اُنہیں کا پیدا کیا ہوا ہے۔ کیونکہ کفر کا پیدا کرنا تو حسن ہی ہی۔ ہاں صدور اُس کا قبیح ہے۔ کیونکہ کفر کے پیدا کرنے میں حکمتیں ہیں اور کفر کے صدور میں کوئی حکمت نہیں ہے

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر ست	آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

(ترجمہ عشق کے کارخانہ میں کفر کا ہونا ضروری ہے۔ دوزخ میں کون جلتا اگر ابو لہب نہوتا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اگر کفر نہوتا تو عالم ناقص رہجاتا۔ جس طرح کوئی اعلےٰ درجہ کی کوٹھی ہو مگر اُس میں پاخانہ نہو تو وہ ناقص ہے۔ یہاں سے یہ بھی سمجھ لو کہ جب دوسروں کے افعال پیدا کرنے میں حکمتیں ہیں۔ تو خود اپنے افعال میں تو بدرجۂ اولیٰ اور بیشمار حکمتیں ہونگی۔ بہرحال یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ حق تعالیٰ پر کسی کا حق نہیں لعلّ بڑھایا ہے تو اب معنی یہ ہوگئے کہ تم اُمیدوار تقویٰ کے رہو۔ یہ تو تمہید بھی بلا قصد طویل ہوگئی۔ خیر اس میں بھی بہت سے ضروری اور مفید مضامین آگئے۔

اب میں اُس مضمون کو شروع کرتا ہوں جو مقصود بالبیان ہی لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اس کا مفعول محذوف ہی یا تو اَلنَّارَ (آگ ۱۲) اس کا مفعول ہوگا اَلْمَعَاصِیْ (گناہ ۱۲ ص) مگر دونوں کا حاصل ایک ہی کیونکہ نار سے بچنے کیلئے اولاً معاصی سے بچنا ضروری ہے۔ اسی طرح معاصی سے بچکر نار سے بچ سکتے ہیں لیکن یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل ہوا۔ اطبا جانتے ہیں کہ اشیاء کی تاثیر دو طرح پر ہوتی ہے کوئی شئے مؤثر بالکیفیت ہوتی ہی اور کوئی شئے مؤثر بالخاصیت۔ بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ تمام اشیاء مؤثر بالخاصیت ہی ہیں کیونکہ اگر مؤثر بالکیفیت ہیں گرم ہیں اُن سب کا ایک اثر ہونا چاہیئے تھا اور جو دوسرے درجہ میں سرد ہیں اُن سب کا بھی ایک ہی اثر ہونا چاہیئے اور جو اشیاء تیسرے درجہ میں خشک ہیں اُن کا ایک اثر ہوتا اور

۱۳۱ [illegible]

جو چوتھے درجہ میں تر ہیں اُن کا ایک اثر ہوتا۔ جب ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک ہی درجہ کی اشیاء اثر میں مختلف ہو جاتی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اُن کی تاثیر بالخاصیت ہی۔ اور یہ کوئی طب کے خلاف نہیں۔ بلکہ یہ مسئلہ تو فلسفہ کا ہی اس میں کوئی امر خلاف لازم نہیں آتا سو ہم سے یہ سوال کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل۔ اُس وقت ہو سکتا ہی جب ہم یہ کہیں کہ روزہ موثر بالکیفیۃ ہے۔ اور اگر ہم موثر بالخاصیۃ کہیں تو یہ سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح جسقدر عبادات کے آثار بیان کئے گئے ہیں سب اُن عبادات کے آثار بالخاصہ ہیں۔ مجھے اُن لوگوں کے حال پر زیادہ افسوس ہی جو موافقین سنت ہیں اور بہر سلامت روی کو چھوڑ کر کجروی اختیار کرتے ہیں کہ ہر چیز کے حکم و اسرار اپنی طرف سے بیان کرتے ہیں۔ اور اُس پر فخر کرتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت خطرناک ہی۔ اس میں آدمی بہت گمراہ ہو جاتا ہی۔ مثلاً فرض کرو کہ تم نے جماعت کی یہ حکمت بیان کی کہ اس میں مسلمان اتفاق سے ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ آپس میں محبت بڑھتی ہی۔ فرض کرو کہ محبت و اتفاق آپس میں پیدا نہو یا بدون جماعت کے کسی دوسری تدبیر سے پیدا ہو جاوے تو کیا جماعت کو چھوڑ دیں گے اس شخص سے البتہ اندیشہ ہی جس نے جماعت کو اس حکمت پر مبنی کیا ہے کہ یہ چھوڑ بیٹھے گا۔ خلاصہ یہ کہ تمام احکام کا مبنیٰ حکمت تو ضرور ہے۔ لیکن تمہاری سوچی ہوئی حکمتوں پر مبنی نہیں کیونکہ یہ سب ظنی ہیں۔ اگر کسی شخص کی سمجھ میں حکمتیں آنے لگیں تو مبارک ہی مگر اُن حکمتوں پر احکام کو مبنی کرنا خطرناک ہی اور اُن کو ظنی و تخمینی سمجھنا ضروری ہی۔ خلاصہ یہ کہ ہمیں تو تمام احکام کا مبنیٰ یہ سمجھنا چاہیئے کہ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ (ترجمہ۔ یہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اس میں یہ فائدہ ہے کہ اگر حکمت سمجھ میں نہ آئے گی تو یہ سمجھے گا کہ ؎

۳۲

زندہ کنی عطائے تو ۔ ور بکشی فدائے تو	دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(ترجمہ۔ زندہ کریں یہ آپ کی عطا ہی اور اگر قتل کریں آپ پر فدا ہوں دل آپ پر مبتلا ہی جو کچھ کریں میں آپ سے راضی ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

خدا کے احکام تو ہمیں ہر صورت میں ماننا چاہئیں خواہ حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ ادنیٰ سی کسی عورت پر اگر کوئی عاشق ہو جاوے اور وہ کہے کہ دس دفعہ ننگے ہو کر ناچو تو یہ بیس دفعہ ناچنے پر تیار ہو جائیگا اور اس کے دل میں وسوسہ بھی نہ گذرے گا کہ اس خبط کی علم ذلت ۱۲ محمد صابر

دریافت کرے ۔ تعجب اور افسوس کی بات ہے کہ ایک بازاری عورت کی تو اس قدر محبت اور خدا کی ذرا بھی محبت نہیں ۔ خدا کے ساتھ تو یہ برتاؤ ہونا چاہیئے کہ ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو	نینگیختن علت از کار تو

(ترجمہ آپ کی ربوبیت کا اقرار کرنا آپ کے کاموں میں علتیں نکالنے کو مانع ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور اگر علتیں نکالو گے تو کہاں تک نکالو گے ۔ خلاصہ یہ کہ اصل وجہ فرضیت صوم کی یہ ہے کہ خدا کا حکم ہے ۔ اس کے بعد ہمیں کسی علت کے دریافت کرنیکا حق نہیں رہا مگر تبرعاً آگے خود ہی فرمایا لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۔ اب اگر کوئی کہے کہ صوم پر تقویٰ کیونکر مرتب ہوا ۔ تو ہم کہدینگے کہ نار سے بچانا تو بواسطہ تقویٰ عن المعاصی (ترجمہ گناہوں سے بچنے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے ہے مگر معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل ہے ۔ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ روزہ کی خاصیت ہے چنانچہ تجربہ کرلو اور مشاہدہ کرلو ۔ جو لوگ رمضان سے پہلے کیسے ہی فسق و فجور میں مبتلا ہوں ۔ مگر رمضان میں ضرور کمی کردیتے ہیں ۔ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں ۔ تلاوت بھی کرنے لگتے ہیں تو جتنی دیران عبادات میں لگے رہتے ہیں معاصی سے بچے رہتے ہیں ۔ ایک جواب تو اس سوال کا یہ ہوا کہ معاصی سے بچنے میں روزہ کو کیا دخل ۔ دوسرا جواب اور ایک ہے جس کی ایک تو مشہور تقریر ہے اور ایک حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے قلب پر وارد کی ہے مشہور تقریر تو یہ ہے جیسے امام غزالیؒ وغیرہ سے نے لکھا ہے کہ روزہ سے قوت بہیمیہ گھٹ جاتی ہے ۔ کیونکہ لذات و شہوات کو چھوڑنا پڑتا ہے اور یہی چیزیں گناہ کا باعث تھیں میرے قلب پر جو تقریر وارد ہوئی ہے وہ بالکل بے غبار ہے اور اس پر ایک غبار ہے وہ یہ ہے کہ شہوات و لذات میں کیا کمی ہوئی ۔ ہم پوچھتے ہیں کہ رات کو پیٹ بھر کھانا بیوی سے مشغول ہونا جائز ہے یا ناجائز ۔ اگر جائز ہے تو قوت بہیمیہ کچھ بھی نہیں گھٹی کیونکہ رات کو بہت سے لوگ اس قدر کھاتے ہیں کہ ایک دن کیا ڈیڑھ دن کی فرصت ہو جائے ۔ اس تقریر پر تو روزہ کا نفع جب ہوتا کہ دن کی طرح رات کو بھی منہ بند ہوتا اور اگر ناجائز کہو تو نص کے خلاف لازم آتا ہے ۔ سو اس پر یہ غبار ہے جس کیلئے بڑے بڑے لوگوں کو ایک نئی اور بے دلیل بات کا قائل ہونا پڑا اور وہ یہ کہ رات کو بھی کم کھاوے ۔ کیونکہ اگر کمی نہ کی تو غایت صوم حاصل نہ ہوگی ۔ بظاہر یہ توجیہ رنگین اور اقرب ہے مگر حقیقت میں ابعد ہے

کیونکہ سوال یہ ہے کہ کس روزہ میں تقلیل طعام کی ترغیب دی گئی ہے یا نہیں۔ اگر دی گئی ہے تو کہاں ہے ہم نے تو باوجود دیکھ بھال تلاش کیا کہیں نہ پایا بلکہ پایا تو اُسکے خلاف کُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ الخ (ترجمہ کھاؤ پیو اُس وقت تک کہ تمکو سفید خط یعنی نور صبح (صادق) سے متمیز ہو جاوے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اور جن احادیث میں تقلیل طعام کی فضیلت آئی ہے وہ عام ہے روزہ کے ساتھ اُس کی تخصیص نہیں ہوسکتی۔ سوال تو یہ ہے کہ روزہ کے اندر تقلیل طعام کی خصوصیت کیساتھ کیا دلیل ہے۔ لامحالہ کہنا پڑیگا کہ نص میں ترغیب نہیں دی گئی۔ یہ محض قیاس ہی ہے تو اب اس پر تعلیم نبوی پر شبہ ہوگا کہ اتنی بڑی بات آپ نے نہیں فرمائی۔ ہاں اس طور پر جمہور کی تقریر سے یہ شبہ رفع ہوسکتا ہے کہ کاسر (ترجمہ توڑنے والا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) قوت بہیمیہ کم کھانا نہیں بلکہ کاسر قوت بہیمیہ مجاہدہ یعنی ترک عادت ہے کہ جس وقت طبیعت خوگر تھی غذا سے اخلاط بنانیکی اُس وقت اُس کو غذا نہیں پہنچے گی تو لامحالہ قوت بہیمیہ منکسر ہوگی (توڑنے والی ۱۲) یہ البتہ صواب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ مشاہدہ بھی ہے کہ باوجود شب کو توسع ہونیکے آخر رمضان میں کسی قدر ضعف ہو جاتا ہے اور اسی پر عاجزین النکاح (ترجمہ نکاح سے عاجز ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کیلئے صوم کو معالجہ تجویز فرمایا گیا ہے پھر اس پر اس کا قائل ہونا پڑیگا

۳۴

کہ رمضان میں رات کو کم کھاوے۔ ورنہ غایت حاصل نہوگی بلکہ اس کا قائل ہونا صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ دوسری تقریر حق تعالیٰ نے انہیں حضرات کی برکت سے میرے قلب پر وارد کی ہے۔ اس میں ایک دوسرا مبنی بھی ہے کہ صوم کو گناہوں سے بچنے میں دخل اور طرح سے بھی ہے وہ یہ ہے کہ جس طرح شرک و کفر سے بچانے کیلئے جابجا عذاب کا ذکر ہے مگر اس شرک ...

ف کما فی حجۃ اللہ البالغۃ من ابواب الصوم "ثم ان تقلیل الاکل والشرب له طریقان احدهما ان لا یتناول منهما الا قدرا یسیرا والثانی ان یکون المدۃ المتخللۃ بین الاکلات زائدۃ علی قدر المعتاد والمعتبر فی الشرائع هو الاول لا الثانی الخ (صفحہ ۳۳ ج ۲) منہ عفی عنہ۔

(ترجمہ۔ چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں ابواب الصوم کے تحت میں مذکور ہے کھانے پینے میں تقلیل کرنیکے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ کھانے پینے کی قلیل مقدار تناول کرے دوسرے یہ کہ دو کھانوں کے درمیان مقدار معتاد سے مدت زیادہ ہو اول طریقہ شریعت میں معتبر ہے دوسرا نہیں ۱۲ محمد صابر امروہی غفرلہٗ)

کفر سے بچنے میں وقوع عذاب کو دخل نہیں۔ تصور عذاب کو دخل ہے کہ یہ سوچا کہ عذاب
ایسا ہوگا سبب بن جاتا ہے ترک کفر و شرک کا۔ اسی طرح تصور حقیقت صوم کو بھی معاصی
سے بچنے میں دخل ہے۔ مشہور تقریر کا حاصل تو یہ تھا کہ صوم ایسی ہیئت ہے کہ اس کا وقوع
معاصی سے روکتا ہے۔ اور اس تقریر کا حاصل یہ ہے کہ صوم ایک ایسی شے ہے کہ جس کی
ہیئت کا تصور معاصی سے روکتا ہے۔ کسی کو عقل سلیم ہو تو روزہ کی حقیقت میں غور کرے
کہ کیا ہے۔ روزہ کی حقیقت ہے نہ کھانا نہ پینا۔ بیوی سے مشغول نہ ہونا۔ اس سے یہ سمجھیگا
کہ یہ چیزیں حلال تھیں جب یہ حرام کر دی گئیں تو جو چیزیں پہلے سے حرام ہیں اُن کا کیا
درجہ ہوگا۔ پھر یہ خیال کریگا کہ غیرت کی بات ہے کہ جو چیزیں حلال تھیں اُنہیں چھوڑ دیں اور
حرام میں مبتلا ہوں۔ اب اگر رات کو خوب کھائے تو روزہ کا نفع کہیں نہیں جا سکتا۔ کیونکہ
جس قدر جی چاہے کھائے مگر اس تصور اور غیرت کو کون مٹا دیگا کہ جب حلال چیزیں حرام
کر دی گئیں تو حرام کا کیا حال ہوگا۔ بلکہ رات کا کھانا بھی حکماً نہ کھانا ہے۔ کیونکہ رات کو کھاتا
ہے تو اس لئے کہ دن کو نہ کھائے۔ پیتا ہے تو اس لئے کہ دن کو نہ پیئے۔ بیوی سے مشغول ہوتا ہے
تو اس لئے کہ دن کو نہ مشغول ہو۔ غرض جب اس کا اکل ترک کیلئے ہے تو حکماً وہ اکل بھی ترک
اکل ہے تو رات میں بھی تارک ہی (حکماً) اور دن میں بھی تارک ہی (حقیقۃً) اب وہ شبہ جاتا رہا
کہ رات کو جب پیٹ اناڑی کیسی بندوق کی طرح بھر لیا تو صوم کا کیا نفع ہوا۔ حاصل یہ ہوا کہ
یہ وہ زمانہ ہے کہ اس میں جو چیزیں باوجودیکہ حلال تھیں حرام کر دی گئیں دن کو حقیقۃً
رات کو حکماً تو یہ تصور ہوگا کہ اسے نفس حرام چیزوں کا کیا حال ہوگا اور اس سے غیرت آئیگی
اور اس سے رمضان بھر گناہ چھوڑے رہیگا۔ پھر گناہوں کے چھوڑنے کا عادی اور قادر
ہو جائیگا۔ کیونکہ ایک مہینہ معتد بہ مقدار ہے خاص کر اخیر کے دس دن کہ ان میں صیام و قیام
کی عبادت کے علاوہ اور بڑی مزید عبادت ہے۔ دن کو تو اعتکاف ہے اور رات کو بھی نسبت
دوسری لیالی کے کچھ عبادت زیادہ کی جاتی ہے۔ بخیال عشرہ اخیرہ کے خصوص لیالی قدر میں
پس اس میں افعال مجاہدہ کی اور بھی تکمیل ہے تو یہ دس دن بجائے بیس دن کے ہوں گے تو
گویا اس رعایت کے ساتھ چلہ پورا کیا گیا ہے کہ رہیں تو تیس دن اور کام ہو جائے چالیس دن کا

۳۵

سبحان اللہ کیا رحمت ہے۔ اگر کوئی طبیب ایسا کرے کہ دو مسہلوں کی دوا ایک دن میں پلا دے تو وہ بجائے نفع کے سخت نقصان کریگی بلکہ جان کو خطرہ میں ڈال دے گی۔ یہاں یہ ہے کہ چالیس دن کی دوا تیس دن میں اس طور پر پوری کر دی کہ تمہیں خبر بھی نہیں ہوئی بہر حال چالیس دن پورے کر دیے اور چلّہ وہ چیز ہے جس کے بارے میں حدیث میں ہے من اخلص للّٰہ اربعین یومًا الحدیث کہ جس نے چالیس دن اللہ کیلئے خلوص کیا حق تعالیٰ اُس کے قلب سے حکمت کے چشمے جاری کر دیں گے۔ بعض بزرگوں نے شعبان کے دس دن ملا کر چالیس دن پورے کئے ہیں۔ مگر یہ اہل ہمت کا کام ہے۔ مگر یہ چلّہ اُسوقت مفید ہوگا۔ جبکہ اس میں خلوص ہو ورنہ اس کی یہ کیفیت ہوگی کہ ایک شخص نے کسی سے کہا کہ تم نماز پڑھا کرو اُس نے کہا کیا دوگے کہا جب تم چالیس دن تک برابر پڑھتے رہوگے تو ایک بھینس دیں گے۔ وہ راضی ہوگیا اور نماز پڑھنا شروع کر دی۔ ان حضرت نے تو اس خیال سے کہدیا تھا کہ چالیس دن کے بعد اسے نماز کی عادت ہو جائے گی۔ پھر یہ بھینس بھول جائے گا اور نمازی بن جائے گا۔ جب چالیس دن پورے ہوگئے اُس نے کہا لاؤ بھینس اُنہوں نے کہا کیسی بھینس۔ میں نے تو یونہی کہدیا تھا۔ کہنے لگا کہ جاؤ پھر میں نے بھی بے وضو ہی ٹرخائی ہے۔ تو اگر خلوص نہیں تو یہ کیفیت ہوگی۔ اور اگر ہے تو یہ کیفیت ہوگی کہ ؎

۳۶

شنیدم کہ رہروے درسرزمینے　　ہمی گفت ایں معمہ با قرینے

(یعنی کوئی سالک یہ معما کہہ رہا تھا ؎　　اپنے ایک ہمنشین سے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ ؎)

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف　　کہ در شیشہ بماند اربعینے

کہ شراب تو اُس وقت صاف ہوگی جب چالیس دن شیشے میں رہے۔ شراب سے مراد محبت ہے اور شیشہ سے مراد قلب۔ میرٹھ میں موتمر الانصار کے جلسہ میں بہت سے نوتعلیم یافتہ جمع تھے میں نے کہا کہ آپ لوگوں نے اپنے شبہات کو حل کرنے کا بڑا وطیرہ اختیار کیا ہے۔ اس طرح شبہات حل نہیں ہوا کرتے۔ اگر واقعی آپ شبہات کو حل کرنا چاہتے ہیں تو چالیس دن کے لئے کسی محقق کے پاس جس پر آپ کو اطمینان ہو چلے جاؤ

اور اپنے تمام شبہات کی ایک فہرست لکھ کر اُس کی خدمت میں پیش کر دیجئے۔ اس اثناء میں اگر کوئی جدید شبہ پیش آوے اُسے بھی اُسی فہرست میں لکھ دیجئے۔ مگر زبان سے کچھ نہ کہئے اور چالیس دن تک اُس کی صحبت میں بیٹھ کر برابر اُس کی باتیں سُنتے رہیے میں توکلاً علے اللّٰہ (ترجمہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) دعوے سے کہتا ہوں کہ اُس کے بغیر جواب دیے آپکے تمام شبہات حل ہوجائیں گے کہ پھر کبھی آپکو اس قسم کا کوئی شبہ نہ ہوگا اور اگر کوئی شبہ رہیگا بھی تو پوچھتے ہی فوراً دفع ہوگا۔ ایک ایڈیٹر اخبار کے بھی اُس مجمع میں شریک تھے مجھ سے کہتے تھے کہ میں نے اُن لوگوں سے کہا کہ کہو اب کیا کہتے ہو۔ اس پر کوئی شبہ کرو۔ تو کہنے لگے اس پر شبہ تو جب کریں جب تجربے سے اس کے خلاف ثابت ہو اور تجربے سے پہلے کہنا تو محض اپنی حماقت کا اظہار کرنا ہے۔ پھر پوچھا کہ اچھا یہ تبلاؤ کہ یہ بات تمہارے دل کو بھی لگتی ہے یا نہیں۔ کہنے لگے ہاں دل کو تو لگتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سچی ہے۔ حد ہو گئی۔ اب حجۃ اللہ ختم ہو گئی۔ اگر اب بھی کوئی اپنے شبہات رفع نہ کرے تو ہم پر کوئی الزام نہیں۔ اگر ڈاکٹر کہدے کہ دو مہینے تمہیں شملہ میں رہنا ہوگا یہاں کی آب و ہوا تمہارے لئے مضر ہے تو بجائے دو مہینے کے چار مہینے کیلئے تیار ہوجائیں گے۔ اور یہاں چالیس دن کیلئے فرصت نہیں ملتی بات یہ ہے کہ مرض کا دفع کرنا ہی مقصود نہیں باتیں ہی باتیں ہیں بلکہ دفع مرض کے اسباب سے تو بھاگتے ہیں۔ میرے ایک دوست مولوی عیسیٰ صاحب بی۔ اے الہ آباد میں پڑھتے تھے۔ میرے وعظ میں شریک ہوتے تھے خدا نے ایسا فضل کیا کہ اُن پر وعظ کا اثر بہت پڑا اُن کے ساتھ چند طالب علم بھی آیا کرتے تھے وہ اُن کی حالت دیکھ کر کہنے لگے کہ وعظ میں شریک نہ ہونا چاہئے ورنہ یہ ان کی طرح ہمیں بھی بے کار کردینگے۔ اللہ اکبر یہ عیسیٰ بننے کو بیکاری سمجھتے ہیں اور دجّال بننا پسند کرتے ہیں۔ خبر بھی ہے یہ بیکاری کیسی ہے۔ یہ وہ ہے ؎

تا بدانی ہر کہ ایزد داں بخواند	از ہمہ کار جہاں بیکار ماند

(ترجمہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ اپنا بنا تے ہیں اس کو تمام دنیا کے کاروبار سے بیکار کر دیتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

۳۷

یعنی یہ کام کا نہونا اور ترقی سے محروم ہوجانا ایسا ہوگا کہ آپ کا پانچ روپیہ ماہوار کا ایک باورچی ہے جو نہایت اعلیٰ درجہ کا کھانا پکانا جانتا ہے اور وہ اتفاق سے آپ پر عاشق ہوگیا آپ کا کوئی دوست مہمان آیا آپ نے اُسی کے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانا اُسے کھلایا اُس نے بہت پسند کیا بہت خوش ہوا اور پوچھا کہ کس نے پکایا ہے آپ نے اپنے باورچی کا نام بتا دیا۔ اُس دوست نے آپ سے علیحدہ اُس باورچی سے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو ہم دس روپے مہینہ دیا کرینگے۔ اُس باورچی نے انکار کر دیا کہ مجھے تو یہ پانچ اچھے ہیں آپ کے دس سے۔ اُس کے بعد آپ کو معلوم ہوا کہ اس نے دس روپے کی نوکری سے انکار کرکے ہمارے پانچ پر پڑا رہنا پسند کیا تو انصاف سے بتلائیے کہ آپ اس باورچی کی وفاداری سے خوش ہونگے یا ناخوش ہوں گے کہ یہ ترقی کیوں نہیں کرتا آپ کی تحقیق یعنی مشورۂ ترقی کے موافق تو اسے دس روپے کی نوکری کر لینا چاہیے اور آپ کے پانچ روپے پر لات مار دینا چاہیے۔ مگر یہاں پر آپ بھی اُس کے اس ترقی نہ کرنے کی قدر کریں گے اور جی چاہیگا کہ اس کو خوب انعام و اکرام دو بس ملا نے بھی یہی کہتے ہیں کہ اُس باورچی کی طرح ساری دنیا پر لات مار دو پھر دیکھو کیسی ترقی ہوتی ہے

نیم جاں بستاند و صد جاں دہد	آنچہ در وہمت نیاید آں دہد

(ترجمہ۔ نیم جان یعنی ضعیف و حقیر و فانی جان لیتے ہیں جان باقی دیتے ہیں جو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتا وہ دیتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

خود کہ یابد ایں چنیں بازار را	کہ بیک گل میخری گلزار را

(ترجمہ۔ ایسا بازار کہاں مل سکتا ہے کہ ایک پھول کے بدلے میں چمن ہی کو خرید لے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ سب کچھ تو دیں گے وہ خود بھی تمہارے ہو جائیں گے تو صاحب ایسے بیکار ہو جائیں گے میرے ایک اور دوست بھی بی اے اور ڈپٹی کلکٹر ہیں۔ وہ اللہ والے ہو گئے تو اُنکے ایک عزیز کہنے لگے کہ اس کا مواخذہ قیامت میں ان سے (یعنی مجھ سے) ہوگا کہ یہ قوم کو ترقی معکوس سے روک رہے ہیں میں نے کہا جب میں آپ سے مدد چاہوں گا تو آپ میری مدد نہ کیجیے گا۔ غرض اس چالیس دن کے اندر عجیب خاصیت ہے

۴۸

تو یہ سمجھئے کہ اس نے چالیس دن تک گناہ چھوڑے۔ دوسری توجیہ اس چلہ کے پورا ہونیکی یہ ہوسکتی ہے کہ رمضان میں ہر شخص سحری کیوقت ضرور اُٹھتا ہے اور عموماً یہ بھی عادت ہے کہ اُس وقت کچھ نفلیں پڑھنے کی توفیق ہوجاتی ہے تو تقریباً اس بیداری میں ثلث لیل (تہائی رات ۱۲) صرف ہوتی ہی تیس ثلث کے دس دن ہوتے ہیں تو دس یہ اور تیس یہ ملکر چالیس پورے ہوگئے یا یوں کہیئے کہ یہ دس بھی حکمی ہیں اور مذکورہ بالا بھی حکمی تھے۔ اگر حقیقی دس کے برابر نہوں گے تو اُس کے نصف تو ضرور ہوں گے یعنی پانچ ہوں گے۔ تو پانچ عشرۂ اخیرہ کے اور پانچ ہر روز کی اخیر شب کے۔ دس ہوئے اور تیس دن حقیقی۔ غرض مجموعہ چالیس ہوئے اور ہر طرح چلہ پورا ہوگیا۔ چونکہ چالیس دن ایک معتدبہ مقدار ہے اور اسمیں خاصیت یہی ہی کہ جو فعل اس میں کیا جاتا ہی وہ پھر سہل ہوجاتا ہے۔ نیز معتدبہ مقدار ہونیکی وجہ سے اُسکی عادت اور اُس پر قدرت بھی ہوجاتی ہے لہذا اب بے تکلف صوم پر لعلکم تتقون مرتب ہوگیا۔ تو لازا اس تقویٰ عن المعاصی (ترجمہ گناہوں سے بچنے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کا دونوں تقریروں پر مجاہدہ ہوا۔ خواہ اس حیثیت سے کہ صوم سبب ہے کسر قوت بہیمیہ کا اور وہ سبب ہی ترک معاصی کا خواہ اس حیثیت سے کہ صوم مرتبۂ تصور میں سبب ہے ترک معاصی کا اس طرح کہ جب مباحات حرام کردیئے گئے تو جو غیر مباح ہیں اُن کا کیا حال ہوگا۔ بہر حال مجاہدہ سبب ہی ترک معاصی کا تو گویا روزہ اسلیئے سبب ہوا ترک معاصی کا کہ یہ مجاہدہ ہے تو یہ خاصیت ایسی ہی کہ اسکو روح الصوم (ترجمہ روزہ کی روح ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہا جاتا ہے مجھے آج روح الصوم ہی کا بیان کرنا ہی پہلے یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر شئے کی ایک صورت ہی اور ایک روح ہی اسی طرح صوم کی ایک روح ہے ایک صورت یہاں پر ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ ہم روزہ رکھکر کیا کریں فقط اُس کی روح کو جو کہ مجاہدہ ہے حاصل کرلیں گے۔ بات یہ ہی کہ ہر عمل کی ایک صورت ہی ایک روح ہی۔ مثلاً نماز کہ اُس کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے۔ مثلاً خشوع و خضوع و حضور قلب اس کی روح ہے۔ اسی طرح روزہ کی ایک صورت ہی اور ایک روح ہے اور اسکی روح مجاہدہ ہے اور ان ارواح میں عقلی احتمال وہیں کہ اُن کے خواص کے تحقق کیلیئے صور خاصہ شرط ہیں یا نہیں ہیں۔ مگر ہمکو نصوص سے جن میں ان عبادات خاصہ کے فرضیت کا امر ہے معلوم ہوگیا کہ صور خاصہ شرط ہیں اور جہلائے صوفیہ کو

۳۶

بھی دھوکہ ہوا کہ وہ یہ سمجھ گئے کہ اعمال کی روح کیلئے صور خاصہ شرط نہیں اور انہیں غیر مقصود سمجھ کر چھوڑ بیٹھے۔ مثلاً اُنھوں نے یہ سمجھ لیا کہ نماز کی روح ذکر ہے۔ بس یہ ہر وقت ہونا چاہیے۔ اور اس ہیئت خاصہ کی کوئی ضرورت نہیں اور اپنے اس زعم فاسد کی تائید میں مولانا کا یہ شعر پیش کرتے ہیں ؎

پنج وقت آمد نماز اے رہنموں	عاشقاں ھم فی صلوٰۃ دائموں

(ترجمہ۔ نماز تو پانچ ہی وقت آئی ہے۔ عاشق ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اُنھوں نے اسکے کیا معنے گڑھے کہ پانچ وقت نماز کی ضرورت نہیں ہر وقت نماز ہونا چاہیے حالانکہ اس سے تو اور کثرت نماز کی ثابت ہوتی ہے۔ بہر حال ان جہلاء نے نماز کا ست نکالا کہ ذکر ہے۔ تو بس ذکر کر لینا کافی ہے۔ اب پانچ وقت نماز پڑھنے کی کیا ضرورت رہی۔ خوب سمجھ لو کہ جتنے اعمال ہیں واقع میں اُن کی روح کے خواص کیلئے اُن اعمال کی صور خاصہ شرط ہیں تو اب جو ذکر روح نماز کی ہوگی وہی ذکر ہے جو نماز کے ساتھ پایا جاوے نہ کہ مطلق ذکر اور اسکی دلیل کہ نماز کی روح وہی ذکر ہے جو نماز میں پایا جاوے یہ حدیث ہے من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر (ترجمہ جس شخص نے نماز کو جان بوجھکر چھوڑ دیا وہ کافر ہو گیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) جس سے فرضیۃ صورت صلوٰۃ کی معلوم ہوتی ہے۔ اگر اسے ظاہر معنی پر بھی نہ رکھا جائے تب بھی سخت وعید ہے تو اگر روح نماز مطلق ذکر میں حاصل ہو جاتی تو نماز کے ترک پر وعید نہ ہوتی بس صرف ذکر کے ترک پر وعید ہوتی۔ اسی طرح نصوص کے تتبع (تلاش کرنے ۱۲ ص) سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعمال کو اُن کی صور خاصہ کے ساتھ ادا کرنا ضروری ہے ورنہ ترک پر وعید کیوں آتی۔ اب جو ان جہلائے صوفیہ نے یہ مانا کہ نماز کی روح ذکر میں آسکتی ہے تو یہ گویا ہندوؤں کا مسلک اختیار کر لیا کہ ارواح انسان میں آواگون (تناسخ) کے قائل تھے یہ ارواح عبادات میں آواگون کے قائل ہوئے کہ ایک عبادت کی روح دوسری عبادت میں جا سکتی ہے۔ اس تقریر سے ان کی غلطی بھی معلوم ہو گئی ہوگی۔ نیز یہ معلوم ہوا کہ باطن کیلئے علوم ظاہرہ کی بھی ضرورت ہے۔ جب ثابت ہو گیا کہ ارواح کیلئے صور خاصہ شرط ہیں تو اب وہ شبہ جاتا رہا کہ نرا مجاہدہ ہی کافی ہو جائیگا پس معلوم ہوا کہ روح صوم بدون صورت صوم نہ پایا جائیگا۔ البتہ روزہ کی مشروعیت سے

ہمیں یہ ضرور پتہ لگا کہ مطلق مجاہدہ بھی عظیم الشان ہی کیونکہ صوم اُسی کا ایک فرد ہے پس جس زمانہ میں روزہ فرض نہوا اس وقت مطلق مجاہدہ کہ اس مجاہدہ کا مماثل ہے وہ تم کو عطا فرما دیا

چونکہ شد خورشید و ما را کرد داغ　　چارہ نبود در مقامش از چراغ

یعنی آفتاب چھپ جائے تو چراغ ہی کافی ہے۔ روزے ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر ان کا قائم مقام مجاہدہ موجود ہے اور ایک بزرگ کے کلام میں بھی اسی کیطرف اشارہ ہے

اے خواجہ چہ پرسی ز شب قدر نشانی　　ہر شب شب قدر است اگر قدر بدانی

(ترجمہ: اے خواجہ شب قدر کی نشانی کو کیا دریافت کرتا ہے۔ اگر قدر جانے تو ہر رات شب قدر ہی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اس کے یہ معنی نہیں کہ ہر رات میں شب قدر واقع ہوتی ہے معنی یہ ہیں کہ روح شب قدر قرب ہی اور وہ ہر رات میں موجود ہے۔ الغرض مجھے اس وقت مقصود بیان سے وہ ہیں ایک یہ کہ روزہ کا مقصود روح مجاہدہ ہے کہ جس کا مصداق اعظم ترک معاصی ہے اسی کو حضور فرماتے ہیں کہ جس نے روزہ میں جھوٹ نہ چھوڑا۔ بری اور بیہودہ باتیں نہ چھوڑیں خدا کو اسکے روزہ کی کچھ حاجت نہیں یوں تو خدا کو کسی کے روزہ کی ہی حاجت نہیں مطلب یہ ہے کہ روزہ کا جو مقصود تھا ترک معاصی جب وہ اس سے نہوا تو پھر روزہ کس کام کا ہوا۔ یہی مجاہدہ ہے جس کے حق تعالےٰ نے فضائل بیان فرمائے ہیں وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط (ترجمہ۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم اُن کو اپنے قرب و ثواب یعنی جنت کے رستے ضرور دکھا دیں گے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور اس کا امر بھی فرمایا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ (ترجمہ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور اُس کی حقیقت بھی فرمائی ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (ترجمہ۔ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اُس نے نفس کو حرام خواہش سے روکا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یعنی حقیقت مجاہدہ کی کیا ہے نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (ترجمہ۔ نفس کو حرام خواہش سے روکا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور اس کے حاصل ہونے کی تدبیر یہ ہے اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ (ترجمہ۔ جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اگر یہ کہو کہ آیات مجاہدہ میں مجاہدہ سے مراد تو مجاہدہ مع الکفار (کافروں

ہے تو جناب حدیث شریف میں جو آیا ہے شاید اس کی آپ کو خبر نہیں کہ المجاہد من جاہد نفسہ (ترجمہ - مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کیساتھ جہاد کرے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) مجاہدہ ظاہری میں مشغول ہونا تو بہت سہل (آسان ہوا ہے) ہے ؎

اے شہاں کشتیم ما خصم برون	ماند زو خصمے بتر در اندرون

(ترجمہ - اے بزرگو ہمنے ظاہری دشمن کو تو ہلاک کر دیا مگر ایک دشمن جو اس سے بھی بدتر اور ضرر رساں تر ہے باطن میں رہگیا ہے جس کو نفس کہتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست	شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

(ترجمہ - اس دشمن باطنی کا ہلاک کرنا محض عقل و ہوشیاری کا کام نہیں کیونکہ یہ شیر باطن خرگوش کے قابو کا نہیں ۱۲ محمد صابر)

ہم نے باہر کے دشمن کو تو مار دیا ہے اور اندر کے دشمن کی بالکل پرواہی نہیں حقیقت میں مجاہدہ نفس جہاد اکبر ہے اور مجاہدہ اہل نفس جہاد اصغر کیونکہ نفس کو معاصی سے روکنا اور اسمیں اُسکی مخالفت کرنا ذرا سخت کام ہے

۴۴ آور جاننا چاہئے کہ نفس کی مخالفت کے تین درجے ہیں - مخالفۃ فی المعاصی (گناہوں میں مخالفت کرنا ۱۲) مخالفۃ فی الحظوظ (حظوظ میں مخالفت کرنا ۱۲ محمد صابر) مخالفۃ فی الحقوق (حقوق میں مخالفت کرنا ۱۲ محمد صابر) معاصی میں مخالفت تو فرض و واجب ہے - اور مخالفت فی الحقوق معصیت ہے جیسا کہ عنقریب آتا ہے البتہ مخالفت فی الحظوظ میں تفصیل ہے - بالکل چھوڑ دینا مذموم ہے - البتہ تقلیل اولیٰ ہے کیونکہ بالکل چھوڑ دینے میں تنگ اور دق ہو کر تمام کام چھوٹ جانے کا اندیشہ ہے - بس نفس کو بہت دق کرو نہ بالکل توسع کرو اوسط کی چال رکھو اور بالکلیہ حظوظ کے نہ چھوڑنے میں ایک دوسرا راز بھی ہے کہ اس سے خدا سے محبت پیدا ہو جاتی ہے - دیکھو اگر گرم پانی پیوگے تو مری ہوئی زبان سے الحمد للہ نکلیگا اور اگر ٹھنڈا پانی پیوگے تو نفس کو راحت ہوگی تو رونگٹے رونگٹے سے الحمد للہ نکلیگا ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ یہی راز ہے کہ سفر حج میں زادراہ لیجانے کی ضرورت ہے تاکہ نفس تنگ نہو حضرت مولانا گنگوہی کو اسی وجہ سے ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام تھا - ایک شخص نے مرزا مظہر جان جاناں سے عرض کیا کہ ایک شخص خالص شوربا نہیں کھاتا پانی ملا کر کھاتا ہے - فرمایا کہ وہ ناقص ہے جو خدا کی خاص تجلی خالص میں ہے وہ اُس

پانی ملے میں کہاں ہے۔ راز اس میں یہ ہے کہ خالص شوربا کھا کر جی خوش ہوگا تو رد میں روئیں سے شکر پیدا ہوگا اور تجلی سے مراد رویت نہیں ہے معرفت ہے۔ یہی تجلی ہے جس سے حق تعالیٰ اپنے کلام میں متجلی ہیں۔ یہی تجلی ہے جس سے وہ اپنی نعمتوں میں متجلی ہیں۔ کلام میں اُس کا مشاہدہ کرو۔ نعمتوں میں اُس کا مشاہدہ کرو۔ ایک حکایت یاد آئی زیب النسا مخفی تخلص کرتی تھی اور بڑی شاعرہ تھی ایران کے بادشاہ کے ایک مصرعے پر مصرعہ لگایا وہ مصرعہ ایسا تھا کہ اُس پر کوئی مصرعہ لگا نہ سکتا تھا۔ بس بادشاہ نے دہلی عالمگیر کو لکھا اُس شاعر کو ہمارے پاس بھیجو جس کا یہ مصرعہ ہے۔ بادشاہ کو بڑی تشویش ہوئی زیب النساء سے کہا اور مصرعہ لگاؤ۔ دیکھو یہ ہے اس کا نتیجہ۔ زیب النساء نے یہ قطعہ لکھدیا کہ اسے جواب میں لکھدیجئے ؎

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا	بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا

(ترجمہ۔ بلبل اگر مجھکو چمن میں دیکھ لے تو پھول کا عشق چھوڑ دے اور اگر برہمن مجھکو دیکھ لے تو وہ بھی بت پرستی ترک کر دے ۱۲ محمد صنا)

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگ گل	ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

(ترجمہ میں سخن میں مخفی ہوں جسطرح بو برگ گل میں مخفی ہے جس شخص کو میرے دیکھنے کی خواہش ہو وہ مجھکو کلام میں دیکھ لے ۱۲ محمد صنا)

۳۰۴

بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ کسی عورت کا مصرعہ ہے۔ اسی طرح اگر خدا کو دیکھنا چاہتے ہو تو اُس کے کلام میں دیکھو ؎

چیست قرآں اے کلام حق شناس	رونمائے رب ناس آمد نیاس

(ترجمہ۔ اے کلام حق کے پہچاننے والے قرآن پاک کیا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کی طرف لوگوں کے رب کا رونما ہے ۱۲ محمد صابر)

اسی طرح خدا کا مشاہدہ اُس کی نعمتوں میں بھی ہے۔

الحاصل لذات کو بالکل نہ چھوڑے۔ تیسرے مخالفت فی الحقوق۔ ایسی نفس کی مخالفت حرام ہے۔ مثلاً اتنا کھلانا ضروری ہے کہ ضعف نہ ہو اور اتنا سلانا ضروری ہے کہ کسل نہ ہو۔ میں اپنے دوستوں کو بتایا کرتا ہوں کہ آٹھ گھنٹے سویا کرو۔ اگر اتنا نہ سوؤ تو کم از کم چھ گھنٹہ تو ضرور سویا کرو۔ ورنہ اس سے کم سونے میں دماغ میں یبوست (خشکی ۱۲ ص) پیدا ہوگی پھر رفتہ رفتہ اُس سے جنون وغیرہ ہو جائے گا۔ پھر جتنا کام کر لیتے تھے اُس سے بھی جاتے رہو گے۔ بس مجاہدہ کی

یہ تفصیل ہے۔ اور مجاہدہ اصل میں چار چیزوں کا نام تھا۔ قلۃ الطعام (کم کھانا ۱۲ امین) قلۃ المنام (کم سونا ۱۲ امین) قلۃ الکلام (کم بولنا ۱۲ امین) قلۃ الاختلاط مع الانام (لوگوں سے کم میل جول رکھنا ۱۲ امین)۔ مگر اب دو اول کی حذف ہوگئیں اور دو اخیر کی رہ گئیں ایک قلۃ الکلام۔ دوسرے قلۃ الاختلاط مع الانام یعنی لوگوں سے کم ملنا۔ آجکل لوگوں کی یہ حالت ہے کہ بیٹھکوں اور چوپالوں میں بیٹھ کر ادھر اُدھر کی گپیں لگایا کرتے ہیں۔ کہیں اخبار پڑھتے ہیں۔ کہیں شطرنج کھیلتے ہیں۔ کہیں تاش کھیلتے ہیں۔ افسوس یہ لوگ اپنے فراغ کی قدر نہیں کرتے حالانکہ ان کو یہ سمجھنا چاہیئے تھا کہ

خوشا روزگارے کہ دارد کسے	کہ بازار حرصش نباشد بسے	

(ترجمہ۔ فراغت عجیب چیز ہے اگر کسی کو حاصل ہو۔ زیادہ کی اسکو طمع نہو ۱۲ محمد صابر عفرلہ)

بقدر ضرورت یسارے بود	کند کارے ار مرد کارے بود	

(ترجمہ۔ ضرورت کیموافق اُسکے پاس مال بھی ہو تو اسکو کچھ کرنا چاہیئے اپنے اوقات کو ضائع نہ کرنا چاہیئے ۱۲ محمد صابر)

غرض اس طرح سے لوگ اپنے اوقات ضائع کرتے پھرتے ہیں۔ اور جو دو متروک ہوگئیں وہ یہ ہیں۔ قلۃ الطعام۔ قلۃ المنام۔ یعنی کم کھانا اور کم سونا۔ یعنی اُس کی بالکل اجازت ہے کہ پیٹ بھر کھاؤ کم نہ کھاؤ۔ لیکن جی بھر کے یعنی نیت بھر کر نہ کھاؤ۔ کیونکہ اس کا مرتبہ پیٹ بھرنے کے بہت بعد ہے۔ ایک ہے پیٹ بھرنا ایک نیت بھرنا۔ تو نیت تو بھرو نہیں کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ کھانا ہضم نہیں ہوتا۔ دوسرے وقت بھوک نہیں لگتی طبیعت پر ثقل رہتا ہے۔ غذا جزو بدن نہیں بنتی (جزو بدن ۱۲ امین)۔ بعض لوگ تو اس قدر کھا لیتے ہیں کہ پیٹ میں سانس لینے کی بھی جگہ نہیں رہتی۔ مولانا فیض الحسن صاحبؒ کے پاس کہ طبیب بھی تھے ایک شخص آیا کہ نسخہ لکھدیجئے میرے پیٹ میں درد ہے مولانا نے کوئی دوا پینے کی لکھدی کہنے لگا۔ حضرت اگر اتنی ہی گنجائش ہوتی تو میں ایک لقمہ اور نہ کھاتا۔ ایک اور بخیل کی حکایت ہے کہ وہ کبھی عمدہ کھانوں کے لالچ میں بہت کھا گیا تھا۔ پیٹ میں درد ہوا طبیب کے پاس گیا۔ طبیب نے کہا کہ اُنگلی ڈال کر نکال ڈالو۔ کہنے لگا ایسا عمدہ پلاؤ جسمیں اسقدر گھی اور ایسا نفیس مزعفر اسے کیونکر نکال ڈالوں۔ بہر حال پیٹ بھر کر کھاؤ اس کے بعد چھوڑ دو۔ ہاں اگر ایک آدھ لقمہ کم کھاؤ تو بہتر ہے کیونکہ اس میں نفع یہ ہے کہ دوسرے

۴۴

وقت بھوک لگے گی۔ اور جو کچھ کھاؤ گے وہ جزو بدن بنے گا۔ اور اس میں مشورہ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ اُمرا کیا کرتے ہیں کہ ایک وقت کھانا زیادہ کھا گئے۔ اب دوسرے وقت کھانا پاس آیا تو مصاحبین سے پاس کراتے ہیں کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ وہ خوشامدی اپنے کھانے کے لالچ سے کہہ دیتے ہیں کہ نہیں حضور کچھ تو کھا لیجئے۔ یہ خود غرض لوگ اپنی مصلحت کو دوسرے کی مصلحت پر مقدم کرتے ہیں۔ جیسے مشہور ہے کہ ایک شخص سرائے میں ایک لیموں لے کر جایا کرتا تھا۔ جس خوش حال مسافر کو کھانا کھاتے دیکھتا تھا۔ کھڑا ہو جاتا تھا۔ لوگ خواہ مخواہ شرما شرمی اُس کی صلاح کرتے تو بیٹھ جاتا تھا۔ اور اگر کسی نے صلاح نہ کی تو جھٹ لیموں کاٹ کے اُس کے آگے نچوڑ دیتا تھا۔ اور لیموں کی بڑی تعریف کرتا تھا۔ لوگ اب تو ضرورا سے کھانے میں شریک کر لیتے تھے۔ تو جس طرح یہ اپنی غرض کے لئے لیموں کی تعریف کرتا تھا اسی طرح مصاحبین بھی اپنے کھانے کیلئے حضور کو اصرار کر کے تھوڑا بہت کھلا ہی دیتے ہیں کیونکہ اگر حضور نہ کھائیں تو انہیں ویسے کھانے کون کھلائے۔ تو اگر ایک آدھ لقمہ کی کسر رکھو گے تو جب کھانا پاس آوے گا اُسے پاس کرانے کی ضرورت نہ ہوگی۔ بہر حال نہ خوب تنگ کھانا چاہئے۔ نہ بھوکا رہنا چاہئے کیونکہ آجکل کے قویٰ بہت ضعیف ہیں۔ جس کی زیادہ وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ آج کل شادی کم عمری میں ہوتی ہے۔ اعضاء میں پورا نمو نہیں ہونے پاتا۔ اتنی جلدی شادی کرنے کی وجہ یا تو چوچلا ہے کہ چھوٹے چھوٹے دولھا دُلھن دیکھنے کا ارمان ہے اور کہیں حوصلہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ مر جائیں اور بیٹے کی شادی نہ دیکھ سکیں اور کہیں ماں باپ کا قصور نہیں ہوتا بلکہ خود بچے ہی ماں کے پیٹ سے نکلتے ہی مستیاں شروع کر دیتے ہیں جس سے ماں باپ کو اُن کی شادی کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔ پھر پہلی صورتوں میں کبھی تو صرف نکاح کر دیتے ہیں اور رخصتی بعد میں کرتے ہیں۔ بعضے رخصتی کر کے بھی دولھا کو تاکید کرتے ہیں کہ چند سے علیحدہ رہنا مگر اس میں نکاح کے بعد ذرا بیوی سے الگ رہنا دشوار ہوتا ہے۔ مگر جدا رہنے کا

یہ اہتمام ایسا ہی ہے جیسے کسی کا قول ہے ؎

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردۂ		باز میگوئی کہ داماں تر مکن ہشیار باش

(ترجمہ - دریا میں تختہ میں باندھ کر ڈالدیا پھر کہتے ہیں خبردار کہ دامان تر نہو ۱۲ محمد صابر عفی عنہ)

لڑکوں کی اس میں کیا شکایت کبھی تم نے بھی ایسا کیا تھا - کہ ایسی حالت کے بعد علیحدہ رہتے - بہرحال شادی کم عمری میں ہوتی ہے کہ ماں باپ ہی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں اُس کے بعد اُن کے بچے اُن سے بھی چھوٹے ہوتے ہیں - اگر ایسا ہی ہوتا رہا تو وہ جو مشہور ہے کہ قیامت کے قریب بالشتیوں کی آبادی ہوگی تھوڑے دنوں میں بالکل سچ ہو جائے گا - اگلے زمانے کے لوگ بڑے قوی ہوتے تھے - اس کی وجہ یہ بھی کہ شادی سن نمو ختم ہونیکے بعد ہوتی تھی - اسی سے اُن کی عمریں بھی زیادہ ہوتی تھیں - تو یہ وجہ ہے ضعف کی - اب ضعف کی حالت میں کم کھانا کم پینا تو محض نفس کو مارنا ہے - ہمارے بعض دوستوں نے اپنی رائے سے کم کھانا شروع کیا تھا جب اسکا نقصان دیکھا تو توبہ کی تو یہ قسم مجاہدہ کی چھوڑ دو - ہاں کم ملنے کم بولنے کی عادت اختیار کرو؂

تو حاصل اس تقریر سے یہ نکلا کہ گناہوں کا چھوڑنا اور خلوت کا اختیار کرنا بس میں تقلیل طعام بھی میسر ہو جاوے گی - یہ بڑی چیز ہے - چنانچہ تجربہ کر لو کہ صرف خلوت اور ترک کلام پر اکتفا کرے اور معاصی بھی ترک کر دے - تو انشاء اللہ نسبت باطنی حاصل ہو جائے گی - چاہے ذکر بہت ہی کم کرے اور اگر کتنا ہی زیادہ ذکر کرے مگر خلوت و تقلیل کلام نہیں - تو نسبت کبھی نہیں حاصل ہو سکتی - ایک بزرگ نے خلوت کا عجیب طریقہ اختیار کیا تھا کہ بس ہر وقت نوافل پڑھتے رہتے تھے - اگر کوئی آیا بیٹھا رہا - سلام پھیر کے صرف معمولی مزاج پرسی کر کے پھر نماز میں مشغول ہو جاتے تھے - اس طرح کرنے سے خود بخود لوگ کم آتے تھے اور کوئی بُرا بھی نہ مانتا تھا - اور شہرت بھی نہ ہوتی تھی کہ خلوت نشین ہیں - ایک بزرگ نے یہ کیا تھا کہ جب کوئی کچھ کہتا فرماتے لکھ کر دو مجھے سُنائی نہیں دیتا - فضول باتیں کون لکھ کر لاتا بس اسطرح

حکایت شکایت غیبت سننے سے بچے رہتے تھے۔ ایک اور بزرگ کا طریقہ یہ تھا کہ دن کو بالکل نہیں بولتے تھے۔ اس میں یہ تھا کہ فضول بکواس والے اپنا آرام چھوڑ کر رات کو نہیں آتے۔ غرض خلوت کے بہت طریقے ہو سکتے ہیں۔ اگر صاحب کمال ہے تو خود تجویز کر لے۔ ورنہ شیخ سے مشورہ کر لے۔ اور زیادہ بولنے سے بڑی بڑی خرابیاں بھی ہوتی ہیں۔ کہیں زبان سے کسی کی حکایت نکلتی ہے کسی کی شکایت نکلتی ہے۔ کسی کی غیبت ہو جاتی ہے ؎

دل ز پر گفتن بمیرد در بدن	گرچہ گفتارش بود در عدن

(ترجمہ۔ دل میں فضول کلام سے کدورت پیدا ہوتی ہے اگرچہ وہ کلام نہایت عمدہ ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

کیسی ہی اچھی باتیں ہوں مگر ہوں غیر ضروری تو اُس سے بھی قلب میں کدورت پیدا ہو گی حتیٰ کہ وعظ بھی اگر غیر ضروری مضامین پر مشتمل ہو گا وہاں بھی یہی ہو گا اور اگر کم ملنا اختیار کر لو تو مستقلاً کم گوئی کے حاصل کرنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ وہ خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ غرض یہ ہے کہ مجاہدہ اس زمانہ کے مناسب صرف یہی ہے کہ کم ملو۔ کم بولو۔ اور قدرے لذات میں بھی تقلیل کر دو اور اتنا مبالغہ مت کرو جیسا ایک درویش نے میرے سامنے ایک مرتبہ خربوزہ کھایا تو کہنے لگے آج سترہ برس کے بعد کھایا ہے۔ ہمارے حضرت سب کچھ کھاتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں سے انگور آئے سب کو تقسیم کیے گئے اور فرمایا کہ یہ حب فی اللہ کے سبب آیا ہے اس کے کھانے سے قلب میں نور پیدا ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو چاہے پیئے جبتک حرام سے بچتا رہے تو سب کچھ کھائے پیو۔ مگر حرام سے بچے رہو یہ ہے مجاہدہ معتدلہ بہر حال مجاہدہ روح ہے روزہ کی اور رمضان کے بعد اور دنوں میں بھی وہ مجاہدہ اختیار کرو جو اس مجاہدہ سے اتحاد بالنوع کا علاقہ رکھتا ہے۔ مگر اس میں ذرا تدقیق سے کام لو کیونکہ احیاناً شیطان طاعت کے بہانے معصیت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک وہ شخص ہے کہ جس پر حج فرض نہیں اُسے حج کیلئے ورغلاتا ہے کہ یہ مجاہدہ ہے اُس کے بعد جب یہ حج کو چلتا ہے تو سب سے پہلے یہ خرابی ہوتی ہے

کہ جماعت ترک ہوتی ہے۔ پھر نماز ترک ہونے لگتی ہے۔ پھر سفر کے مصائب سے قلب میں خدا کی شکایت پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ ایسے ہی حجاج کے بارے میں شیخ مسعود رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

اے قوم بحج رفتہ کجائید کجائید	معشوق دریں جاست بیائید بیائید

(ترجمہ۔ اے لوگو حج کو کہاں جاتے ہو محبوب یہاں ہی ادھر آؤ۔ محمد صابر غفرلہٗ)

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں حج میں معشوق نہیں ملتا۔ کیونکہ اُن کا معشوق تو یہیں ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ شیخ سے پوچھے۔ شیخ اس کے مکائد کو خوب جانتا ہے ؎

فان فقیہا واحدا متورعا	اشد علی الشیطان من الف عابد

(ترجمہ۔ ایک پرہیزگار عالم شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اور یہ اشدیت اس لئے ہے کہ شیطان نے پہلے ایک بات دل میں ڈالی پھر بڑی مشکل سے اُسے جمایا۔ شیخ نے اس کی شرارت کو سمجھ کر ظاہر کر دیا تو شیطان اپنا سر پیٹ لیگا کہ برسوں کا منصوبہ خاک میں ملا دیا اور ابلیس سے تو یہ پہلے ہی سے نا اُمید تھا۔ اسی واسطے اُس نے عرض کیا تھا۔ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ (ترجمہ اور ان سب کو گمراہ کروں گا بجز آپ کے ان بندوں کے جو ان میں منتخب کئے گئے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اور اشدیت سے خلجان نہ ہو کہ جب شیطان ان کا دشمن ہے تو خدا جانے ان کو کیا کیا ضرر پہنچاوے۔ بات یہ ہے کہ اگر شیطان ان کا دشمن بھی ہوگا تو بھی کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس کی مثال خربوزہ کی ہے اور وہ مثل چھری کے ہیں۔ کہ اگر خربوزہ چھری پر گرے تب بھی خربوزہ ہی کٹے گا اور چھری خربوزہ پر گرے تب بھی وہ ہی کٹے گا۔ اسی طرح یہ اگر اہل اللہ کا دشمن ہو تب بھی اُسی کا نقصان اور اگر وہ دشمن ہوں تب بھی اسی کا نقصان۔ بہرحال مجاہدہ کا طریقہ بڑا باریک ہے اس لئے کسی جاننے والے سے پوچھو۔

مجھے اس وقت دو باتیں بتلانا تھیں کہ ایک تو رمضان میں معاصی ترک کرو۔

خلوت اختیار کرو۔ لوگوں سے کم ملو۔ کم بولو۔ دوسرے رمضان کے بعد مجاہدہ کرتے رہو۔ صرف رمضان ہی پر اکتفا نہ کرو۔ تو گویا بعدہٗ صیام (رمضان ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بھی صیام میں مشغولی رہے گی اور اس کی تائید بزرگوں کے کلام سے ہوتی ہے کہ انہوں نے غیر صوم کو بھی صوم اعتبار کیا ہے۔ چنانچہ نماز کو جو مجموعہ عبادات و مجاہدات کہا ہے تو اس میں نہ کھانے نہ پینے کو صوم کے حکم میں قرار دیا ہے اور حدیث مرفوع میں ہے سِیَاحَۃُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ الصِّیَامُ کذا اَخْرَجَ ابن مردویہ (ترجمہ اس امت کی سیاحت یعنی سفر ہجرت روزہ ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) حالانکہ سیاحت کے معنی سفر کے ہیں چنانچہ سائحین کی تفسیر مہاجرین سے وارد ہے۔ لیکن تشبیہاً روزہ کو سفر ہجرت قرار دیا گیا ...... اور ظاہر ہے کہ وجہ تشبیہ یہی مشقت و مجاہدہ ہے۔ پس اس سے مجاہدہ کا روح صوم ہونا ظاہر ہو گیا۔ چنانچہ ابن عیینہ سے منقول ہے انما سمی الصائم سائحا لترک اللذات کلھا من المطعم والمشرب والنکاح (ترجمہ کھانے پینے اور جماع کی تمام لذتوں کے چھوڑنے کی وجہ سے روزہ دار کا نام سائح رکھا گیا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور ایک حدیث مرفوع میں ہے سیاحۃ امتی الجھاد فی سبیل اللہ رواہ الحاکم (ترجمہ۔ میری امت کی سیاحت اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور ظاہر ہے کہ دو مرفوع حدیثوں میں تطابق ضروری ہے۔ پس اس سے صوم اور مجاہدہ کا اتحاد اور اظہر ہو گیا اور مجاہدہ کا روح صوم ہونا اور اظہر ہو گیا۔ سیاحت کے متعلق روایات کمالین سے لی ہیں۔ لعلکم تتقون میں اسی روح کی طرف اشارہ ہے۔ تو صاحبو نہ یہ روح بلا جسد متحقق ہے اور نہ جسد بلا روح معتبر ہے تو اگر روزہ رکھو تو معاصی کو بھی چھوڑ دو بعضے روزہ رکھ کر کیا کرتے ہیں کہ کہیں شطرنج کھیلتے ہیں کہیں تاش کھیلتے ہیں۔ کہیں ہارمونیم بجاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روزہ بہلاتے ہیں۔ تمہیں روزہ بہلانے کی کیا ضرورت۔ یہ تو خود بہلانے والی چیز ہے اسے بہلانے کی کیا ضرورت۔ اگر ایسا ہی بہلانا ہے تو بہلانے کی چیز ایک دوسری ہے یعنی وَاذْکُرُوْا اسْمَ رَبِّکَ خدا کا ذکر کرو۔ قرآن پڑھو نماز پڑھو۔ نماز ایسی دل بہلانے کی چیز ہے۔ کہ جب بہو دے نے

۹۴

خلق سمٰوات وارض کے متعلق یہ گستاخی کی کہ اس سے فارغ ہو کر اللہ تعالیٰ لیٹ گئے اور حضور سخت آزردہ ہوئے جس پر یہ آیت نازل ہوئی وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ یعنی ہم نے آسمان اور زمین پیدا کیا اور ہم تھکے نہیں۔ تو آگے اس آزردگی کی تدبیر فرماتے ہیں فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ آپ ان کے کہنے پر توجہ نہ کیجئے۔ صبر کیجئے۔ بھلا اتنی بڑی بات سنیں صبر کیسے کریں اس کا طریقہ بتلاتے ہیں وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ (ترجمہ۔ اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہئے (اس میں نماز بھی داخل ہے) سورج نکلنے سے پہلے (مثلاً صبح کی نماز) اور چھپنے سے پہلے (مثلاً ظہر وعصر) ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یعنی نماز میں لگ جاؤ پھر کسی کی پرواہی نہ ہوگی۔ کیونکہ جب محبوب کی طرف توجہ ہوگی تو کسی اور طرف دھیان نہ ہوگا کیونکہ خدا کی یاد وہ چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے کسی مشقت کا پتہ نہ لگیگا۔ اور دوسری مشقتیں تو کیا خود موت کی مشقت جسے حق تعالیٰ نے بھی مصیبت کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور کسی مشقت کا نام لے کر اس کو مصیبت نہیں فرمایا۔ کوئی چیز نہیں معلوم ہوتی چنانچہ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم	راحت جاں طلبم وزپئے جاناں بروم

(ترجمہ۔ جس دن اس دنیا سے کوچ کروں وہ دن بہت اچھا راحت جاں طلب کروں اور محبوب حقیقی کے پاس جاؤں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

نذر کردم کہ گر آید بسر ایں غم روزے	تا در میکدہ شاداں وغزلخواں بروم

ترجمہ۔ میں نے نذر کی ہے کہ اگر دن نصیب ہو جائے تو خوش وخرم اور غزلیں پڑھتا ہوا جاؤں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہ ذکر اللہ ہی کی برکت ہے کہ موت کی تمنا کر رہے ہیں اور فرماتے ہیں مبارک ہے وہ دن جس میں اس ویران بستی سے گذر ہوگا۔ شاید کوئی یہ کہے کہ یہ تو مرنے سے پہلے ہے۔ عین مرنے کے وقت اگر ایسی حالت ہو تو جانیں۔ تو لیجئے عین مرنے کے وقت بھی ایک بزرگ فرماتے ہیں ؎

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم	جسم بگذارم سراسر جاں شوم

(ترجمہ۔ اب وہ وقت آگیا کہ میں عریاں ہو کر جسم کو چھوڑ کر سر سے جان بن جاؤں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

فرد آئی در خلا و در ملا	چیست توحید آنکہ از غیر خدا

(ترجمہ۔ توحید یہ ہے کہ خلوت و جلوت میں غیر اللہ سے قطع تعلقات کر و ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

ابن الفارض رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہونے لگا تو آٹھوں جنتیں منکشف ہوئیں فرمانے لگے ؎

ما قد رأیت فقد ضیعت ایامی	ان کان منزلتی فی الحب عندکم

یعنی اگر یہی میری محبت کی قدر ہوئی تو میری ساری محنت برباد گئی پھر جنتیں مستور ہوگئیں (اور تجلّی مطلوب ہوئی۔ اس کے بعد آپ کی روح پرواز کرگئی اور وہی مضمون صادق آگیا کہ ؎

تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن نہ دہم	گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد

(ترجمہ۔ اگر ملک الموت میری جان لینے کو آئے تو میں جب تک آپ کی تجلی نہ دیکھ لوں جان نہ دونگا ۱۲ محمد صابر)

یہ حالت عین موت کے وقت کی تھی اب بعد وقوع موت کے ان حضرات کی حالت جو دنیا میں ظاہر ہوتی ہے سنئے۔ ایک بزرگ نے وصیت کی تھی کہ ہمارا فلاں مرید ہمارے جنازے کے ساتھ یہ پڑھتا جائے ہماری روح خوش ہوگی ؎

شیئاً للہ از جمال روئے تو	مفلسانیم آمدہ در کوئے تو

(ترجمہ۔ آپکے دربار میں مفلس ہوکر آئے ہیں اپنے جمال کے صدقہ میں کچھ عنایت کیجیے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

آفریں بر دست و بر بازوئے تو	دست بکشا جانب زنبیل ما

(ترجمہ۔ ہماری زنبیل کی طرف ہاتھ بڑھائیے آپ کے دست و بازو پر آفریں ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

چنانچہ وصیت پر عمل کیا گیا۔ جب آثار سے اُن کا صدق معلوم ہے تو یہ سمجھا جاویگا کہ اس سے اُن کی روح کو فرح (خوشی ۱۲ ص) ہوا جس کا وقوع اس عالم میں ہوا۔ اور فرح آخرت جُدا ہے۔

سلطان نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ جب آپ کا جنازہ لیچلے تو آپ کے ایک مرید شدت غم کی حالت میں یہ پڑھنے لگے ؎ (اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت نازل ہو ۱۲ ص)

سرو سیمینا بصحرا مے روی　　سخت بے مہری کہ بے ما میروی

(ترجمہ۔ اے محبوب آپ جنگل میں جا رہے ہیں۔ سخت بے مہری کہ بغیر ہمارے جا رہے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اے تماشا گاہ عالم روئے تو　　تو کجا بہر تماشا میروی

(ترجمہ۔ اے محبوب آپ کا رخ انور جہان کا تماشا گاہ ہے۔ آپ تماشہ کیلئے کہاں جا رہے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

کتاب میں لکھا ہے کہ کفن سے باہر آپ کا ہاتھ نکل آیا۔ اس کے بعد انہیں اشعار پڑھنے سے روکدیا گیا۔ پھر ہاتھ اسی طرح کفن میں برابر ہو گیا۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے ایسے شخص کے اطمینان کا ؎

کوئے نومیدی مرو کامیدہاست　　سوئے تاریکی مرو خورشیدہاست

(ترجمہ۔ ناامیدی کی راہ نہ جاؤ بہت سی امیدیں ہیں۔ تاریکی کی طرف نہ چلو بہت سے آفتاب ہیں یعنی ناامید اللہ تعالیٰ سے نہو بلکہ امیدیں رکھو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

(ترجمہ جسکو عشق حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہو گئی وہ اگر مر بھی جاوے تو واقع میں بوجہ اس کے کہ اسکو لذت قرب علی وجہ الکمال حاصل ہو جاتی ہے۔ اسلئے اسکو زندہ کہنا چاہیئے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

وہاں نہ حزن ہے نہ غم ہے۔ یہ فقط اُس نام پاک کی برکت ہے ؎

اللہ اللہ ایں چہ شیریں است نام　　شیر و شکر مے شود جانم تمام

(ترجمہ۔ اللہ اللہ کیا شیریں نام ہے میری تمام جان شیر و شکر ہوئی جاتی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

تو صاحب یہ نام تھوڑا ہے دل کے بہلانیکو اسمیں دل بہلاؤ۔ اس کے بعد نہیں کسی اور چیز کی کیا حاجت ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جان را چہ کند[ف]　　فرزند و عزیز و خانماں را چہ کند

مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا۔ اب حق تعالیٰ سے دعا فرمایئے کہ وہ فہم اور توفیق عمل کی عطا فرماویں۔ آمین۔

تمت بالخیر

اللھم اغفر لکاتبہ العبد الفقیر الحقیر نور احمد خان السرساوی سلمہ ربہ الکبیر

[ف] جس شخص کو آپکی معرفت حاصل ہو گئی اُسکو جان اور فرزند و اسباب کی پرواہ نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ

ہفت اختر کا دوسرا وعظ

روح القیام

این	متی	کم	کیف	ماذا	لِمَ	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہوکر	کیا مضمون تھا	سبب وعظ	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
تھانہ بھون جامع مسجد	۹ رمضان ۱۳۳۳ھ	۳ ۱/۴ گھنٹہ	بیٹھکر	۰	۰	مولوی عبد الحلیم صاحب تھانوی	۲۰۰	۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولٰنا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وَاَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی اِنَّنِیْ اَنَا اللہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (ترجمہ اور میں نے تم کو نبی بنانے کیلئے منتخب فرمایا ہے سو جو کچھ وحی کی جارہی ہے اس کو سُن لو وہ یہ ہے کہ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کیا کرو اور میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو۔ ۱۲ محمد صابر عفرلہ)

یاد ہوگا کہ اُس جمعہ کو میں نے صوم کی روح کا مضمون بیان کیا تھا اور ایک قاعدہ کلیہ بھی بتلایا تھا کہ ہر عبادت کی ایک صورت ہے اور ایک روح ہے چنانچہ صوم کی روح مجاہدہ ہے اور مجاہدہ کا حاصل مخالفت نفس ہے ہرچند کہ اسکے اعادہ کی ضرورت نہ تھی مگر اسلئے اعادہ کردیا تاکہ اُس پر تنبیہ ہو جائے۔ نیز آج کے مضمون سے ارتباط ظاہر ہوجائے خلاصہ یہ کہ جس طرح صوم کی ایک روح ہے اسی طرح ہر عبادت کی ایک روح ہے مجھ کو اس وقت ہر عبادت کی روح بیان کرنا مقصود نہیں

کیونکہ نہ اس وقت اسکی ضرورت ہے اور نہ فرصت ہے۔ البتہ اُن عبادات کی ارواح بیان کرونگا جو رمضان سے متعلق ہیں اسی وجہ سے صوم کی روح کا بیان کیا گیا تھا کہ یہ رمضان کی سب سے بڑی عبادت ہے اب بھی انہیں عبادتوں کو ذکر کیا جائیگا جو رمضان کی خصوصیات سے ہیں اور انکی خصوصیت نصوص سے ثابت ہے انہیں سے ایک عبادت نماز ہے اور ایک قرآن ہے اور ان دونوں سے زائد اس میں ایک نئی نماز سنت قرار دی گئی ہے اور عبادتیں بھی بڑھ سکتی ہیں ان سب میں نماز کو بڑھانے سے معلوم ہوا کہ اسے رمضان سے خصوصیت ہے جو اور کسی عبادت کو نہیں اسکا نام تراویح ہے اسکا پڑھنا بھی نہایت ضروری ہے کیونکہ روایات سے اسکا مرغوب فیہ ہونا امور بہ ہونا معمول بہ ہونا مطلوب و مقصود ہونا محمود ہونا سب ثابت ہے خود آپ کے فعل سے بھی اسکے بعد صحابہ رض کی مواظبت سے بھی اسلئے محققین نے اسے سنت موکدہ لکھا ہے گو آپ سے یہ ثابت ہے کہ تین شب کے بعد آپ تراویح کیلئے تشریف نہیں لائے اور یہ فرمایا کہ مجھے اسکے تم پر فرض ہو جانیکا اندیشہ تھا اس سے معلوم ہوا کہ اگر اندیشہ فرضیت کا نہوتا تو آپ کا عزم تھا تشریف لانیکا اور عزم بجائے فعل کے ہوتا ہے پس جب آپ نے عزم کیا تو اس سے بھی تاکد ثابت ہو جائیگا جیسا کہ فعل سے ثابت ہوتا ہے اسکے سنت موکدہ ہونیکی ایک یہ تقریر ہے جو اپنے عنوان کے اعتبار سے نئی ہے اور جو عنوان اس کا مشہور ہے وہ یہ ہے کہ مواظبت دو طرح پر ہے ایک حقیقی دوسرے حکمی مواظبت حقیقی تو یہ ہے کہ کسی فعل کا دوام حسًا واقع ہوا ہو مثلاً ظہر کی سنتیں ہیں فجر کی سنتیں ہیں مواظبت حکمی یہ ہے کہ ایک فعل ایسے طرز سے واقع ہوا ہے کہ وہ طرز بتلا رہا ہے کہ اس کا دوام مطلوب ہے۔ چنانچہ آپ دو تین شب تشریف لائے اسکے بعد پھر تشریف نہیں لائے تو صحابہ سے فرمایا کہ مجھے تمہارا آنا معلوم تھا مگر میں اسلئے نہیں آیا کہ ایسا نہو کہ تم پر فرض ہو جائے اور نہو سکے تو تم گنہگار ہو اور اسکے یہ معنی نہیں کہ چلو یہ تو ایک گنجایش کی بات معلوم ہوئی کہ فرض نہیں اب کاہے کو مشقت اُٹھائیں کہ جاگیں اور تھکیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ گناہ تو ہوگا مگر ترک فرض کے برابر نہ ہوگا شاید کوئی یہ کہنے لگے کہ خیر زیادہ گناہ تو نہیں ہے تھوڑا گناہ ہے اگر چھوڑ دیں گے تو کچھ بڑا گناہ نہیں ہے تو جو یہ کہے پہلے وہ میری اتنی بات کو قبول کرلے تب یہ سمجھا جائیگا کہ یہ تھوڑی سی چیز کی وقعت نہیں کرتا اور اُسے سہل سمجھتا ہے تب میں بھی ایسے شخص کیلئے فتوی دیدونگا کہ اسے چھوڑ دینا جائز ہے اور وہ بات یہ ہے کہ ایک چھوٹی سی چنگاری لیکر

اپنی چھپر یا اپنے کپڑوں کے صندوق میں رکھدے اور اگر کوئی کہے تو یہ کہدے کہ یہ تو چھوٹی سی چنگاری ہے بڑا انگارا تو نہیں ہے اور اگر یہ چھوٹی سی چنگاری رکھنے سے گو کہ اثر تو چھوٹی بڑی یکساں ہے تو اس سے کہا جائیگا کہ حضور اثر دونوں کا یہاں بھی یکساں ہے وہ کیا ہے ناخوشی حق تعالیٰ کی بلکہ ایک اعتبار سے تو ترک سنت کا اثر ترک فرض سے بھی بڑھکر ہونا چاہیئے وہ بات یہ ہے کہ گو حق تعالیٰ کی عظمت سب سے بڑھی ہوئی ہے اور اُنکے حقوق بھی بڑھے ہوئے ہیں اور انبیا کی نہ اتنی عظمت نہ ایسے حقوق ہیں مگر فطری مذاق یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو چیز مشاہد ہے اُسکا اثر زیادہ ہوتا ہے چنانچہ دیکھ لیجیے کہ جسقدر آپ حکام ملکی سے ڈرتے ہیں حق تعالیٰ سے نہیں ڈرتے تو کیوں اسلئے کہ حق تعالیٰ کے سلاسل و اغلال نظر نہیں آتے اور حکام کا طوق و زنجیر پیش نظر ہے۔ حق تعالیٰ کا جیلخانہ (جہنم) نظر نہیں آتا حکام کا جیلخانہ سامنے موجود ہے اور لیجیے اپنی حسین بیوی کی طرف کسقدر طبعی کشش ہوتی ہے حق تعالیٰ کی طرف اتنی نہیں ہوتی پس اس سے معلوم ہوا کہ غائب کا اسدرجہ کا اثر نہیں ہوتا جسدرجہ حاضر کا ہوتا ہے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تو مشاہد ہیں آپسے باتیں کر سکتے تھے۔ آپکو دیکھ سکتے تھے آپکے پاس بیٹھ سکتے تھے گو ہمنے آپکو نہیں دیکھا مگر اس سے بھی بہت بڑا اثر ہوتا ہے کہ جس وقت ہم آپکا شکل و حلیہ معمولات خورد و نوش عادات نشست و برخاست عبادات و اخلاق معلوم کرتے ہیں تو بالکل وہی اثر ہوتا ہے جو آپکو خود کرتے ہوئے دیکھ کر ہوتا۔ بخلاف حق سبحانہ کے کہ کبھی آجتک اُنہیں کسی نے دیکھا اور نہ دنیا میں دیکھ سکتا ہے کہیں پتہ بھی نہیں کوئی چیز ذہن میں بھی ایسی نظر نہیں آتی کہ جس طرح حضور کی آجاتی ہے ؎

(سلاسل و اغلال: زنجیریں ۱۲ص طوق ۱۲ص)

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم　　　وز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

(ترجمہ اے اللہ تعالیٰ آپ وہم و گمان خیال و قیاس سے بالاتر ہیں اور جو کچھ بزرگوں نے کہا ہے اور ہمنے سنا اور پڑھا اس سے بھی برتر ہیں ۱۲ محمد صابر عفی عنہ)

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر　　　ما ہمچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

(ترجمہ۔ دفتر تمام ہو گیا اور عمر اختتام کو پہنچی ایک وصف بھی آپ کا بیان نہ کر سکے ۱۲ محمد صابر عفی عنہ)

وہ تو وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں جیسا کہا گیا ہے کل ما خطر ببالك فهو هالك والله تعالى اجل من ذلك یعنی جو تصویریں ذہن میں گذرتی ہیں وہ سب فنا ہونیوالی ہیں خدا اس سے بہت برتر ہیں ہمتو کیا سب سے بڑھکر علم عارفین کا ہے حتی کہ حکماء یونان بھی اُنکے سامنے طفل مکتب ہیں۔ یہ میں ہی دعوی نہیں کرتا حکما کو بھی اس کا اقرار ہے۔ جہاں اُنہوں نے قوی مدرکہ کی تقسیم کی ہے وہاں ایک قوت قدسیہ مانی ہے کہ وہ عقلاء کو میسر نہیں ہے اہل باطن کیساتھ خاص ہے سو اس کا خود اُن کو اقرار ہے گو اُس قوت قدسیہ کی

تحصیل کی اُن کو ہمت نہیں ہوئی بلکہ ہمیشہ ان حکمار کی یہ حالت رہی کہ فرحوا بما عندہم من العلم
یعنی یہ لوگ علم ہی میں اتراتے رہے اور سمجھے کہ بہت بڑا کمال ہے اور گو خود حکمار میں بھی دو فرقے تھے۔
اشراقیین و مشائیین اور اشراقیین نے کثرت مجاہدہ سے اسقدر قلب کی صفائی کر لی تھی کہ حقائق کونیہ اشیا کی انکو
منکشف ہو جاتی تھیں مگر چونکہ اُنکے علوم پر دلائل قائم نہیں اور مشائیین کو جو کچھ معلوم ہوا وہ استدلال سے
معلوم ہوا لہذا اُنکو اشراقیین کے مقابلہ میں اپنے ہی علوم لذیذ و محکم معلوم ہوتے اگرچہ اسکا اعتراف کرتے
تھے کہ دو قسم کے لوگ ہیں فاقد قوۃ قدسیہ اور واجد قوۃ قدسیہ مگر اُس قوت قدسیہ کی طرف توجہ نہ کی علمائے
ظاہرین بھی جنپر ان علوم کا غلبہ ہوا علوم باطنہ کو اُنہوں نے بھی بیقدر و مرجوح سمجھا مشہور ہے کہ ایک
بہت بڑے عالم فلسفی حضرت نجم الدین کبریٰؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت کچھ تعلیم ذکر و شغل فرمائیے
حضرت نجم الدین کبریٰؒ نے تعلیم دی اور قاعدہ کیموافق فرمادیا کہ کیفیت سے اطلاع دیتے رہنا جب ذکر میں
مشغول ہوئے خلوت میں تو اُنہیں یہ معلوم ہوا کہ کوئی چیز قلب سے نکلی جاتی ہے۔ عرض کیا حضرت ذکر کے
یہ کیفیت ہوئی آپ نے فرمایا کہ جو چیز نکلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے یہ علوم فلسفیہ ہیں عرض کیا حضرت یہ تو بڑی
محنت سے حاصل کئے ہیں انکا نکلنا تو گوارا نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ یہ جاتے رہینگے تو کیا ہے اُنسے بہتر علوم حاصل ہونگے ؎

بینی اندر خود علوم انبیا	بے معید و بے کتاب و اوستا

(ترجمہ۔ تمکو بے معین اور بغیر اُستاد و کتاب کے انبیاء جیسے علوم حاصل ہوں گے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ان کے بعد تم کو وہ علوم حاصل ہونگے کہ نہ کتاب کا واسطہ ہوگا نہ اُستاد کی ضرورت ہوگی
کسی طرح انکی سمجھ میں نہ آیا اور یہ کہکر کہ حضرت یہ اُدھار ہے چلے گئے مگر ایک دن کی صحبت کام کر چکی تھی ایک
دن تو بہت ہے واقعی ایک ساعت بھی کام کر جاتی ہے ؎

صحبت نیکاں اگر یک ساعت ست	بہتر از صد سالہ زہد و طاعت ست

(ترجمہ۔ نیک لوگوں کی صحبت اگر ایک گھڑی بھی ہو تو وہ سو برس کے زہد و طاعت سے بہتر ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یک زمانے صحبت با اولیا	بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

ترجمہ۔ اللہ والوں کی تھوڑی دیر کی صحبت بھی سنو سال کی بیریا عبادت و طاعت سے بہتر ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ
اس صحبت کا یہ اثر ہوا کہ جو اُس علوم فلسفیہ کے نے دہول کو گوارا نہ کرتے تھے وہ بھی اسکی نسبت فرماتے ہیں ؎
فراموش ۱۲

نہایۃ اقدام العقول عقال	و غایۃ سعی العالمین ضلال

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا		سوی ان جمعنا فیہ قیل یقال	

یعنی آخر یہ کہنا پڑا کہ ساری عمر بک بک اور قیل و قال کے کچھ حاصل نہوا اور عمر یونہی ضائع کی خلاصہ یہ کہ حکمار کو بھی اس کا اقرار ہی کہ ایک فرقہ واجد قوۃ قدسیہ ہی مگر اس کا علم نہیں کہ وہ کون ہی حقیقت میں وہ فرقہ عارفین کا ہی جن کو قوت قدسیہ مرحمت ہوئی ہی سو اس سے بڑھکر کیا علم ہوگا مگر اتنے بڑے علم والے بھی گو اول اول بہت ڈوٹتے ہیں اور جس قدر معرفت بڑھتی جاتی ہی انکا اشتیاق بڑھتا جاتا ہی جسکی مثال ایسی ہی جیسے استسقار کی بیماری والا کہ جس قدر پانی پیتا جاتا ہی پیاس بڑھتی جاتی ہی ؎

جلندھر ۱۲ اصغر

دل آرام در بر دل آرام جو		لب از تشنگی خشک بر طرف جو	

ترجمہ - محبوب گود میں ہی اور محبوب کو ڈھونڈتے ہیں نہر کے کنارے پر ہیں اور ہونٹ پیاس سے خشک ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ

نگویم کہ بر آب قادر نیند		کہ بر ساحل نیل مستسقیند	

ترجمہ - یہ ہم نہیں کہتے ہیں پانی پر قادر نہیں بلکہ دریائے نیل کے کنارے پر جلندھر کے بیمار کی طرح ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ

یعنی انکی یہ حالت ہوتی ہی جیسے رود نیل پر کسی مستسقی کو بٹھا دو کبھی اسکی تشنگی رفع نہو گی اور اگرچہ اعتقاداً یہ جانتے ہیں کہ ذات منکشف نہیں ہو سکتی مگر شدت اشتیاق میں کچھ نہیں یاد رہتا اور برابر طلب میں لگے رہتے ہیں لیکن جب تھک تھکا کے ہر طرف سے لوٹتے ہیں تو پھر آخر یہی کہتے ہیں ؎

عنقا شکار کس نشود دام باز چین		کاین جا ہمیشہ باد بدست ست دام را	

ترجمہ جس طرح عنقا کو کوئی شکار نہیں کر سکتا جال پھیلانا اور کوشش کرنا لاحاصل ہی اسی طرح ذات بحت کی کنہ کا ادراک نہیں کر سکتا اس لیے فکر و سوچ بیکار ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ

جیسا عنقا کسی کا شکار نہوا ہوگا ذات بھی مدرک نہیں ہو سکتی لیس وہ غیر مدرک ہونے میں وراء الوراء ثم وراء الوراء ہیں غرض وہ ایک ایسی ذات ہیں جہاں نہ صورت نہ شکل نہ کسی نے دیکھا نہ دنیا میں دیکھ سکتا ہی اور اس کا مقتضی یہ بھی تھا کہ ہم سب کبھی نجات نہ پاتے کیونکہ دین واجب ہی اور وہ موقوف ہی معرفت پر لہذا معرفت بھی واجب ہوئی اور وہ حاصل نہیں ہو سکتی لہذا ہم حق تعالی کے حق سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے سبحان اللہ کیا رحمت ہی کہ اپنی شان کے موافق معرفت واجب نہیں کی مدرک کی شان کے موافق واجب کی ہی حتی کہ چار آدمی مختلف فہم کے اگر اپنی سمجھ کیموافق حق تعالی کو الگ الگ سمجھیں تو سب نا جی ہیں چنانچہ محققین نے لکھا ہی کہ ہمیں جتنا فہم ہے ہم اسی قدر سمجھنے کے مکلف ہیں اسی

۵۷

قاعدہ کے محکم کرنے سے بہت سی احادیث اشکال سے صاف ہو جاتی ہیں حدیث میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک کفن چور تھا اُس نے مرنیکے وقت اپنے سب بیٹوں کو جمع کر کے کہا کہ میں تمہارا کیسا باپ تھا یعنی تمہارے ساتھ کیسا برتاؤ کیا ہے اُنہوں نے کہا بہت اچھا برتاؤ کیا اُس نے کہا اُس کے عوض میں میرا ایک چھوٹا سا کام کردوگے اُنہوں نے کہا جان و دل سے کرینگے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلا دینا اور اس کے اُس راکھ کو محفوظ رکھنا اور جب خوب زور شور کی اندھی چلے تو اُس راکھ کو منتشر کردینا شاید میں اس طرح سے خدا کے ہاتھ نہ لگوں اور عذاب سے بچ جاؤں اور اگر خدا تعالیٰ مجھپر قادر ہوگئے تو مجھ پر ایسا سخت عذاب کرینگے کہ کبھی کسی پر نہ کیا ہوگا۔ چنانچہ جب وہ مر گیا تو اُسکے بیٹوں نے اُسکی وصیت پر عمل کیا حق تعالیٰ نے اُسکے تمام اجزاء جمع کر کے نفخ روح کیا جب زندہ ہوگیا تو پوچھا کیوں صاحب یہ کیا حرکت تھی ایسا کیوں کیا اُس نے عرض کیا اے پروردگار تیرے خوف سے ایسا کیا حدیث میں آتا ہے فغفر لہ یعنی اتنی بات پر اسکی مغفرت کردی گئی۔ اب اشکال یہ ہوتا ہے کہ جب اسے خدا کی قدرت میں شک تھا تو مومن کیسے ہوا جب مومن نہوا تو مغفرت کیسے ہوگئی اور اس کا جواب یہ تو ہو نہیں سکتا کہ شاید پہلی امم میں غیر مومن کی بھی مغفرت ہوا کرتی ہو سو اس کا احتمال اسلئے نہیں کہ یہ امر نصوص سے معلوم ہے کہ اس امت پر رحمت زیادہ ہے حتی کہ کفار پر بھی بہ نسبت پہلے کفار کے رحمت زیادہ ہے کہ گناہ کرتے ہیں اور بنی اسرائیل کی طرح مسخ نہیں ہوتے۔ عاد کی طرح تیز ہواؤں سے ہلاک نہیں کئے جاتے کسی کو الٹ دیا گیا کسی کو فرشتے کی چیخ نے ہلاک کردیا۔ کہیں اس امت میں بھی ہے اور اس امت کے کفار کیواسطے نص قطعی ہے کہ مغفرت نہیں ہوگی سو پہلی امم کے کفار کی مغفرت ہوگی تو اس امت کے کفار کی بھی ہوگی کیونکہ حضور کی برکت سے ان پر رحمت زیادہ ہے اور لازم باطل ہے لہذا ملزوم بھی باطل پس یہ جواب نہیں چل سکتا پس اعتراض باقی رہا کہ وہ قدرت میں تردد کی وجہ سے کافر تھا تو مغفرت کیسے ہوگئی۔ غرض یہ سخت اشکال ہے بعضوں نے اس سے بچنے کیلئے ان قدر اللہ (ترجمہ۔ اگر قادر ہوگئے اللہ تعالیٰ ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کے معنی میں تاویل کی کہ قدر کے معنی تضییق رتنگی کی ۱۲ محمد صابر) کے بھی آتے ہیں میں کہتا ہوں کہ ان تکلفات کے بغیر اسکا جواب نہایت سہل ہے وہ یہ کہ اسکی سمجھ اتنی ہی تھی اور وہ اپنی سمجھ کے موافق مکلف تھا وہ یوں سمجھتا تھا کہ بس قدرت اتنی ہی ہوتی ہے اتنی عقل نہ تھی کہ یہ سمجھتا کہ وہ قدرت اس سے بہت آگے ہے اسی طرح اس باب میں اعرابیوں کی

عجیب وغریب حکایتیں مشہور ہیں ایک اعرابی کی حکایت ہے کہ ایک واعظ نے اپنے وعظ میں بیان
کیا کہ حق تعالیٰ کے نہ ہاتھ ہے نہ پاؤں نہ آنکھ ہے نہ ناک نہ اور اعضاء۔ غرض وہ جوارح سے بالکل پاک
ہے ایک اعرابی سنکر کہنے لگا کہ بطیخ شامی کی طرح گول مول اور اپاہج تیرا ہی خدا ہوگا ہمارے خدا
کے سب کچھ ہے۔ غرض ہر شخص اپنی فہم کے موافق سمجھتا ہے اور اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا
کہ باوجود ان بدیہی غلطیوں کے پھر بھی ان سب کا نام دفتر عارفین میں لکھا ہوا ہے اور دوسرے تو کنہ
ذات کی کیا سمجھتے جبکہ حضور ہی لا احصی ثناء علیک (ترجمہ میں تیری تعریف نہیں کرسکتا ہوں ۱۲۔
محمد صابر غفرلہ) فرماتے ہیں پھر کسی اور کی کیا مجال جو کنہ اور حقیقت دریافت کرسکے بہرحال خدا کی شان
وراء الوہم ثم وراء الوہم (ترجمہ وہم سے بالاتر ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہے تو مثل محسوس کے ذات کو مطابق واقعہ کے
فرض نہیں کرسکتے اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو فرض کرسکتے ہیں کیونکہ گو ہمنے آپکو نہیں دیکھا مگر آپکی سب
ادا ہمارے پیش نظر ہے اسلئے آپ مثل محسوس کے ہیں اور محسوس کا اثر زیادہ ہوتا ہے پس اس کا
مقتضا یہ ہے کہ آپ کا خلاف کرتے ہوئے زیادہ شرم آنی چاہیئے تھی۔ اس تقریر سے یہ ثابت ہوا کہ تراویح
میں یہ گنجائش نہیں کہ اسے بالکل گناہ نہ سمجھ کر یا تھوڑا گناہ سمجھ کر چھوڑا جائے چنانچہ اسی فطرۃ خاص کا یہ
اثر ہے کہ جو گیارہ ماہ فرض بھی نہیں پڑھتے وہ بھی تراویح کا اہتمام کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ ایسے لوگ جو بارہ
مہینے فرض پڑھتے چلے آتے ہیں وہ اس میں تخفیف کرنا چاہتے ہیں۔ آج ہی میں نے ایک خط کا جواب
لکھا ہے تعجب تو یہ ہے کہ وہ حضرت پڑھے جن ہیں اگر کوئی جاہل ہو تو اُسے سمجھانا سہل ہے مگر یہ
پڑھے جن بہت مشکل سے سمجھتے ہیں اس خط میں لکھا تھا کہ آجکل کسل غالب ہے اگر اُن احادیث پر عمل
کرلیا جائے جن میں آٹھ یا بارہ رکعت کی تصریح ہے تو کیا حرج ہے۔ مجھے بھی فکر ہوئی کہ اس کا کیا جواب
لکھوں پھر میں نے اللہ سے دعاء کی کہ اے اللہ اس مولوی کا کوئی جواب سمجھا دے چنانچہ حق تعالیٰ
نے مجھے سمجھا دیا میں نے یہ لکھا کہ سیدھی سی بات ہے کہ بیس رکعت کے سنت موکدہ ہونے پر
اجماع منعقد ہوچکا ہے اور اجماع کی مخالفت ناجائز ہے اور یہ اجماع علامت ہے اُن احادیث کے منسوخ
ہونیکی اور اگر اجماع میں شبہ ہو کہ بعض علماء نے صرف آٹھ کو سنت موکدہ لکھا ہے تو جواب یہ ہے
کہ اجماع اس قول سے متقدم ہے پس اس کے مقابلہ میں شاذ قول قابل اعتبار نہیں ہوگا۔
جب تاکد ثابت ہوگیا تو اس کے ترک کرنے سے مورد عتاب ہوگا اُنہوں نے ایک اور بات

۵۹

لکھی تھی کہ صاحب فتح القدیر کی رائے ہے کہ آٹھ رکعتیں پڑھنا چاہیئے میں نے لکھا کہ جمہور کے
مقابلہ میں ایک صاحب فتح القدیر کی رائے نہیں چل سکتی خصوصاً جبکہ اُن کا عمل خود اُن کے
خلاف ہو کیونکہ صاحب فتح القدیر کی یہ علمی تحقیق ہے مگر پڑھیں اُنھوں نے بھی ہمیشہ بیس ہی
لہٰذا اُن کی تحقیق قابل عمل نہیں۔ ایک شخص دہلی کے نئے مجتہدین سے آٹھ تراویح سنکر مولانا
شیخ محمد صاحبؒ کے پاس آئے تھے اور انھیں تردد تھا کہ آٹھ ہیں یا بیس۔ یہ نئے مجتہد اپنے کو
عامل بالحدیث کہتے ہیں کیوں صاحب حدیث میں بیس بھی تو آئی ہیں اُنپر کیوں نہ عمل کیا
کہ اُنکے ضمن میں آٹھ پر بھی عمل ہو جاتا۔ بات کیا ہے کہ نفس کو سہولت تو آٹھ ہی میں ہے بیس کیونکر
پڑھیں اصل یہ ہے کہ جو کچھ اُن کے جی میں آتا ہے کرتے ہیں اور شاذ اور ضعیف احادیث کو بھی سہارا
بنا لیتے ہیں۔ قاری عبدالرحمن صاحبؒ انکے غلاۃ (غلو کرنیوالے ۱۲ احمد) کی نسبت فرمایا کرتے تھے کہ یہ بیشک عامل
بالحدیث ہیں لیکن الف لام الحدیث میں عوض مضاف الیہ کے ہے اور وہ مضاف الیہ نفس ہے
یعنی عامل بحدیث النفس تو واقعی یہ لوگ حدیث نفس کے عامل ہیں حدیث رسول صلے اللہ علیہ
وسلم کے عامل نہیں یہ لوگ اپنے نفس کیموافق احادیث تلاش کیا کرتے ہیں جیسے کسی کی حکایت مشہور
ہے کہ اُس سے پوچھا گیا کہ تمہیں قرآن کا کونسا حکم سب سے زیادہ پسند ہے کہا رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً
مِّنَ السَّمَآءِ (ترجمہ اے رب ہمپر آسمان سے مائدہ یعنی خوان نازل فرما ۱۲ محمد رضا غفرلہٗ) تو اسی طرح اُنھوں نے بھی
تراویح کی تمام احادیث میں سے صرف آٹھ رکعت والی حدیث پسند کی حالانکہ بارہ بھی آئی ہیں اور وتر کی تمام احادیث
میں سے ایک رکعت والی حدیث پسند کی حالانکہ تین رکعتیں بھی آئی ہیں پانچ بھی آئی ہیں سات بھی آئی
ہیں۔ خیر تو وہ بیچارے اُن کے بہکانے سے تردد میں پڑ گئے تھے مولانا سے پوچھا مولانا نے فرمایا
کہ بھئی سنو اگر محکمہ مال سے اطلاع آئے کہ مالگذاری داخل کرو اور تمہیں معلوم نہ ہو کہ کتنی
ہے تم نے ایک نمبردار سے پوچھا کہ میرے ذمے کتنی مالگذاری ہے اُس نے کہا آٹھ روپے
پھر تم نے دوسرے نمبردار سے پوچھا اُس نے کہا بارہ روپے اس سے تردد بڑھا تم نے تیسرے سے
پوچھا اُس نے کہا بیس روپے تو اب بتاؤ تمہیں کچہری کتنی رقم لے کر جانا چاہیئے اُنھوں نے کہا صاحب
بیس روپے لیکر جانا چاہیئے اگر اتنی ہوئی تو کسی سے مانگنا نہ پڑے گی اور اگر کم ہوئی تو رقم بچ رہیگی
اور اگر میں کم لیکر گیا اور وہاں ہوئی زیادہ تو کس سے مانگتا پھرونگا۔ مولانا نے فرمایا بس خوب سمجھ لو

٦٠

اگر وہاں بیس رکعتیں طلب کی گئیں اور ہیں تمہارے پاس آٹھ تو کہاں سے لا کر دوگے اور اگر بیس ہیں اور طلب کم کی ہے تو بچ رہیں گے اور تمہارے کام آئیں گے کہنے لگے ٹھیک ہی سمجھ میں آگیا اب میں ہمیشہ بیس رکعتیں پڑھا کرونگا۔ بس بالکل تسلی ہوگئی۔ سبحان اللہ کیا طرز ہے سمجھانیکا حقیقت میں یہ لوگ حکمائے اُمت ہوتے ہیں ایک اور عامی شخص نے مولنا سے پوچھا تھا کہ ولا الضالین ہے یا ولا الظالین پوچھا قرآن میں لکھا کیا ہے اُس نے کہا قرآن میں تو ولا الضالین لکھا ہے آپنے فرمایا بس جو قرآن میں لکھا ہے وہی ٹھیک ہے واقعی ایسے عامی کو اس سے زیادہ سمجھانیکا اس سے بہتر کیا طریقہ ہوگا۔

بہرحال تراویح میں اختصار اُن لوگوں نے کیا ہے جو پہلے سے نمازی ہیں افسوس ہے تو اس سے بڑھکر یہ ہے کہ کہتے ہیں جماعت تو سنت موکدہ علی الکفایہ ہے بس محلہ کے تیلی جُلاہے پڑھ لیں گے ہمیں سے بھی ادا ہوجائیگی۔ کیا ظلم وستم ہے تم خدا کے ساتھ قانون بگھارتے ہو اگر خدا تعالےٰ عطا کیوقت بھی قانون برتیں کہ جس طرح تم ارکان ضروری ادا کرتے ہو وہ بھی ضرورت کیموافق تمہیں دیدیا کریں تو بتاؤ کہ تمہارا کیا حال ہوگا مثلاً ایک دن تمہیں آدھ سیر اناج سے زیادہ نہ دیں یا ایک لوٹے پانی سے زیادہ نہ دیں تو تم کیا کروگے بلکہ وہ تو اتنا بھی نہ دیں تو تم کیا کرلو کیونکہ ان پر کسی کو دینا واجب تو ہے ہی نہیں محض اپنے فضل ورحمت واحسان سے دیتے ہیں اس فضل واحسان پر ایک عابد کی حکایت یاد آگئی کہ وہ کہا کرتا تھا کہ میں جنت کا مستحق ہوں اپنے اعمال کی وجہ سے کیونکہ وہ جو جو فرماتے ہیں پانچ سو برس سے برابر اسی کیموافق عمل کر رہا ہوں ہاں اپنے فضل سے چاہے کچھ اور دیدیں باقی جتنا مجھے عمل پر ملیگا وہ میرے استحقاق ہی کی وجہ سے ملیگا۔ چند روز کے بعد مر گیا آسمان پر حاضر کیئے گئے وہاں کے فرشتوں نے کہا چلو۔ وہ چلے۔ میدان میں سخت تابش تھی بہت پیاس لگی فرشتوں سے پوچھا یہاں پانی ہے اُنہوں نے کہا ہے مگر بقیمت ملتا ہے۔ پوچھا کیا قیمت ہے کہا یہاں ایک پیالہ پانی کی قیمت پانچسو برس کی عبادت ہے۔ ان حضرت کے پاس کل عبادت پانسو ہی برس کی تھی پیاس کے مارے بیتاب تھا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ پانسو برس کی عبادت کے بدلے میں وہ پیالہ لے لیا پھر تھوڑی دور چلے۔ اس سے زیادہ پیاس لگی پھر پانی کو پوچھا فرشتوں نے وہی جواب دیا انہوں نے کہا اب تو عبادت نہیں رہی۔ اب حق تعالیٰ کے سامنے پیش کیئے گئے ارشاد ہوا کیا لائے ہو۔ بولو اب مغفرت کا استحقاق کس بات پر ہے عرض کیا اے اللہ مغفرت محض تیرے فضل سے ہے

اور میں غلطی میں مبتلا تھا۔ یہ تو یہاں کے ایک پیالہ پانی کی قیمت ہے اور چیزیں جنکو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا اُن کی کیا قیمت ہوگی ہزار برس کی عبادت سے بھی زیادہ ہوگی خصوص تمہارے نرخ نامہ کے موافق شرح اسکی یہ ہے کہ مقدمہ ظاہر ہے کہ اموال تمہارے یہاں زیادہ پیارے ہیں اعمال سے چنانچہ ہر شخص کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے اعمال آسانی سے تجویز کرتا ہے مثلاً میرا فلاں کام ہوجائے تو میں دو رکعت نفل پڑھونگا یا ایک روزہ رکھونگا ایسا بہت کم ہوگا کہ کوئی یہ کہے کہ میں ایک مسکین کو کھانا کھلاؤں گا یا ایک مسافر کو راہ خرچ دوں گا اس مقدمہ کے بعد نعمتوں کی قیمت اول اموال سے سن لو جو ایک حکایت سے معلوم ہوگی کہ ایک درویش کسی بادشاہ کے پاس ہدایت کرنے گئے بادشاہ سے پوچھا اگر تم کسی جنگل میں شکار کو جاؤ اور اتفاق سے اپنے لشکر سے جدا ہوکر راستہ بھی بھول جاؤ اور تلاش کرنے میں اس قدر پیاس لگے کہ راستہ چلنا دشوار ہوجائے بلکہ دم پر بن جائے اور اُس وقت تمہارے پاس کوئی شخص ایک پیالہ پانی لیکر آئے اور کہے کہ آدھی سلطنت کے عوض یہ ایک پیالہ پانی مل سکتا ہے۔ تو تم کیا کروگے پیاس کے مارے جان دوگے یا آدھی سلطنت دیکر وہ پیالہ لے لوگے۔ بادشاہ نے کہا پانی لے لوں گا درویش نے کہا اچھا اس کے بعد تم پانی پیکر چلے تھوڑی دور چل کر پیشاب لگا۔ اور اتفاق سے وہ بند ہوگیا اور کسی طرح نہیں اُترتا۔ ایک طبیب راستہ میں ملا اُس نے کہا آدھی سلطنت مجھے دو تو میں پیشاب اُتار دونگا۔ تو تم کیا کروگے۔ بادشاہ نے کہا جان زیادہ پیاری ہے اُسے بھی آدھی سلطنت دیدونگا درویش نے کہا سبحان اللہ اسی سلطنت پر اسقدر گھمنڈ ہے جس کی قیمت ایک کٹورے پیشاب اور ایک پیالہ پانی کی برابر ہے اسی کے بھروسے انا کلا وانا کذا (ترجمہ۔ میں ایسا اور میں ایسا۔ محمد صابر) ہے۔ خیال کرو کہ دنیا کے پانی کی کس قدر قیمت ہے گھڑے کے گھڑے یونہی پی جاتے ہیں بلکہ غور کیا جائے تو ایک شخص کئی کئی تالاب پی چکا ہے۔ گو وہ تم میں باقی نہیں رہا۔ فضلہ بنکر خارج ہوگیا اس خارج ہونے پر ایک ظرافت آمیز حکایت یاد آئی کہ ایک احمق نے ایک بیل خریدا۔ تالاب پر پانی پلانے لیگیا۔ اکثر جانوروں کی عادت ہے کہ پانی پینے کے وقت موتتے ہیں۔ وہ بیل بھی موتنے لگا اس احمق نے جو بیل کو موتتے دیکھا کہنے لگا کہ لیجاؤ اپنا بیل ہم پھوٹا ہوا بیل نہیں لیتے۔ بس اسی طرح تم پھوٹے ہوئے ہو۔ اگر پیٹ میں پانی نہ ٹھیرے تو کیا کیا جاوے دینے والے نے تو دریغ نہیں کیا

۶۲

غرض جب ایک کٹورے پانی کی قیمت دنیا میں آدھی سلطنت اور آخرت میں ایک ہزار برس کی عبادت ہے۔ تو جو کچھ ہمیں یہاں ملتا ہے یا وہاں ملیگا سب حق تعالیٰ کا فضل ہی کسی کو کسی چیز کا بھی استحقاق نہیں۔ اب جو تم خدا تعالیٰ کے ساتھ قانون بگھارتے ہو کہ جماعت تراویح سنت موکدہ علی الکفایہ ہے تو اگر وہ بھی تمہارے ساتھ قانون برتتے تو ایک گناہ پر ہلاک کر دیتے اگر وہ تمہیں کھانا صرف اتنا ہی دیں کہ بھوکے نہ مرو تو نانی یاد آجائے۔ غرض یہ پڑھے لکھے لوگ ہیں کہ انہوں نے جو کچھ پڑھا ہے تراویح پر اسکی مشق ہوتی ہے حالانکہ تراویح چونکہ سنت ہی اس لئے اس کا عملاً بہت اہتمام کرنا چاہیئے۔ گو اعتقاداً فرض کا اہتمام زیادہ ہی۔ اور عملاً اس کا اہتمام اس لئے زیادہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا اثر محسوس ہے اور یہ ایک طبعی بات ہے۔ چنانچہ اگر ایک قرآن رکھا ہوا اور ایک حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا قمیص مبارک بھی رکھا ہو۔ دیکھ لو دل کدھر کھنچتا ہے۔ طبیعت کا جذب کدھر زیادہ ہو تاہی گو اعتقاداً وہ حق تعالیٰ کا کلام ہے اسکی تعظیم واجب ہے۔ مگر عملاً تم اُسکے ساتھ وہ برتاؤ کروگے جو قرآن کے ساتھ نہیں کرتے۔ پھر بھی نہ یہ شرک ہی نہ ترک ادب ہے کیونکہ فطرۃً انسان اس کے خلاف پر قادر نہیں۔ البتہ حدود شرعیہ سے تجاوز معصیت و بدعت ہی۔ غرض جب ہم آپکے ملبوسات سے اسقدر متاثر ہوتے ہیں تو آپ کی سنت کی کیوں نہ وقعت ہو بہر حال تراویح رمضان کی خصوصیات میں سے ہی یہ تقریر اسپر مبنی ہے کہ یہ ثابت ہو کہ یہ اس ماہ کی خصوصیات میں سے ہی بعض لکھے پڑھے اس میں بھی کلام کرتے ہیں۔ میرے پاس ایک خط آیا کہ تراویح یہ وہی تہجد ہے جو پچھلی رات کو پڑھی جاتی تھی اس نے صورت اختیار کرلی ہے میں نے لکھا کہ دلیل سے ثابت ہی کہ تہجد اور ہے اور تراویح اور ہے چنانچہ تہجد کی مشروعیت حق تعالیٰ کے کلام سے ثابت ہوتی ہی یا ایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا نصفہ او انقص منہ قلیلا او زد علیہ ورتل القرآن ترتیلا (ترجمہ۔ اے کپڑوں میں لپٹنے والے رات کو نماز میں کھڑے رہا کرو مگر تھوڑی سی رات یعنی نصف رات کہ اس میں قیام نہ بلکہ آرام کرو یا اس نصف سے کسی قدر کم کردیا نصف سے کچھ بڑھا دو اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھو ۱۲۔ محمد صابر غفرلہٗ) اس کی دلیل ہے پھر دوسرا رکوع گیارہ بارہ مہینے میں نازل ہوا جس کا حاصل اس فرضیت کا منسوخ کردینا ہے اور تراویح کی نسبت حضور فرماتے ہیں سننت لکم قیامہ

(ترجمہ (میں نے تمہارے لئے اس میں تراویح مسنون کی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اگر یہ تہجد ہے تو
اس کو حضور نے اپنی طرف کیوں منسوب کیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ جو خدا کی طرف منسوب ہے
وہ حضور اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ تہجد اور ہے جس کی مشروعیت حق تعالیٰ
کے کلام سے ثابت ہوتی ہے اور تراویح اور ہے جس کی سنیت حضور کے ارشاد سے ثابت
ہوتی ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ تعامل امت نے دونوں میں فرق کیا ہے۔ غرض یہ عبادت مخصوص ہے
اس کے ساتھ اور حقیقت اس کی نماز ہے میں اس حقیقت کی روح کو بیان کرنا چاہتا ہوں کہ جسکی
ایک جزئی تراویح بھی ہے بہر خواہ یوں کہئے کہ نماز ایک نوع ہے خصوصیات لگ کر اصناف جدا
جدا ہوگئے ہیں یا یوں کہئے کہ نماز ایک جنس ہے فصول لگ کر انواع جدا جدا ہوگئے ہیں بہرحال اتنا تو
معلوم ہے کہ ان میں چند مشترک ہیں مگر یہ پتہ چلنا مشکل ہے کہ وہ خصوصیات جو مابہ الامتیاز
ہیں آیا عوارض ہیں کہ ان کو اصناف کہا جائے یا ذاتیات ہیں کہ انہیں انواع کہا جائے ہم یوں بھی
کہہ سکتے ہیں کہ تراویح مطلق نماز ہونیکے اعتبار سے خصوصیات میں سے ہے رمضان کی۔ کیونکہ
مطلق نماز لابشرط شئی (ترجمہ۔ نہ کسی شرط کے ساتھ ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کے مرتبہ کا ایک مصداق تراویح بھی
ہے۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ تراویح نماز خاص ہونے کے اعتبار سے مخصوص ہے اس ماہ
کے ساتھ۔ بہرحال تراویح کو خواہ مطلق نماز کہو یا نماز خاص کہو وہ اس ماہ کی خصوصیات سے ہے اسلئے
آج نماز کی روح کے بیان کرنے کا خیال ہے اور اس شبہ کو دوبارہ دفعہ کئے دیتا ہوں کہ اکثر
لوگوں کے ذہن میں یہ وسوسہ دوڑنے لگا ہے کہ نماز کی صورت مقصود نہیں صرف روح مقصود ہے اسمیں دو فرقے
ہیں ایک وہ لوگ ہیں جو صورت کو بھی ترک تو نہیں کرتے لیکن مقصود اصلی روح ہی کو سمجھتے ہیں اور صورت
کو غیر مقصود سمجھ کر اس کے قالب پر اس کی کوئی وقعت نہیں اور بالکل بے قدر
سمجھتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ ہیں جو صورت کو کسی درجہ میں بھی معمول بہ نہیں سمجھتے۔ چنانچہ
صوفیہ نے نماز کی روح نکالی کہ ذکر ہے بس اب اس کی صورت سے آزاد ہوگئے اور اعتقاد کر لیا کہ
فقط ذکر کر لینا کافی ہے جو روح نماز کی ہے لیکن جس طرح انہوں نے نماز کی روح نکالی کبھی اس
طرح ان صوفی صاحب نے اپنی روح نہ نکالی کہ آپ کی صورت بھی غیر مقصود ہے پھر صورت کو
غذا صورت کو لباس کیوں دیتے ہیں۔ خوب سمجھ لو کہ جس طرح روح صلوۃ روح انسان کی غذا ہے

صورت صلوۃ صورت انسان کی غذا ہے پس صورت انسان کو علاوہ اس غذائے طبعی کے یہ ایک غذا اور بھی عطا فرمائی گئی ہے تو جس طرح تم نے اس غذا کو حذف کیا ہے اس غذا کو بھی حذف کر دو۔ کہ نہ کھاؤ اور نہ پیو تو ہم جانیں کہ شاہ صاحب واقعی اپنے رنگ کے پکے ہیں کہ ہر جگہ اپنے مذاق کی رعایت کرتے ہیں اس کے کیا معنے کہ نماز کی صورت تو اڑا دو اپنی صورت کو پالتے ہو اگر کوئی چھٹانک بھر گھی کھائے تو شاہ صاحب پاؤ بھر گھی کھاتے ہیں۔ ایک شاہ صاحب کا بہت گھی کھا کھا کے دعوتیں اڑا اڑا کے پیٹ بہت پھول گیا تھا ایک مرید نے پوچھا کہ شاہ صاحب آپ اسقدر موٹے کیوں ہیں کہنے لگے کہ نفس کتا ہے اور کتا جب مر جاتا ہے تو پھول جاتا ہے۔ اس نے کہا حضور جب یہ مر گیا ہے تو کوڑے پر پھینک دیجئے۔ مرے ہوئے کتے کو تو کوڑے پر پھینک دیتے ہیں۔ بس شاہ صاحب چپ ہو گئے۔ واقعی کھری کھری وہ مرید کیا تھا کہ آپ کا بھی پیر تھا۔ سو یہ کیفیت ہے کہ اپنی صورت کو حذف نہ کیا بلکہ اسکے پالنے کیلئے طرح طرح کے جال پھیلاتے ہیں اور نماز کی صورت کو حذف کر دیا۔ ایک اور شاہ صاحب تھے وہ بھی نماز نہیں پڑھتے تھے۔ ان کے مریدوں میں مشہور تھا کہ شاہ صاحب مکہ میں نماز پڑھتے ہیں۔ میرے ایک دوست نے کہا کہ جب نماز وہاں پڑھتے ہیں تو کھانا بھی وہیں کھا لیا کریں کہ متبرک ہوگا۔ واقعی بڑی عجیب بات کہی نماز کیلئے مکہ اور کھانے کیلئے ہندوستان بلکہ استنجا بھی وہیں کر لیا کریں کیا ہندوستان بیوقوف ہے کہ استنجے کیلئے یہاں چلے آتے ہیں اگر مکہ کو بیت اللہ ہونے کی وجہ سے زیادہ شرف حاصل ہے تو ہندوستان میں بھی بہت سے متبرک مقامات ہیں بلیتار انبیاء صحابہ اولیاء کے مزارات ہیں بلکہ آدم علیہ السلام کا نزول سب سے پہلے یہیں ہوا تو مکہ کے برابر تو نہیں مگر تھوڑا بہت کچھ تو ہے۔

کچھ نہیں سب جھوٹی باتیں ہیں۔ یوں بکتے ہیں کہ مکہ میں نماز پڑھتے ہیں۔ لوگوں نے نفس پرستی کی وجہ سے ایسی ایسی خرافات و مزخرفات گھڑ لی ہیں۔ بہر حال جہلائے صوفیہ پر تو اس روح نکالنے کا یہ اثر ہوا کہ وہ صورت کو کسی درجہ میں ضروری نہیں سمجھتے اور پابندان ظاہر پر اس کا یہ اثر ہوا کہ وہ یہ تو نہیں کہ نماز کو فرض نہ سمجھیں مگر یہ ضرور ہوا کہ ان کے قلب میں ظاہر کی رکوع و سجود کی وقعت زیادہ نہیں سمجھتے ہیں اس لئے یہاں تک دیکھا ہے کہ اسکی کوشش تو کرتے

٦٥

ہیں کہ نماز میں خطرات نہ آئیں مگر تعدیل و ادائی سنن کی پرواہ بھی نہیں ہوتی حالانکہ ان کا درجہ اس سے بڑھکر ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ کے ایک مُرید صاحب کشف تھے۔ یہ خیال ہوا کہ نماز ایسی پڑھنا چاہیئے جس میں کوئی خطرہ نہ آوے فقہا نے لکھا ہے کہ اگر کسی شخص کو بغیر آنکھ بند کئے حضور قلب نہ ہو تو آنکھ بند کرکے نماز پڑھنا جائز ہے ورنہ مکروہ ہے چنانچہ اُنھوں نے آنکھیں بند کرکے اس طرح نماز پڑھی کہ کوئی خطرہ نہیں آنے پایا۔ جب فارغ ہوئے تو بہت خوش ہوئے پھر متوجہ ہوئے نماز کی ہیئت مکشوف ہوئی دیکھا نہایت حسین و جمیل ہے۔ پھر غور کرکے ہر ہر عضو کو دیکھنے لگے اتفاقاً آنکھوں پر نگاہ پڑی دیکھا تو آنکھیں نہیں ہیں۔ بہت پریشان ہوئے۔ حضرت سے آکر عرض کیا۔ تمام واقعہ مفصل نہیں عرض کیا۔ مگر کیا ٹھکانا ہے حضرت کی فراست کا فی البدیہ فرمایا کہ تم نے نماز آنکھیں بند کرکے پڑھی ہوگی پھر فرمایا گو تم نے اس طرح نماز پڑھی کہ خطرات نہ آئیں مگر آنکھیں بند کرنا سنت کے خلاف تھا۔ تو آنکھیں کھول کر نماز پڑھنا گو خطرات آئیں افضل ہے اور آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا گو خطرات نہ آئیں مفضول ہے کیونکہ خلاف سنت ہے۔ حضور کا ہمشکل بننا افضل ہے حضرت اللہ کے نزدیک تو صورت بھی حضور کی مقبول ہے۔ میرے ایک دوست قنوج میں وکیل ہیں وہ اپنا قصہ بیان کرتے تھے کہ میں کسی شہر میں گیا کہیں راستہ میں ایک بڑی بی مجھے ملیں۔ اپنے گھر بلا کر لے گئیں میری بڑی خاطر کی حلوا کھلایا۔ میں نے پوچھا کہ بڑی بی اس خاطر کا کیا سبب ہے۔ نہ میں تمہیں جانوں نہ تم مجھے۔ بڑی بی نے کہا میرا ایک بیٹا تمہاری ہی صورت کا ہے وہ پردیس میں ہے مجھے تمہاری صورت دیکھ کر وہ یاد آجاتا ہے۔ پھر جب یہ ادھر سے گذرتے انکے پاس ضرور جاتے وہ بھی ان کی بہت خاطر کرتی تھیں تو خیال کرو وہ بڑھیا ادنیٰ درجہ کی تھیں تھی جب اسے اپنے محبوب بیٹے کی صورت اسقدر پیاری ہے تو حق تعالیٰ کو اپنے رسول کی صورت عباد کی کیوں نہ محبوب ہوگی۔ یہ یاد رکھو کہ ولایت شعبہ نبوت کا ہے جتنا زیادہ مشبہ بالنبوۃ ہوگا اسی قدر اسکی ولایت میں کمال ہوگا۔ عوام جوش و خروش والے کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا کامل ہے۔ حالانکہ وہ کامل نہیں البتہ معذور ہے کامل وہ ہے جو حضورؐ کے مشابہ ہو ہر ادا ویسی ہی ہو نشست و برخاست، خورد و نوش ہنسنا بولنا غرض یہ کہ سب باتیں حضورؐ ہی کی طرح ہوں بس یہی کامل حضورؐ سے بڑھکر کون ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کو کبھی نماز میں استغراق نہ ہوتا تھا۔ خود فرماتے ہیں

کہ میں یہ سوچکر آتا ہوں کہ آج نماز میں تطویل کرونگا۔ مگر بچہ کی آواز سنتا ہوں تو اس خوف سے مختصر کر دیتا ہوں کہ شاید کوئی بچہ والی عورت نماز میں ہو اور بچہ کی آواز سے پریشان ہو۔ اُس وقت عورتوں کو مسجد میں حاضر ہونیکی اجازت تھی مگر جب سے فتنہ کا خوف پیدا ہوا ممانعت ہوگئی۔ تو حضور بچہ کا رونا نماز میں سُنتے تھے معلوم ہوا کہ حضور کو نماز میں استغراق نہ ہوتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں استغراق کا ہونا کمال نہیں۔ اس سے ایک اور مسئلہ بھی مستنبط ہوتا ہے کہ آپ فرماتے ہیں مخافتان تفتتن امہ۔ یعنی احتمال تھا کہ اُس کی ماں کو پریشانی ہو معلوم ہوا کہ انبیاء کا کشف دائمی نہیں ہوتا۔ لہذا اولیاء کا بھی دائمی نہیں ہو سکتا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خشوع استغراق کو نہیں کہتے کیونکہ آپکو نماز میں خشوع یقیناً ہوتا تھا اور کیونکر نہ ہوتا جب حق تعالیٰ مطلق مومنین کاملین کے باب میں فرماتے ہیں۔ قد افلح المومنون الذین ھم فی صلوتھم خاشعون (ترجمہ بتحقیق اُن مسلمانوں نے آخرت میں فلاح پائی جو اپنی نماز میں خشوع کرنیوالے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) پس جب ایمان کے لوازم سے خشوع ہی تو نبوت کے لوازم سے بدرجہ اولیٰ ہوگا اور حضور کو استغراق تھا نہیں۔ معلوم ہوا کہ خشوع اور حضور قلب اور شے ہے اور استغراق اور شے ہے اور اگر دونوں ایک ہی ہوں تو اجتماع النقیضین (ترجمہ دو ضدوں کا جمع ہونا ۱۲ محمد صابر) لازم آئیگا۔ کیونکہ باقتضائے آیت حضورؐ میں خشوع ہے اور بدلالت حدیث استغراق نہیں اگر یہ دونوں ایک ہی شے ہوتے تو ایک ہی شئے کا ہونا اور نہ ہونا لازم آئیگا۔ اور یہ محال ہے۔ جو لوگ غلطی سے یہ سمجھ گئے کہ خشوع و استغراق ایک ہی شے ہے اور خشوع ہے روح صلوۃ تو استغراق بھی روح صلوۃ ہے اور جب استغراق نہیں تو روح نہیں جب روح نہیں تو بے روح کی نماز کس کام کی۔ تو یہ سمجھے کہ ہماری نماز بے قدر ہے کہ اس میں استغراق نہیں۔ حالانکہ ابھی ثابت ہو چکا ہے کہ استغراق اور شے ہے اور وہ روح صلوۃ نہیں ورنہ لازم آئیگا کہ حضور کی نماز بھی بے روح ہو۔ بہر حال جب ان لوگوں نے استغراق کو مقصود بالذات سمجھ لیا اور وہ حاصل نہیں تو صرف رکوع و سجود کو بے معنی حرکات سمجھ کر بیقدری کرنے لگے۔ اگر اُن سے کہو کہ رکوع و سجود میں تعدیل کرو جو نہایت آسان ہے کبھی نہ کریں گے اور استغراق کے اس قدر درپے ہیں۔ راز یہ ہے کہ اس کی وقعت قلب میں نہیں ہے کیونکہ آدمی جسے عزیز و باوقعت سمجھتا ہے اسکا اہتمام کرتا ہے۔ اگر آپ کسی پر عاشق ہوں تو کیا آپ چاہینگے کہ اسکی آنکھیں نہ ہوں یا ناک کٹی ہوئی ہو حالانکہ عشق یہاں بھی روح کے ساتھ ہے کیونکہ اگر روح نکل جائے

تو پھر معشوق کے پاس کھڑا بھی ہونیکو جی نہیں چاہتا مولانا فرماتے ہیں ؎

عاشقی با مردگاں پایندہ نیست
زانکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست

(ترجمہ۔ مردوں کے عشق کو بقا نہیں چونکہ مردہ پھر ہمارے پاس آنیوالا نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

عشق با مردہ نباشد پائیدار
عشق را با حیّ با قیّوم دار

(ترجمہ مردہ کیساتھ عشق کو پائیداری نہیں اسلئے اس حی و قیوم کا عشق اختیار کرو جو ہمیشہ باقی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اس کا دوسرا مصرعہ نتیجہ ہے کہ جب مردہ کی محبت پائدار نہیں رہتی تو اہلِ حقیقت اسپر نظر رکھتے ہیں
عشق را با حیّ با قیوم دار۔ (ترجمہ۔ خدائے حیّ قیوم کا عشق اختیار کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)
آگے اس سے بیان کرتے ہیں کہ محبت پائیدار کیوں نہیں رہتی ؎

عشقہائے کز پئے رنگے بود
عشق نبود عاقبت ننگے بود

(ترجمہ۔ جو عشق و محبت محض رنگ و روپ پر ہوتا ہے وہ درحقیقت عشق نہیں بلکہ محض ننگ ہوتا ہے یعنی اسکا انجام حسرت و ندامت ہے محمد صابر غفرلہ)
کیونکہ جب رنگ و روپ پر عاشق ہے اور وہ اُس وقت تک ہی جبتک کہ روح ہے اور جب روح نکل گئی تو رنگ کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ آگے نصیحت فرماتے ہیں کہ ؎

غرقِ عشق شو کہ غرقست اندریں
عشقہائے اولین و آخریں

(ترجمہ۔ عشق حقیقی میں غرق ہو جاؤ۔ اسمیں غرق ہونا اولین و آخرین کا عشق ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)
اب یہ شبہ ہونگہ یہاں تو اسلئے عاشق ہوتے ہیں کہ مل جاتا ہے اور وہاں یہ حالت ہے کہ ؎

بحر لیست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز ایں کہ جان بسپارند چارہ نیست

(ترجمہ عشق کا دریا ایسا دریا ہے کہ اس کا کوئی کنارہ نہیں اسجگہ بجز جان سونپنے کے چارہ نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)
آگے اس شبہ کا جواب دیتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
با کریماں کارہا دشوار نیست

(ترجمہ۔ یوں نہ خیال کرنا کہ بھلا ہماری رسائی اس دربار تک کہاں ہے۔ کیونکہ کریموں کو کوئی کار دشوار نہیں ہوتا اگر تم اپنی کوشش سے نہیں پہنچ سکتے مگر وہ کریم ہیں اپنے فضل سے تمکو رسائی عنایت کر دینگے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)
حقیقت جواب کی یہ ہے کہ اگر وہاں تک تمہیں پہنچنا پڑے تو بیشک دشوار ہے وہاں تو یہ حالت ہے کہ ؎ خود بخود آں بت عیار بسر می آید

وہ تو خود ہی متوجہ ہوتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا الحدیث جو میری طرف ایک بالشت بڑھے میں اسکی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں جو میری طرف ایک ہاتھ بڑھے میں اسکی طرف ایک باع (دونوں ہاتھوں کا پھیلاؤ بھر) بڑھتا ہوں ؎

نگردد قطع ہرگز جادۂ عشق از دویدنہا	کہ می بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

(ترجمہ۔ عشق کا راستہ دوڑنے سے ہرگز قطع نہیں ہوتا ۱۲۔ محمد صابر غفرلہ)

بلکہ انگور کی بیل کی طرح جتنا زیادہ قطع کیے جاییے اور بڑھے گا۔ اسی طرح یہ راستہ ہے کہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور کسی طرح قطع نہیں ہوتا۔ ہاں وہ خود قطع کر دیتے ہیں اس کی مثال محسوسات میں ایسی سمجھئے کہ ایک بچہ ہے جو ابھی کھڑا ہو سکتا ہے چل پھر نہیں سکتا۔ آپ اُسے محبت سے پکارتے ہیں کہ آؤ آؤ وہ اگر آپکی آواز پر متوجہ ہو کر آنے کا قصد کرے تو پھر تو آپ خود دوڑ کر اُسے گود میں اُٹھا لیتے ہیں اور اگر وہ التفات نہیں کرتا تو آپ بھی توجہ نہیں کرتے یہ جانتے ہیں کہ یہ بچہ آ نہیں سکتا۔ مگر پھر بھی بڑے بڑے عقلاء اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو کیوں تاکہ اس بچہ کی طلب و رغبت کا امتحان کریں۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی ہماری نسبت فرماتے ہیں وَاللّٰهُ یَدْعُوْا اِلٰی دَارِ السَّلَامِ (ترجمہ۔ اور اللہ تم کو جنت کی طرف بلاتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اگر اس پر یہ شبہ ہو کہ جب ہم اس راستہ کو قطع نہیں کر سکتے تو بغیر بلائے ہمیں قطع کرا دیا ہوتا۔ تو حضور آپ بھی تو اپنے بچہ کو باوجود عقل کے بلاتے ہیں تو کیوں اسلئے کہ محبت کا یہی مقتضا ہے اسیطرح حق تعالیٰ کی محبت کا مقتضا ہے کہ اپنی رحمت سے بلاتے ہیں اگر کوئی جانے کا قصد کرتا ہے تو خود پہنچکر اُٹھا لیتے ہیں اور اگر کوئی ادھر سے بے التفاتی کرتا ہے تو اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ (ترجمہ کیا ہم اسکو تمہارے گلے مڑھ دیں گے اور تم اس سے نفرت کیے چلے جاؤ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) وہ بھی بے پروا ہو جاتے ہیں اب معلوم ہو گیا کہ ع برکریماں کارہا دشوار نیست (ترجمہ کریموں پر کار دشوار نہیں ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یہ شبہ بھی دفع ہو گیا۔ غرض عشق مجازی میں اصل محل عشق کا روح ہے اور صورت تو واقع میں مردہ ہے جس کے ساتھ رنگ کیوجہ سے عشق ہے اور رنگ روح کی وجہ سے ہے تو ثابت ہوا کہ محبت روح کے ساتھ ہے مگر پھر بھی صورت کی ایسی فریفتگی ہے کہ اسکو دیکھ دیکھ کر کہتا ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم	کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(ترجمہ۔ سر سے پیر تک جس طرف نگاہ ڈالتا ہوں کرشمہ دامن دلکو کھینچتا ہی کہ یہی جگہ ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

جس طرف نگاہ کرتا ہوں دل نکلا جاتا ہی اُسکی خوبی دیکھ کر بیساختہ نکلتا ہی ؎

سامنے سے جب وہ شوخ دلربا آجائے ہے | تھامتا ہوں دلکو پر ہاتھوں سے نکلا جائے ہی

اُسکی جوتی اُسکی جراب دیکھ کر یہ حالت ہو دل کھنچتا ہی تو کیوں صاحب عاشق تو آپ روح کے ہیں مگر اس روح کے تعلق کی وجہ سے آپ کو صورت بھی محبوب ہی۔ یہی یہاں بھی سمجھ لیا ہوتا کہ رکوع و سجود نماز کے ہاتھ پاؤں ہیں جس طرح تم معشوق ظاہری کی آرایش کے دلدادہ ہو اسی طرح اس کی بھی تزئین و تحسین کرو۔ چوڑی۔ مہندی کنگھی۔ چوٹی سے نہیں ہوتی بلکہ اُس کا وہ طریقہ ہی جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم بتا گئے ہیں جیسا کہا گیا ہی ؎ دلفریبان نباتی ہمہ زیور بستند ؛ دلبر ماست کہ حسن خداداد آمد

(ترجمہ۔ دلفریبان نباتی زیور متعارف سے مزین ہیں ہمارے محبوب میں خداداد حسن ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اس زیور متعارف کی اُسے ضرورت نہیں سادگی ہی اُس کا زیور ہے کہ اعتدال ہو اسکو توڑ مروڑ نہیں کہ رکوع کیا تو گھڑی کے لنگر کی طرح اُچھلے اور فوراً کھڑے ہو گئے سجدہ کیا تو اسقدر جلدی کہ اپنے سر میں بھی چوٹ لگی اور مسجد کا فرش بھی ٹوٹا۔ دو شخص تھے آقا و نوکر۔ ان دونوں نے آپس میں شرط لگا رکھی تھی کہ دیکھیں کون پہلے فارغ ہوتا ہی۔ نماز شروع کی لگے دونوں صاحب جھٹا جھٹ رکوع سجدہ کرنے نماز ختم۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا معلوم ہوتا ہے آپ لوگ قرأۃ اور دعائیں التحیات وغیرہ گھر سے پڑھ آتے ہیں صرف اُٹھنا بیٹھنا رہ جاتا ہی۔ بعضے امامت میں بھی ایسا کرتے ہیں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ میں نے ایک امام کی اقتدا کی اُنہوں نے نیت باندھی میں نے بھی نیت باندھنا چاہی جتنی دیر میں نے نیت باندھی وہ رکوع میں چلے گئے میں رکوع میں گیا تو وہ سجدہ میں پہنچ چکے تھے میں سجدے میں گیا تو کھڑے ہو چکے تھے۔ غرض میں اُن کا ساتھ نہ دیسکا تو نیت توڑ کر علیحدہ ہو گیا۔ افسوس لوگوں نے یہ گت بنائی ہی نماز کی اور اگر کسی کو رحم آگیا اور اُس نے اسکی اصلاح کی تو اسقدر لمبی سورتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں کہ لوگ اُکتا جاتے ہیں رُڑکی میں ایک امام تھے گرمی کا زمانہ مقتدی دھوپ میں جل رہے ہیں مگر انہیں لمبی سورتیں پڑھنے کا شوق تھا ایک مرتبہ کوئی بڑی سورت پڑھی۔ کسی نے کہا کہ حضرت کچھ تو ہم لوگوں کے حال پر رحم کیجئے گرمی اور دھوپ اسقدر ہی اور آپ ایسی لمبی لمبی سورتیں پڑھتے ہیں کہنے لگے کہ یہاں کی دھوپ نہیں برداشت کی جاتی تو وہاں کی دوزخ کی آگ کیونکر برداشت ہوگی۔ سبحان گویا اُن کے نزدیک سب دوزخی تھے اور یہ نہیں

دوزخ کا عادی بناتے تھے منحوس کہیں کا۔ بہرحال یہ وہ حالت ہوئی کہ ؎

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی　　تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

غرض اعتدال نہیں رہا بڑھائینگے تو اسقدر کہ لوگوں کو عذاب ہوجاتے گھٹائیں گے تو اسقدر کہ بچوں کا کھیل ہوجائے کہیں افراط کہیں تفریط۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ سنت کا اتباع نہیں نماز روزہ تو بڑی چیز ہی آپکے تو ہر فعل میں اعتدال و انتظام تھا نشست و برخاست میں خورد و نوش میں گفتار میں رفتار میں۔ اسی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کان خلقہ القرآن کہ قرآن میں جو امور مذکور ہیں وہ آپکے لئے مثل امور طبعیہ عادیہ کے ہوگئے تھے۔ چنانچہ آپکی عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی آپ کے پاس آتا آپ اپنی جگہ سے کھسک جاتے اللہ اکبر ایسی باریک باتیں آپسے طبعی امور کی طرح سرزد ہوتی تھیں۔ اسمیں مصلحت یہ ہی کہ آنے والے کی دلجوئی اُسکی قدر دانی اُسکے آنے سے مسرت کا اظہار اور قرآن میں ہے یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا (ترجمہ اے ایمان والو جب تم سے کہا جاوے کہ مجلس میں جگہ کھولدو تو تم جگہ کھول دیا کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) قرآن میں تو یہ ہی کہ تمہیں جب جگہ چھوڑنیکا حکم ہو اُسوقت کھسک جاؤ اور آپکو باوجودیکہ جزئی حکم نہیں ہوا تھا مگر آپ کھسک جاتے تھے کہ آپ کی نظر اس حکم کی علت پر تھی پس ایسی عارضی بات اور وہ آپکی طبیعت کا مقتضا ہوگئی تھی بس آپ کھسک جاتے تھے اور انتظام کی نسبت شمائل ترمذی میں تصریح ہے کہ آپکا ہر کام انتظام سے ہوتا تھا چنانچہ ہر ہفتہ مسجد قبا میں تشریف لیجانیکا معمول تھا۔ برابر تشریف لیجاتے تھے اور ونکو کام کا شروع کرنا سہل ہی مگر اُسکو اخیر تک نباہدینا یہ بہت دشوار ہی ؎

لوگ کہتے ہیں جاہ مشکل ہے　　سب غلط ہی نباہ مشکل ہے

ہمسے اگر اسقدر پابندی ہوگی تو دشواری سے ہوگی اور حضور کو کچھ مشکل نہ تھا حق تعالی نے آپکی طبیعت کی ساخت ہی ایسی رکھی تھی کہ کوئی کام آپ کا اعتدال و انتظام کے خلاف نہوتا اور آپ بے تکلف چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی رعایت فرماتے تھے پچھلی شب کو آپ جنۃ البقیع تشریف لیجاتے تھے حضرت عائشہ رضی روایت کرتی ہیں کہ ایک بار میری نوبت میں آپ بقیع تشریف لیگئے تو قَامَ رُوَیْدًا آہستہ اُٹھے تاکہ پاس کے سونیوالوں کو تکلیف نہو وَانْتَعَلَ رُوَیْدًا جوتا بھی آہستہ پہنا۔ نسائی شریف میں ہے کہ اسیطرح آپنے دروازہ بند کیا تو آہستہ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہی اس رعایت کا حالانکہ آپکی شان محبوبیت کی بھی حضرت عائشہ کو بھلا آپسے کیا تکلیف ہوتی اُن کی تو آپکے ساتھ یہ کیفیت تھی کہ ؎

۱۷

گر بر سر و چشم من نشینی	نازت بکشم کہ نازنینی

(ترجمہ اگر میری آنکھ و سر پر بیٹھے تو ناز تیرے اُٹھاؤں اس لئے کہ تو نازنین ہی ۱۲ محمد صابر عفرلہٗ)

مگر پھر بھی حضور کو یہ خیال تھا کہ انہیں اذیت نہو یہ امور آپکے طبعی تھے تکلف سے کبھی ایسا نہیں ہو سکتا اگر ہو تو کب تک ہو سکتا ہی مثل مشہور ہے کہ نئے نمازی کا پاؤں نہیں مڑتا جبتک عادت نہ ہو ایک ولایتی بوڑھے آدمی تھے اُنہوں نے مولانا فتح محمد صاحب رحؒ سے عقد انامل سکھانے کی درخواست کی مولانا سکھانے بیٹھے اُن سے ایک اُنگلی کھلواتے ہیں تو سب کھلجاتی ہیں ایک بند کرلیتے ہیں تو سب بند ہوجاتی ہیں ملا دو پیازے کی طرح کہ مرتے مرتے مسخرہ پن کر گئے ٹانگیں اونچی کرکے مرگئے۔ اب جو اُن کی ٹانگیں نیچی کرتے ہیں تو وہ بیٹھ جاتے ہیں اور اگر اُن کو لٹاتے ہیں تو ٹانگیں اونچی ہوجاتی ہیں۔ خیر یہ ولایتی بہت دیر تک اسکی کوشش کرتے ہی کہ کسی طرح آجائے جب طالب علم ہنسنے لگے تو آپ کہتے ہیں کہ فرض کرلو کہ ایک کھلی ہے اور سب بند ہیں سبحان اللہ جب گننے بیٹھو گے تو یہی کہہ لینا کہ فرض کرلیا کہ ایک کھلی ہی اور سب بند ہیں نئے نمازی کی بھی یہی کیفیت ہوتی ہی کہ پہلے بہت دشوار معلوم ہوتی ہے اسکے بعد پھر مشق ہونے آسان ہو جاتی ہی۔ اسی طرح اخلاق بھی کہ شروع میں اُنکی پابندی مشکل ہوتی ہی آخر میں مشق اور عادت ہونیکے بعد سہل ہوجاتے ہیں۔ اب لوگ مشقت سے گھبراتے ہیں اور اصلاح اخلاق بدون اسکے ہوتی نہیں حضرت شاہ غلام علی صاحب مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں رہتے تھے۔ ایک مرتبہ کہیں سے مٹھائی آئی مرزا صاحب نے فرمایا غلام علی مٹھائی لو۔ یہ گئے اور جاکر ہاتھ پھیلا دیا۔ فرمایا بڑے ہی گنوار ہو ارے کوئی برتن یا کاغذ لاؤ خیر یہ بیچارے کاغذ لیگئے اور مٹھائی لاکر کھائی۔ دوسرے وقت پوچھا غلام علی مٹھائی کھائی تھی۔ عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کچھ ہے یا سب کھالی۔ عرض کیا سب کھالی۔ فرمایا بڑے ہی گنوار ہو ارے مٹھائی بھی کوئی پیٹ بھرنے کی چیز ہے جو ایک دم سے کھاگئے۔ بیچارے بات بات میں گنوار بنتے تھے۔ ساری عمر یوں ہی گذر گئی لیکن اس کا نتیجہ کیا ہوا کہ ع ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد

(ترجمہ جس نے خدمت کی وہ مخدوم ہوا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) مخدوم العلماء ہوئے۔ درستی اخلاق کی یہ مثال ہی کہ مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ قزوین میں رواج ہے کہ بدن گودوایا کرتے ہیں۔ ایک شخص نے گودنے والے سے کہا کہ میری کمر پر شیر کی تصویر بنا دو اس نے سوئی لیکر جیسے ہی اُسکو چبھویا۔ اُس نے کہا آہ غضب کرتا ہی بھئی کیا بناتا ہے اُس نے کہا دُم بناتا ہوں بولا کہ بھئی دم کا کیا کام

ہے۔ کیا بغیر دم کے شیر نہیں ہوتا۔ اس دُم نے تو دم نکال دیا۔ اُس نے چھوڑ دیا۔ پھر اُس نے دوسری طرف سوئی چبھوئی۔ پھر پوچھا اُسے بھی کیا بناتا ہے۔ کہا پیٹ بناتا ہوں۔ کہا اُسے یہ کوئی کھانا کھائیگا۔ پیٹ بھی چھوڑ دے اُس نے پیٹ بھی چھوڑ دیا۔ اُسی طرح اُس نے دوسری طرف سوئی چبھوئی۔ پھر پوچھا اب کیا بناتا ہے کہا منہ بناتا ہوں بولا ارے بھائی یہ تو تصویر ہے اسے بولنا نہیں پڑیگا۔ اسے بھی چھوڑ اُسنے اُسے بھی چھوڑ دیا پھر اور طرف سوئی چبھوئی اُس نے پھر پوچھا کہ بھئی اب کیا بناتا ہے اُس نے کہا کان بناتا ہوں کہا کیا شیر بوچے نہیں ہوتے کان بھی چھوڑ اُسنے جھلا کے سوئی پھینکدی اور کہا کہ ؎

شیر بے گوش و سر و شکم کہ دید	این چنیں شیرے خدا ہم نافرید

(ترجمہ۔ شیر بغیر کان و سر اور پیٹ کا کس نے دیکھا۔ ایسا شیر تو خدا نے بھی نہیں بنایا۔ میں کیا بناؤں گا۔ ۱۲ محمد صابر عفرلہٗ) آگے نتیجہ کے طور پر فرماتے ہیں ؎

گر بہر زخمے تو پر کینہ شوی	پس کجا صیقل چو آئینہ شوی

(ترجمہ۔ اگر ہر زخم پر تم پر کینہ ہو یعنی مرشد کی ہر تنبیہ پر ناک بھوں چڑھاؤ تو کس طرح قلب مثل آئینہ کے صاف ہو سکتا ہے ۱۲ محمد صابر)

کہ ہر تنبیہ پر مرشد کی اگر تمہاری یہ حالت ہو کہ تمہارے نفس میں کدورت ہو تو ؎　سوے

چوں نہ داری طاقت سوزن زدن　　پس تو از شیر ژیاں ہم دم مزن

(ترجمہ۔ جب سوئی چبھنے کی تم میں طاقت نہیں ہے تو شیر ہونیکا دعویٰ نہ کرو ۱۲ محمد صابر عفرلہٗ)

اگر سوئی چبھنے کا تحمل نہیں تو اخلاق تو یوں ہی درست ہوتے ہیں۔ حضرت پیروں سے یوں ہی اخلاق درست کئے ہیں۔ اور اب تو یہ حالت ہے کہ چاہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہ کرنا پڑے اور سب کچھ ہو جائے چنانچہ کہتے ہیں حضرت ایسی عنایت فرمائیے کہ گناہوں سے نفرت ہو جائے تو گویا اُنکے نزدیک پیر پانچواں کمیت ہے کہ اُنکے گناہوں کو صاف کیا کریگا۔ گویا مہتر ہے اور اسکے تو یہ معنے ہیں کہ اے پیر ہمنے تو اسواسطے تمہیں پیر بنایا ہے کہ ہمارا گوہ اُٹھا کر پھینکدیا کرو۔ بس چھ ماہی کیا ہو گی بڑی بڑائی ایک روپیہ ورنہ پیر تو خود کھلایا کرتے ہیں۔ تو کمین تو ہوا پانچواں اور بھنگی سے بدتر کہ اُسے چھ ماہی کچھ مل تو جاتا ہے اور اس غریب کو اور اپنے پاس سے دینا پڑتا ہے۔

مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ کسی کے پاس ایک شخص آئے اور کہا کہ ہمیں اپنا چیلہ بنالو اُنہوں نے کہا بھئی چیلہ بننا بہت مشکل ہے۔ تو کہنے لگے اچھا پھر گرو ہی بنا لو۔ اسی طرح آجکل جو لوگ مرید ہونے

آتے ہیں وہ بھی حقیقت میں گرو بننے آتے ہیں چنانچہ ایک شخص بیعت کے ارادے سے میرے پاس آئے تھے جب یہاں آئے تو وہ عیب مجھ میں نکالے ایک کپڑا قیمتی پہنتے ہیں دوسرے لطائف کی تعلیم نہیں۔ میں نے کہا اُٹ تو آپ بھی نہیں پہنتے اور میں نے کب دعویٰ کیا کہ میں لطائف کی تعلیم دیتا ہوں جب کوئی دعویٰ کرے تو آپ کہیں۔ انھیں اسکی یہ سزا ملی کہ وہ ایسی جگہ پہنچے جہاں یہاں سے بھی زیادہ قیمتی کپڑے پہنے جاتے ہیں بھلا ایسے لوگوں کی کیا اصلاح ہو جو خود پیر کی اصلاح کے خیال سے آئیں ہمارے یہاں ایک بیوی مہمان آئیں۔ ہمارے یہاں ایک اور عزیز بھی مہمان آئی ہوئی تھیں اُنکی بچی کے پاس گڑیا تھی۔ دیکھ کر کہا کہ یہ کیسے بزرگ ہیں جن کے یہاں کی لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں اور یہ منع نہیں کرتے مجھے اسکی اطلاع ہوئی میں نے اُس سے کہا کہ اوّل تو وہ لڑکی ہمارے یہاں رہتی نہیں دوسرے ہمیں اس کی اطلاع نہیں تھی کہ ہم منع کرتے۔ باقی تمہارے مذاق کی موافق جواب یہ ہے کہ تم اپنی اصلاح کیواسطے آئی ہو یا ہماری اصلاح کیواسطے۔ یہ تو ضد م صدا ہوئی کہ ہم کوئی خرابی نکال کر تمہاری اصلاح کریں تم ہمارا عیب ڈھونڈ کر اس کی اصلاح کرو۔ یہ تو کچھ ٹھیک نہیں۔ یوں کرو کہ ہم پر عیب ہیں پہلے تم ہمارے عیبوں کی اصلاح کرو۔ تم جس طرح بتاؤ گی ہم تمہارے کہنے کیموافق کرینگے۔ جب تمہارے نزدیک ہماری اصلاح ہو جائیگی پھر ہم تمہاری اصلاح اسی طرح کرینگے۔ بیچاری بہت شرمندہ ہوئیں اور بہت معذرت کی۔ بھلا یہ کوئی طریقہ ہے کہ جاؤ اپنی اصلاح کو اور بیٹھ جاؤ پیر کی اصلاح کرنے اگر پیر پسند ہو تو اُس کے پاس ٹھیرو اگر پسند نہ آئے تو کسی دوسرے کو تلاش کرلو۔ اگر کوئی مریض طبیب سے یوں کہنے لگے کہ آپنے گل قند چار ماشہ کیوں لکھا تو اسکے جواب میں وہ یہی کہیگا کہ آپ اپنا علاج کرانے آئے ہیں یا مجھے سبق پڑھانے آئے ہیں واقعی ان باتوں سے کدورت ہوتی ہے پھر نفع نہیں ہوتا۔ یہ گویا اس وقت میں مریدوں کا برتاؤ ہے اسلئے شیخ کے کہنے کا تحمل نہیں کرتے ہاں جو سعید ہیں وہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند	جوانان سعادتمند پند پیر دانا را

(ترجمہ نصیحت مانو اسلئے سعادتمند جوان پیر دانا کی نصیحت کو جان سے زیادہ محبوب سمجھتے ہیں ۱۲ محمد عمار غفرلہ)

بہر حال اول اول تو مشقت ہی ہوگی اس کے بعد جو باتیں مشقت اور تکلیف سے کرنا پڑتی تھیں طبعی بن جائیں گی۔ غرض اعتدال ہر امر میں مطلوب ہے پس نماز میں بھی اعتدال استغراق سے زیادہ ضروری ہے پس یہ نہ سمجھو کہ اگر استغراق نہ ہو تو ایسی نماز بیکار ہے واعظوں نے اس شعر کے معنی کہ ؎

برزبان تسبیح و در دل گاؤ خر | این چنین تسبیح کے دارد اثر

(ترجمہ۔ زبان پر تسبیح دل میں گاؤ خر یعنی دنیاوی خیالات ایسی تسبیح کب اثر رکھے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)
یہ گر نہ ہے کہ ایسی نماز مفید نہیں۔ خوب سمجھ لو کہ حسن و زمعانی کی خریداری ہوگی یہ صورتیں ہی معانی کے بھاؤ بکیں گی۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ امراء کے دربار میں مٹی کے مصنوعی آم مصنوعی خربوزہ پستہ بادام بڑی قدر و وقعت کے ساتھ خرید سے جاتے ہیں کہ بڑا کامل ہے کہ نقل کو اصل سے ملا دیا۔ کیا عجیب ہے کہ تمہارے ساتھ وہاں ایسا ہی ہو۔ اے صاحب دیکھ لینا کہ ایسا ہی ہوگا۔ خود فرماتے ہیں انّ اللہ اشتری من المومنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ (ترجمہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے اُنکی جانوں اور اُن کے مالوں کو اس بات کے عوض خرید لیا ہے کہ ان کو جنت ملیگی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)
اسی وقت اسمیں ایک لطیفہ ذہن میں آیا فرماتے ہیں انفسہم واموالہم۔ یہ نہیں فرمایا اعمالہم واموالہم اشارہ اس طرف ہی کہ اعمال تو نہیں نفس و مال تو ہے۔ زکوٰۃ دی مال خرچ ہوا۔ نماز بھی پڑھی نفس پر تعب ہوا بس وہی خرید لیا گو وہ نفس و مال عبادت معتد بہا نہ سہی۔ مگر بشرطیکہ تم انہیں اعمال میں مصروف کرو پھر جا ہے وہ عمل کامل ہو کیا ٹھکانا ہے اس رحمت کا کہ گھوڑا مر گیا جھول کے دو دام دیے جو گھوڑے کے تھے انفسہم میں یہ لطیفہ اسی وقت سمجھ میں آیا۔ بہرحال یہ جا ہی اسکی تفسیر نہ ہو مگر میری تقریر اس تفسیر پر موقوف بھی نہیں دوسری نصوص میں بھی یہ مضمون موجود ہے یبدل اللہ سیئاتہم حسنات کہ سیئات کو حسنات سے بدل دینگے۔ ہمارے حضرت فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے حسنات ہی سیئات ہیں کیوں جی کبھی سُنا ہے کہ کسی نے تنکے اور لکڑی کے وہ دام دیے ہوں جو مصری کے ہوں۔ مصری کے ساتھ میں تو مجبوراً لینا ہی پڑتا ہی مگر صرف تنکوں کے ساتھ بھی کبھی ایسا ہوا ہی ہے

خود کہ یابد این چنیں بازار را | کہ بیک گل مے خری گلزار را

(ترجمہ ایسا بازار کہاں ہوگا کہ ایک پھول کے بدلے سارا چمن مل جائے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

نیم جاں بستاند و صد جان دہد | آنچہ در وہمت نہ آید آں دہد

(ترجمہ۔ فانی وحقیر جان لیتے ہیں اور اسکے بدلے باقی جان عطا کرتے ہیں جو وہم و گمان میں بھی نہیں آتا عنایت کرتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) دنیا کے درمیان میں خدمت پوری لی جاتی ہے اور معاوضہ خیال سے کم ملتا ہی یعنی اپنے خیال میں وہ جتنے کا مستحق سمجھتا ہے اُتنا نہیں ملتا۔ اگر بادشاہ بھی کسی کو کتنا ہی دیدے تب بھی

یہ ہوس ہوتی ہے کہ ابھی اور ملتا۔ وہاں یہ ہے کہ خدمت ناقص مگر معاوضہ اس قدر کہ ما رات عین ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی بشر کے قلب پر خطرہ گذرا۔ وہ ایسا خریدار ہے کہ اگر صورت درست ہوگی وہی خرید لی جائے گی۔ چنانچہ قیامت میں دیکھ لینا حدیث شریف میں جو رکوع و سجود کی فضیلت آئی ہے وہ مطلق ہے اس میں یہ نہیں ہے کہ قلب میں گاؤ خر کے خیالات نہ ہوں ہاں اعتدال ضروری ہے۔ چنانچہ جس نے اعتدال نہیں کیا تھا اُسے آپ نے فرمایا تھا صل فانك لم تصل نماز پھر سے پڑھو۔ اور اُس میں یہ نہیں پوچھا تھا کہ روح بھی تھی یا نہیں اور یہ رحمت ہی جو بواسطہ آپ کے مرحمت ہوئی کہ مبتدیوں کو اعتدال کا تو امر کیا مگر روح ڈالنے کا امر نہیں کیا۔ ابتدا میں عیسیٰ علیہ السلام یہ کیا کرتے تھے کہ تصویر بنا لیتے تھے پھر اس میں روح پھونکتے تھے۔ اسی طرح ابھی تم تصویر بناؤ۔ روح بعد میں پھونک دی جائیگی۔ مگر تصویر تو پوری بناؤ یہ نہیں کہ تصویر ادھوری ڈھالی تو اگر اس میں روح ڈالی بھی گئی تو لنڈوری کس کام کی ہوگی۔ تو یہی بات ہے کہ تم رکوع و سجود اچھی طرح کرلو۔ اگر روح نہ ڈال سکو تو کچھ ہرج نہیں۔ اسی طرح سالک کو چاہیئے کہ اگر ذکر ہو اور فکر نہ ہو تو فکر نہ کرے ذکر اچھی طرح کرتا رہے۔ انشاء اللہ سب کچھ ہو جائے گا یہ نہ کرے کہ بجائے اسکے کہ آگے بڑھنے کی کوشش کرتا۔ دلگیر ہو کر اسے بھی چھوڑ دے جیسا نور جہاں کے بچپن کی حکایت ہے اور وہی سبب ہوا جہانگیر کے نور جہاں پر فریفتہ ہونیکا کہ یہ میلہ میں گیا تھا کبوتروں کا بڑا شوق تھا ہاتھ میں دو کبوتر لئے تھا۔ نور جہاں لڑکی سی سامنے آرہی تھی اُسے دیکھ کر وہ کبوتر اُسے دیدیئے کہ ذرا تھامے رہ میں ابھی آکر لیلوں گا جب فارغ ہوکر آیا تو دیکھا کہ ایک کبوتر اُڑ چکا تھا۔ تعجب سے پوچھا کیسے اُڑ گیا۔ اُس نے دوسرا کبوتر چھوڑ کے دکھا دیا کہ ایسے اُڑ گیا۔ اس کے اس بھولے پن پر فریفتہ ہو گیا۔

شاہد آں نیست کہ موئے و میانے دارد
بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

(ترجمہ۔ معشوق وہ نہیں کہ اچھے بال و پتلی کمر رکھتا ہو حسین وہ ہے کہ اُس میں کچھ آن ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

تو یہ مثال اس پر یاد آئی کہ بجائے اسکے کہ اس کی کوشش کرتے کہ نماز میں روح بھی پیدا کریں صورت کو بھی چھوڑ بیٹھے جس طرح اس نے کیا کہ بجائے اس کے کہ پرندہ کو ڈھونڈتی

پردہ دریدہ کو بھی پردیدہ کردیا۔ تم بھی بزرگوں کے کلام کے اچھے معنی سمجھے کہ اگر گاؤ خر کے خیالات ہوں تو نماز نہ پڑھو۔ معنی یہ ہیں کہ ایسی نماز میں کوشش کرو کہ یہ خیالات نہ آئیں نہ یہ کہ لسے بھی چھوڑ دو اگر یہ معنی سمجھے تو وہ نام کی تو نور جہاں تھی تم تو بالکل ظلمت جہاں ہو۔ بلکہ وہ بھی جہانگیر کے حق میں تو ظلمت جہاں تھی خود چاہے جیسی ہو۔ کیونکہ کل ما شغلک عن الحق فهو طاغوتك (ترجمہ جو چیز تجکو حق سے روگردان کردے وہی شیطان ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اسی کے عشق میں جہانگیر نے کیا کیا۔ اسکے شوہر کو لڑائی میں بھیجکر بہانہ سے قتل کرایا۔ غرض اسکے حق میں تو وہ بھی ظلمت جہاں ہوگئی تھی۔ حدیث میں آیا ہی کہ ایک شخص کبوتر کے پیچھے دوڑا جارہا تھا آپنے اُسے دیکھکر فرمایا۔ شیطان یتبع شیطانۃ کہ ایک شیطان شیطان کے پیچھے جارہا ہے۔ تو واقع میں وہ کبوتر شیطان نہ تھا مگر اسکا شیطان تھا پس تقدیر حدیث کی ہی یتبع شیطانۃ اس تفسیر کو بزرگوں طاغوتك میں مضاف الیہ کو ذکر کرکے ظاہر کردیا یعنی شیطان یتبع شیطانۃ معنی یہ ہیں کہ ایک شیطان اپنے شیطان کے پیچھے جارہا ہی تو نور جہاں اس اعتبار سے ظلمت جہان ہوئی اسی طرح تم بھی اگر اس کے یہ معنے سمجھو گے تو ظلمت جہان ہوگے۔

الغرض روح کے سمجھنے میں دو غلطیاں ہوئیں ایک تو جہلائے صوفیہ کو کہ اُنہوں نے روح کو مقصود سمجھکر صورت کو بالکل اُڑادیا اور دوسرے اہل ظاہر کو کہ اُنہوں نے صورت کو اُڑایا تو نہیں مگر صورت کو بے وقعت وبیقدر سمجھنے لگے پس اسوقت روح سے میرا وہ مقصود نہیں کہ جو لابشرط شی کے مرتبہ میں ہے یعنی مطلق ذکر کو نماز سے جُدا پایا جاوے بلکہ میں وہ روح بیان کرنا چاہتا ہوں جو بشرط شے کے مرتبہ میں ہے یعنی بشرط تحققہ فی ضمن الصلوۃ (ترجمہ۔ اسکے نماز کے ضمن میں متحقق ہونیکی شرط پر ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کیونکہ لابشرط شے کا مرتبہ تو ماہیت کا ہی کیونکہ زید میں اگر روح آئے اور عمرو میں نہ آئے تو یہ تو صادق آیا کہ روح عمرو کی لابشرط شے کے درجہ میں پائی جاتی ہی مگر اس سے عمرو زندہ نہیں ہوسکتا اسی طرح اگر زید مرجائے تو یہ صادق آتا ہے کہ لابشرط شے کے مرتبہ میں روح زید کی مفارق ہوگئی مگر یہ لازم نہیں آتا کہ عمرو بھی مرجائے میں بشرط شی کے مرتبہ میں جو روح ہے اُسے بیان کرونگا مثلاً زید کی روح بشرط تحققہ فی زید (ترجمہ۔ اسکے زید میں متحقق ہونیکی شرط پر ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہ جب یہ آئیگی تو وہ زندہ ہوگا اور اگر نکلے گی تو وہ مریگا تو گویا یہ روح حقیقتاً اس خصوصیت کے مرتبے میں جو روح مقصود بالبیان ہے البتہ اس روح کے ہم

نوع اور افراد بھی ہیں یعنی دوسرے افراد ذکر کے اُنکی بھی قدر کرنا چاہئے - بہرحال دو غرض سے آج بیان کیا جاتا ہے ایک تو یہ کہ اس نماز خاص کی بھی قدر کریں اور افراد ذکر کی بھی قدر کریں کہ وہ بھی روح صلوۃ کے مشارک فی النوع ہیں -

الغرض آج بیان سے مقصود یہ ہی کہ نماز کی روح کیا ہے پس جس طرح لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (ترجمہ اس اُمید پر کہ تم متقی ہوجاؤ ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) سے روح صوم کیطرف اشارہ ہی اسی طرح اس آیت میں بہ نسبت اسکے روح نماز کی کسی قدر زیادہ صراحت ہی اور ہر چند کہ یہ آیت موسٰی علیہ السلام کے قصہ کی ہی مگر چونکہ عقاید و اخلاق میں ہم میں اور امم سابقہ میں کچھ فرق نہیں - فرق صرف اعمال ظاہرہ میں ہی - اس لئے یہ آیت ہم پر بھی حجۃ ہی اور اس حیثیت سے بھی حجت ہی کہ موسٰی علیہ السلام کا یہ قصہ بلا نکیر ہمکو سُنایا جارہا ہی میں اسوقت صرف اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ (ترجمہ میری ہی یاد کی نماز پڑھا کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں اور دوسرے اجزاء کو محض تبرکاً اور ادباً تلاوت کیا ہے کہ فقہا نے لکھا ہی کہ اگر کوئی ایک سورۃ کی بہت سی آیتیں پڑھے اور ایک آیت سجدہ کو چھوڑدے تو مکروہ ہی اسی طرح مجھے بھی اور اجزاء کا چھوڑنا خلاف ادب معلوم ہوا - ترجمہ اس جزو کا یہ ہے کہ نماز کو قائم رکھو میرے ذکر کے واسطے لِذِكْرِيْ میں لام غایت کا ہے یعنی نماز کی غایت و روح میری یاد ہی - یہاں روح سے مراد بخارات لطیفہ جو قلب میں پیدا ہوتے ہیں یا جوہر مجرد نہیں بلکہ نماز کی غایت وہی اس کی روح ہے - یعنی غایت نماز سے کیا ہے حق تعالیٰ کی یاد - جیسا کہ صوم کی غایت و روح مجاہدہ ہے جس کا بیان اس سے پہلے ہوچکا - حق تعالیٰ نے اس لام سے نماز کی روح بتلادی حاصل یہ ہوا کہ نماز کی روح کیا ہے جسے پیش نظر رکھنا چاہیئے وہ میری یاد ہی - اے صاحبو! نماز کو غور کرکے دیکھو کہ اس میں روح ہوتی ہے یا نہیں لیکن اگر روح نہ ہو تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ہاتھ پاؤں بھی کاٹ دو کیونکہ پھر روح کیوں کر آئے گی - اس لئے مادہ محفوظ رکھو کہ یہی مردہ تصویریں پھر زندہ ہو جائیں گی اسے اس طرح سمجھو کہ کوئی جانور ہے اسکی روح نکل چکی ہے - ایک حکیم آیا اُسکے پاس ایک ایسا عمل ہی کہ ایک جانور کی روح دوسرے جانور میں منتقل کردیتا ہی - مگر شرط ضرور یہ ہے کہ اُس جانور کی گردن جڑی ہوئی ہو - اگر تم نے اس جانور کی گردن کاٹ دی ہے تو وہ صاحب عمل اُس میں کس طرح روح منتقل کرسکتا ہی - تو جن کے پاس روح نہیں وہ اعضائی نماز کو

ضرور درست رکھیں۔ اور یہ شبہ نکرو کہ جو نماز ہم پہلے پڑھ چکے ہیں اُس کا کیا تدارک ہوا۔ یاد رکھو جب روح پڑیگی سب میں پڑجائیگی اسواسطے کہ ہم توجہ الی اللہ کا اثر دیکھتے ہیں کہ ماقبل میں بھی ہوتا ہی اُولٰئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ (ترجمہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گذشتہ گناہوں کی جگہ نیکیاں عنایت فرمائیگا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) پچھلے سیئات حسنات سے بدل جاتے ہیں حدیث شریف میں ہی الاسلام یھدم ما کان قبلہ (ترجمہ۔ اسلام اپنے قبل کی بداعمالیوں کو ساقط کر دیتا ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تو دیکھئے عمل حال کا پچھلے اعمال میں بھی اثر ہوتا ہی۔ جب تمہارے حال کے اعمال میں روح پڑے گی تو پچھلے اعمال میں بھی پھیلیگی۔ اسمیں راز یہ ہی کہ وہ اعمال باعتبار اپنے اثر کے قائم ہیں۔ عامل ہیں اور عامل اُن کا محل ہی اور محل زمانہ حال میں موجود ہی تو حال بھی زمانہ حال میں موجود ہی۔ وہ ماضی کہاں ہی جس پر شبہ ہوا اور گو اعمال رخصت ہو چکے اُن کا اثر ہم میں باقی ہے اور حقیقت میں عمل تو یہ اثر ہی ہے کیونکہ اُسکے معنی مصدری تو محض اعتباری انتزاعی شے ہی پس حاصل مصدر ہی فعل ہے جو کہ اثر ہی اور یہ اثر باقی رہتا ہی۔ یہی وجہ ہے کہ اہل کشف کو صورتیں اعمال کی نظر آجاتی ہیں حضرت عثمانؓ کی مجلس میں ایک شخص کسی نامحرم عورت کو دیکھ کر آیا تھا آپ نے فرمایا کہ کیا حال ہی لوگوں کا کہ ہماری مجلس میں آتے ہیں اور اُن کی آنکھوں سے زنا ٹپکتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی طاعت کرتا ہی تو اُس کا ایک اثر اس میں پیدا ہوتا ہے جس کا اہل کشف کو علم ہوتا ہی۔ فرشتوں کو تو اعمال ناصیہ کا نامۂ اعمال دیکھنے سے علم ہوتا ہے اور اہل کشف کیلئے یہ شخص اپنا آپ نامۂ اعمال ہی۔ اسی کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ؎

غذائك فيك وما تبصر | دوائك منك وما تشعر

(ترجمہ تمہاری غذا خود تمہارے اندر ہی اور تم دیکھتے نہیں تمہاری دوا تم ہی سے ہے اور تم نہیں شعور کرتے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

وانت الكتاب المبين الذی | باحرفه يظهر المضمر

(ترجمہ۔ تم وہ کتاب ہو کہ اس کے حروف سے پوشیدگیوں کا ظہور ہوتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

وتزعم انك جرم صغير | وفيك انطوى العالم الاكبر

(ترجمہ۔ تم اپنے آپکو جرم صغیر سمجھتے ہو حالانکہ تمہارے اندر ایک عالم اکبر لپٹا ہوا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

تو گویا تم خود کتاب مبین ہو۔ قرآن مجید میں ہی ووجدوا ما عملوا حاضرا (ترجمہ جو اعمال انہوں نے کئے ہیں اُن میں موجود پالیں گے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) حضرت مولٰنا محمد یعقوب صاحب نے اسکی بھی تفسیر

فرمائی تھی یہ مشہور تفسیر تو اُسکی مکتوب فی الصحیف (ترجمہ۔ نامۂ اعمال میں لکھا ہوا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) سے کی ہے۔ مگر مولانا فرماتے تھے کہ خود اعمال حاضر ہونگے جیسے ظاہر الفاظ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا سے معلوم ہوتا ہے یعنی قیامت کے روز سارے اعمال کو حاضر پائیں گے اسپر اشکال یہ ہے کہ جو اعمال ختم ہو چکے وہ کیسے عود کرینگے محقق دوانی نے اسے اس طرح رفع کیا ہے کہ انہوں نے اپنے رسالہ زوراء میں یہ ثابت کیا ہے کہ حقائق اعمال کے جوہر ہیں۔ یہ رسالہ حضرت نے میرے پاس بھیجا تھا۔ شاید بھیجنے سے یہ مقصود ہو کہ انکی تحقیق حضرت کو پسند آئی ہو واللہ اعلم میں اسکو یقیناً کہہ نہیں سکتا کیونکہ کچھ فرمایا نہیں میں نے اس رسالہ کو دیکھا میری سمجھ میں یہ بات تو نہیں آئی کہ حقائق اعمال جوہر ہیں۔ ہاں اتنا سمجھ میں آتا ہے کہ معنی مصدری قیامت میں نہ ہونگے بلکہ حسب تصریح مولانا محمد یعقوب صاحب ان اعمال کے اثر قیامت کے روز شکلیں بنکر اہل محشر کو نظر آئیں گے مثلاً جو چوری کرچکا ہے ہاں نظر آئیگا کہ چوری کر رہا ہے۔ زنا کرچکا وہاں نظر آئیگا کہ زنا کر رہا ہے غرض جو آثار اعمال کے اسکے بدن میں جمع ہیں سب وہاں اعمال بنکر نظر آئیں گے۔ اسکی مثال یہاں بھی خدا نے پیدا کردی ہے یعنی جس طرح بائیسکوپ کے اندر گذشتہ واقعات کی صورتیں نظر آتی ہیں۔ اسی طرح قیامت کے دن یہ بھی بائیسکوپ ہوجائیگا اور اسکے ہاتھ پیر گراموفون کی طرح جو کچھ اس نے کیا ہے بولیں گے ایک زانی کی حکایت ہے کہ وہ زنا کرکے غسل کر رہا تھا غسل کا پانی نالی سے بہ رہا تھا ایک بزرگ کا اُدھر سے گذر ہوا اُس پانی کو دیکھ فرمایا اس میں زنا بہ رہا ہے۔ پوچھا حضرت آپ کو کیونکر معلوم ہوا فرمایا کوئی زانی غسل کر رہا ہے مجھے پانی کے ہر ہر قطرہ میں زنا کی تصویر نظر آتی ہے تو حضرت تمام اعمال کے آثار اس میں پیدا ہو جاتے ہیں تو جو صور صلوتیہ پہلی ہیں وہ سب اس شخص کے اندر موجود ہیں تو یہ صلوٰۃ جس میں نفخ ہوا روح کا اسی سے سب میں روح پھیل جائیگی۔ دیکھو جسوقت ایک آئینہ پر روشنی کا عکس پڑتا ہے تو وہ اپنے پاس کے آئینوں کو بھی روشن کر دیتا ہے بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو جو صورت ایک آئینہ کے اندر آتی ہے سب میں پہنچ جاتی ہے اسی طرح اگر پہلی نمازوں میں قابلیت ہے تو بھی ایک روح انمیں بھی پہنچ جائیگی کما قیل ؎ آفتابے در ہزاراں آبگینہ تافتہ (ترجمہ ایک سورج ہزاروں شیشوں میں چمکتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اس واسطے میں کہتا ہوں کہ صورت کی حفاظت کی بہت ضرورت ہے۔ مگر صرف صورت ہی پر قناعت نہ کرو۔ اس کی بھی کوشش کرو کہ روح کو اس سے متعلق کردو اور وہ روح کیا ہے

۸۰

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ (ترجمہ میری یاد کیواسطے نماز کو قائم رکھو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) حق تعالیٰ کا ذکر ہی اب اپنی اپنی نماز کو دیکھنا چاہیے کہ ہے بھی ذکر۔ سو پہلے ذکر کی حقیقت سمجھ لیجئے میں اسکے مراتب بیان کرتا ہوں اسکے دو مرتبے ہیں ایک ذکر حق اور ایک ذکر ذکر حق۔ ذکر حق کے معنی ہیں یاد حق۔ یاد کسے کہتے ہیں غیر محقق صوفیوں نے اسکے معنی بہت دشوار کر دیئے ہیں حالانکہ بالکل سہل ہے۔ جیسے بعض مدرسین کی عادت ہوتی ہے کہ سہل مقام کو بھی طالب علم کے سامنے دشوار کہدیتے ہیں معلوم نہیں اس میں کیا مصلحت ہے شاید یہ خیال ہو کہ دشوار کہدینے سے طالبعلم کو توجہ زیادہ ہوگی مگر یہ مقصود تو اس طرح بھی حاصل ہوسکتا ہے کہ یوں کہدیا کرے غور سے سنو معلوم ہوتا ہے کہ نیت ہی خراب ہے۔ یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہم ایسے فاضل ہیں کہ ایسے مشکل مقامات کو اس طرح بے تکلف پڑھا دیتے ہیں ایسے ہی بعض مدعین تصوف میں بھی خبط ہوتا ہے۔

کانپور میں میری مدرسی کے زمانہ میں ایک طالب علم مولوی فضل حق تھے مجھ سے صدرا پڑھتے تھے صدرا میں مثناۃ بالتکریر کا مسئلہ نہایت دشوار مشہور ہے جب یہ سبق آیا تو میں نے یہ بتلانے سے پہلے کہ یہ فلاں دشوار مقام مشہور ہے اُسکی تقریر کردی اور اپنے اطمینان کیلئے اُن سے بھی کہلوایا۔ جب معلوم ہوگیا کہ یہ سمجھ گئے تو میں نے کہا یہی مسئلہ مثناۃ بالتکریر کا ہے جو بہت دقیق مشہور ہے وہ یہ سنتے ہی گھبرا گئے میں نے کہا ڈرو نہیں بس اب تو نکل گیا۔ دیکھو کس قدر سہل مقام کو دشوار مشہور کر رکھا ہے ؎

بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا	جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

پھر جب سالانہ امتحان ہوا تو ممتحن بھی بڑے ہی رحمدل تھے یہی مسئلہ پوچھا اُنہوں نے اسکو ایسا عمدہ لکھا کہ میں نے ابتک اس مسئلہ پر ایسی صاف تقریر کسی کی نہیں دیکھی واقعی وہ چھپوانے کے قابل تھی۔ اب معلوم نہیں وہ جامع العلوم میں ہے یا تلف ہوگئی میں نے کہہ تو دیا تھا کہ اس پرچہ کو محفوظ رکھا جاوے سو بعض مدعیان تصوف کی یہ کیفیت ہے کہ وہ مسائل ضروریہ معاملیہ تصوف کو ایسا چکر دے کر بیان کرتے ہیں کہ سننے والوں کو مشکل ہو۔ چنانچہ ذکر کے معنے اس عنوان سے بیان کئے کہ ذکر وہ ہے کہ نہ ذکر ذکر ہو نہ ذکر ذاکر ہو۔ اب سب چکر میں ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہوا۔ اسکے بعد یہ خیال ہو جاتا ہے کہ جب اس کا سمجھنا مشکل ہے تو کرنا بدرجہ اولیٰ مشکل ہے کیونکہ کرنا بغیر سمجھے نہیں ہوسکتا۔

الحمد للہ میں بتاتا ہوں کہ ذکر کے معنی بہت آسان ہیں۔ ذکر کے وہ معنی ہیں کہ جو ہر ایک گنوار

۸۱

سمجھ سکتا ہے سنو! ذکر کے معنی ہیں یاد۔ یاد کیونکر ہوتی ہے۔ جس وقت بیٹے کو یاد کرتے ہو تو کیا یہ خیال دلمیں ہوتا ہے کہ میں یاد کر رہا ہوں۔ یا صرف بیٹے کا خیال ہوتا ہی۔ کسی محبوب کو یاد کرتے ہو تو اس وقت ذہن میں اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ میں اُس کے حسن و جمال کو یاد کر رہا ہوں کیونکہ اگر یہ خیال ہو تو اس جملہ کی یاد ہوگی محبوب کی یاد نہوگی تو حاصل ذکر کا یہ ہوا کہ یاد کرنے والا اُس وقت سوائے اُس کے جسے یاد کر رہا ہے کسی اور چیز کا خیال بالکل نہ کرے حتیٰ کہ اس کا بھی کہ میں اُسکو یاد کرتا ہوں۔

تو یہ حقیقت ہے ذکر کی۔ تو خدا کی یاد بھی ایسی ہی ہے کہ سوائے خدا کے کسی اور کا دل میں خیال نہ ہو حتیٰ کہ اُس کا بھی کہ میں اسوقت خدا کو یاد کر رہا ہوں۔

یہ اول درجہ ہے ذکر کا اس کا حاصل یہ ہے کہ قلب میں مذکور کا خیال ہو ذکر کا خیال نہو۔ دوسرا مرتبہ ذکر کا یہ ہے۔ کہ مذکور کی یاد نہ سہی تو ذکر ہی کی یاد سہی یعنی یہی سہی کہ میں اس وقت یاد کر رہا ہوں یہ ذکر کی یاد ہے مذکور کی بلا واسطہ یاد نہیں۔ مگر یہ بھی کافی ہے۔ حالانکہ یہ حق ذکر سے متنزل ہے چاہیئے تو یہ تھا کہ کافی نہوتا کیونکہ یہ اُن کی یاد نہیں۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ ہم یاد کی بھی یاد نہیں کرتے اور مذکور کی تو یاد کیا کریں گے۔ نماز پڑھتے ہیں تو اُس وقت یہ بھی خیال نہیں ہوتا کہ ہم نماز پڑھ رہے ہیں۔ بلکہ دنیا بھر کے بیہودہ خیالات جمع ہو جاتے ہیں۔ نماز پڑھنے میں کہیں بیوی کا خیال ہے کہیں بچوں کا خیال ہے۔ مولویوں کو درس کا خیال ہے ؎

چہ خورد بامداد فرزندم	شب چو عقد نماز بر بندم

(ترجمہ رات کو جب نماز کی نیت کرتا ہوں تو بجائے تکبیر تحریمہ کے یہ کہتا ہوں کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائینگے ۱۲ محمد صابر)

ایک زبان دان اس کی عجیب تفسیر کرتے تھے کہ شب چو عقد نماز بر بندم از غایت ہجوم مشاغل دنیا بجائے تحریمہ میگویم چہ خورد بامداد فرزندم (ترجمہ رات کو جب میں نماز کی نیت کرتا ہوں تو دنیا کے مشاغل کی کثرت سے تکبیر تحریمہ کی بجائے یہ کہتا ہوں کہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

یعنی اوروں کی تکبیر تحریمہ تو اللہ اکبر ہے مگر اُن کی تکبیر تحریمہ چہ خورد بامداد فرزندم (ترجمہ صبح کو میرے بال بچے کیا کھائیں گے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) ہے

امام غزالی کے ایک بھائی صاحب کشف تھے وہ اُنکے پیچھے نماز نہیں پڑھتے تھے امام غزالی نے

۸۲

اپنی والدہ سے اسکی شکایت کی۔ والدہ نے اُنھیں ساتھ پڑھنے کی تاکید کی خیر اُنھوں نے امام غزالی کی اقتدا کی۔ اتفاقاً نماز میں اُنھیں یہ خیال آیا کہ کتاب الحیض کا ایک مسئلہ لکھنے سے رہگیا بس جھٹ سے نیت توڑ یہ الگ ہوگئے۔ امام غزالی نے پھر اس واقعہ کی اپنی والدہ سے شکایت کی۔ والدہ نے اُن سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اُنھوں نے کہا کہ میں ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا جس کا قلب خون حیض میں آلودہ ہو اُنھوں نے کہا تم نے خدا کی طرف سے توجہ چھوڑ کر ان کے قلب کی طرف توجہ کیوں کی۔ اگر ان کا قلب خون حیض سے آلودہ ہے تو تمہارا قلب بھی تو اُس قلب خون آلود سے آلودہ ہی تم کیا مُنہ لیکر اعتراض کرتے ہو۔ خیر یہ حکایت اسپر یاد آگئی کہ ایک وہ قلوب تھے کہ فقہ کے خیال کو بھی ذکر حقیقی کے سامنے پسند نہیں کیا۔ ایک ہمارے قلوب ہیں کہ نماز کا بھی خیال نہیں اور وہ صاحبِ حال تھے ورنہ نماز میں دین کا خیال آنا یہ نماز کے منافی نہیں۔ ہماری نماز میں تو کہیں دوکانکا خیال ہی کہیں مکانکا خیال ہی سو ذکر کا ہی ذکر نہیں باقی اول درجہ تو یہی تھا کہ ذکر ہی ذکر نہو فقط مذکور ہی کا ذکر ہو۔

تو درو گم شو وصال این ست و بس	گم شدن گم کن کمال این ست و بس

(ترجمہ تم محبوب میں فنا ہو جاؤ بس یہی وصال ہی اور اس فنا ہونیکو بھی بھول جاؤ بس یہی کمال ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

یہ فناء الفناء ہی کہ فناء کی بھی خبر نہو۔ اسی طرح بھول یہی ہی کہ بھول کو بھی بھول ہو جاوے سونے والا وہ ہے جسے سونے کی بھی خبر نہو۔ فانی وہ ہی جسے فنا کی بھی خبر نہو۔ اسی طرح ذاکر وہ ہے جسے ذکر کی بھی خبر نہو اور اس تقریر سے اب تو فناء الفناء بھی مشکل بات نہ نکلی۔ غرض ذکر حق یہ ہی کہ ذکر کا بھی ذکر نہو۔ واقعی اگر اس کی شرح کی جاوے یہ معلوم ہوتا ہی کہ بڑی دقیق بات ہی جو ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ بہر حال ذکر حقیقی تو وہ تھا کہ ذکر کا ذکر نہو مگر یہاں دوسرے دلائل سے ذکر ذکر ہی پر اکتفا کیا گیا ہی کہ تم ذکر ذکر ہی رکھو۔ ہم اپنی رحمت سے اسے بھی لذکری میں داخل کر دینگے اگر کوئی یہ کہے کہ اسکی کیا دلیل کہ صرف ذکر ذکر پر اکتفا کرنے کی اجازت دیدی۔ اسکی دلیل حدیث ہی من توضأ ثم صلی رکعتین مقبلاً علیهما بقلبه لم يُحَدِّثْ فيهما النفس۔ (ترجمہ جس شخص نے وضو کیا پھر دو رکعت نماز حضور قلب سے ادا کیں کہ ان میں وسوسہ نہ آیا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) تحیۃ الوضوء کی فضیلت میں حضور ارشاد فرماتے ہیں کہ اچھی طرح سے وضو کر کے دو رکعت پڑھے اور ان پر متوجہ رہے۔ اب غور کرو کہ انپر متوجہ رہنے کے کیا معنی۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ نماز ہی کی طرف توجہ رکھو یہی ذکر الذکر ہوا پس بادشاہ کی شان میں اگر قصیدہ کہو تو اگر ممدوح کا خیال

نہ ہو تو مدح کا تو خیال ہو۔ اسی طرح یہاں اگر ذکر ہی کی طرف توجہ ہو ہم اسے اپنی رحمت سے
اپنی ہی توجہ میں شمار کرینگے۔ اس کا راز فقہا نے سمجھا ہے کہ ایک قاعدہ لکھا ہے واقعی
فقہا بڑے عارف تھے۔ اور اسی کی بدولت یہ لوگ حدیث میں اجتہاد کر سکتے تھے آجکل
ہر شخص مجتہد و محدث ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ ایک تارک تقلید گنوار تھا اُس سے کسی نے
پوچھا فاتحہ خلف الامام کی کیا دلیل ہے اُس نے کہا کہ ترمجی (ترمذی) میں آیا نہیں ہی کہلاجُ
کِہلَاجُ حدیث میں آیا ہے خلاجُ خدا (خداج) یہ اُس کی خرابی ہے۔ یہ محدث ہیں صاحب
محدث نہیں یہ لوگ محدث ہیں چند حدیثوں کے غلط سلط بے سمجھے یاد کر لینے سے کوئی محدث نہیں
ہو سکتا ؎ نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند (ترجمہ۔ یہ بات نہیں کہ جس کے پاس
آئینہ ہو وہ سکندری بھی جانتا ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

بعضے لوگ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو غیر مقلد کہتے ہیں اُن کے صاحبزادے کی
حکایت سے اس کا اندازہ کر لیجئے اُس حکایت سے اول اُن کی مقلدیت کا درجہ دیکھ لیجئے پھر سمجھ
لیجئے کہ اگر یہ غیر مقلد ہوتے تو اُن کے صاحبزادے بھی اپنے باپ کی تربیت کی وجہ سے غیر مقلد ہی ہوتے
ان کا نام مولوی محمد عمر تھا۔ مجذوب منش تھے۔ پڑھا وڑھا کچھ زیادہ نہیں تھا۔ مگر ذکی غضب کے
تھے اور ساتھ ہی بھولے بھی تھے۔ تیز اور ذہین تو اس قدر تھے کہ ایک شخص نے کنز
شروع کرانے کی درخواست کی راضی ہو گئے اُنہوں نے شروع کی پہلے ہی دن دس ورق پڑھائے
اسکے بعد اُنہوں نے کہا بس کہنے لگے ابھی سے بس۔ بھولے اسقدر تھے کہ مولوی محبوب علی
صاحب جامع مسجد میں وعظ کہا کرتے تھے آواز ذرا پست تھی۔ اُنہوں نے بھی اُنکا وعظ
سُنا۔ وعظ سن کر بہت پسند کیا۔ مگر اُن کی آواز پر رحم آیا۔ گھر آکر خدا سے دعا کی کہ اے اللہ
اُنکی آواز کو بلند کر دے۔ اس کے بعد فوراً اُن سے پچھوا بھیجا کہ آپ کی آواز کچھ بلند ہوئی
یا ابھی نہیں۔ کس قدر ناز ہے کہ دعا کرتے ہی دریافت کرتے ہیں کہ آواز بڑھی بھی یا نہیں۔
سو یہ مولوی محمد عمر صاحب ایک مرتبہ دہلی کی جامع مسجد میں تشریف لائے چند آدمی حدیث
پڑھ رہے تھے۔ آپ بھی وہاں جا کر بیٹھے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ لوگ غیر مقلد ہیں فرمایا
ہمیں اُن کی غیر مقلدی سے کیا لینا ہے ہم تو حدیث رسول سننے آئے ہیں ان میں سے

ایک شخص نے حدیث پڑھتے پڑھتے کہا۔ امام صاحب نے حدیث کیخلاف کیا۔ بس یہ سُنتے ہی آگ لگ گئی کہنے لگے کہ تمہارا یہ منہ ہی کہ تم امام صاحب پر اعتراض کرو اور غصہ ہوکر اُٹھ گئے کہ چلو بھئی یہاں سب بد دین جمع ہیں۔ تو واقعی ان حضرات پر اعتراض کرنے کے لئے مُنہ چاہیئے۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث کا سبق پڑھا رہے تھے کسی حدیث میں امام شافعیؒ کے تمسک کا جواب دیا۔ تو ایک طالب علم غایت سرورسے کہنے لگے کہ حضرت اگر امام شافعیؒ بھی ہوتے تو وہ بھی مان جاتے مولانا کو یہ سُنتے ہی بہت تغیر ہوا فرمایا کہ میں کیا چیز ہوں اگر امام شافعیؒ ہوتے مجھ سے بولا بھی نہ جاتا اور میں تو اُن ہی کا مقلد ہوتا۔ حضرت اتنا ادب ہوتا ہی مجتہدین کا۔ تو اجتہاد سہل بات نہیں ہے حدیث یاد کرلینا اور بات ہی اجتہاد اور بات ہے یہ فقہا ہی کا حصہ ہی جس کے متعلق حدیث میں ہے من یرد اللہ بہ خیراً یفقہ فی الدین یعنی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو خیر منظور ہوتی ہے اُسے دین کی سمجھ دیدیتا ہے۔ اُن کو ایسی سمجھ دی گئی تھی کہ اُنہوں نے ایسے اُصول بنائے جو آج تک نہیں ٹوٹے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک قاعدہ بیان کیا جس سے بحث مقام کا راز نکلیگا اور وہ یہ ہے کہ بعض احکام میں سبب حکم کو علت حکم کی قائم مقام کر دیتے ہیں۔ مثلاً اُنہوں نے پہلے اسپر غور کیا کہ سفر میں قصر کی کیا علّت ہی معلوم ہوا کہ علت قصر کی مشقت ہی لیکن حقیقت مشقت کا معلوم کرنا بعض جگہ دشوار تھا اس لئے اُس کے سبب یعنی سفر کو قائم مقام علّت یعنی مشقت کا کر دیا۔ مگر یہ علت سمجھنا یا سبب کو علّت کی جگہ رکھنا یہ کام فقہا ہی کا تھا باقی ہمیں جائز نہیں نہ علت نکالنا نہ اُس میں اپنا تصرف کرنا ایک تو اسلئے کہ ہم میں وہ فہم نہیں دوسری بات یہ ہی کہ فقہا تو اس لئے علّت نکالتے تھے کہ حکم کا تعدیہ کریں ہمیں حکم کا تعدیہ تھوڑا ہی کرنا ہے اور اسوقت اجازت دینے میں ایک خرابی یہ ہے کہ الحاد کا دروازہ کھلتا ہے۔ آجکل یہ مرض بہت پھیل گیا ہی کہ ہر حکم کی علت اپنے جی سے تراشتے ہیں۔ چنانچہ ڈاڑھی رکھنے میں کیا حکمت ہی اور نماز پڑھنے میں کیا حکمت ہی روزہ رکھنے میں کیا حکمت ہی۔ اور اس کا نام اُنہوں نے فلاسفی رکھا ہی تو یہ فلاسفی گھڑنا جائز نہیں کیونکہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو حکمت ہمنے تراشی ہی وہ مدار حکم ہی تو جہاں یہ مدار حکم نہو گا حکم نہو گا ایک شخص نے وضو کی حکمت

سمجھائی اور تھوڑی دور تک خوب سمجھائی کہ کیسی رعایت کی ہے کہ وضو میں اطراف دھونا مقرر کئے ہیں جو چھ ہیں۔ اور جہات بھی چھ ہی ہیں۔ اور یہ سب جہات سے محیط ہیں اور چونکہ عرب میں اکثر یہی اعضاء کھلے رہتے تھے جن پر گرد و غبار اور پیشاب مواشی کی چھینٹیں پڑی رہتی ہیں اس لئے صرف اُن کے دھلوانے پر اکتفار کیا۔ اب آگے ٹھوکر کھائی کہ کہا کہ جب علت یہ ہے تو اب چونکہ ہم آئینہ دار بنگلوں میں رہتے ہیں یہاں گرد و غبار کہاں اس لئے ہمیں وضو کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ یہ کمبخت بے وضو ہی نماز پڑھتا رہا اور لیجئے روزہ کیوں فرض ہوا کسر قوت بہیمیہ کیلئے۔ چونکہ ہم نے تعلیم کی وجہ سے اپنے نفس کی تہذیب کر لی ہے۔ اسلئے اب ہمیں روزہ رکھنا تحصیل حاصل ہے نماز تواضع کیلئے فرض کی گئی ہے۔ کیونکہ واركعوا مع الراكعين فرمایا ہے اور ہم میں پہلے ہی سے تواضع ہے اس لئے نماز کی ضرورت نہیں سو فقہاء نے تو اس واسطے علتیں نکالی تھیں کہ ایک حکم بہت جگہ متعدی ہو سکے اور انہوں نے اس واسطے نکالیں کہ حکم کہیں بھی باقی نہ رہے۔ میں اسی سے حکمتیں بیان کرتے ڈرتا ہوں کہ لوگ انہیں مدار حکم سمجھ لیتے ہیں گو ہم طالبعلموں کو ایسی حکمتیں سب معلوم ہیں لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ مولوی حکمتیں نہیں جانتے۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں مگر مصلحت کی وجہ سے بیان نہیں کرتے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

(ترجمہ مصلحت نہیں ہے کہ راز آشکارا ہو جائے ورنہ رندوں کی مجلس میں کوئی ایسی خبر نہیں کہ نہ معلوم ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

کوئی ایسی بات نہیں کہ مولویوں کے پاس نہ ہو۔ بہرحال میں اسوقت بیان کرتا ہوں۔ چونکہ اہل علم کا مجمع کا ہے اس لئے مضر نہ ہوگا بلکہ اور بھی لگے گا اعمال ہیں۔ تو فقہا تعدیہ کیلئے بیان کرتے تھے میں تادیہ کیلئے بیان کرتا ہوں۔

۸۶

ہمیں اپنی حکمتوں کے متعلق یہ خیال رکھنا چاہئے کہ ہم انہیں حکم کا منشار نہ سمجھیں بلکہ حکم کو اُن کا منشا سمجھیں۔ کیا معنی کہ حکم متضمن ہے بہت سی حکمتوں کو منجملہ اُنکے یہ بھی ہے تو اتنا فرق ہے ہماری اور فقہار کی حکمتوں کی تخریج میں کہ اُنکی حکمت منشار ہے حکم کا اور ہماری حکمت کا منشا حکم ہے بہرحال فقہار کی تمیز تو دیکھئے کہ کتنی بڑی بات نکالی جس کا ذکر آتا ہے اور اتنی بڑی بات نکالکر پھر غلطی سی

محفوظ رہی۔ دوسرا ہوتا اور ایسی حکمت نکالتا اُس غلطی سے بچنا اُسکو ایسا ہی دشوار ہوتا جیسا کسی نے کہا ہے

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ ۔ باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

(ترجمہ۔ قعر دریا میں تختہ سے باندھ دیا ہے پھر کہتا ہے کہ ہشیار رہ کہ دامن نہ بھیگے ۱۲ محمد صابر)

یہ فقہا قعر دریا میں پھنسے اور خشک نکل گئے یعنی اُنہوں نے دیکھا کہ سفر اور قصر میں کیا تعلق ہے معلوم ہوا کہ چونکہ سفر میں مشقت ہے اسلئے قصر ہونا مصلحت ہے دیکھئے یہاں یہ دریا میں گرے مگر تر دامن نہیں ہوئے یعنی یہاں سخت غلطی کا موقع تھا وہ موقع یہ تھا کہ جب سفر میں مشقت نہو تو قصر بھی نہو۔ اگر آجکل کے سفہاء ہوتے تو واقعی ایسا ہی کرتے پھر اس سے جو کچھ تشویش و خلجان ہوتا ظاہر ہے مشقت ایسا امر خفی اور غامض تھا کہ اُس کی تشخیص ہی میں اکثر تردد رہتا۔ مگر وہ تو فقہاء ہیں۔ دریا میں ہیں۔ اور دامن بچاکر الگ ہو گئے کہ علت قصر مشقت ہے مگر اس کا قائم مقام اسکے سبب (یعنی سفر) کو سمجھ لیا۔ اب سفر شرعی ہے اگر مشقت نہ بھی ہو تو قصر کرنا پڑے گا۔ جیسا آج کل ریل کیوجہ سے کسی کو بھی مشقت نہیں ہے سبحان اللہ کیا فہم تھا۔ اگر یہ حضرات حضور کے وقت میں ہوتے تو مخصوصین و مقربین میں ہوتے۔ کیسا حضور کے راز کو سمجھا اور گمراہی سے بچ گئے۔ میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کرامت سے کلکتہ پہنچ جائے تو قصر ہوگا یا نہیں فرمایا ہوگا کیونکہ وہ مسافت قصر پہنچ گیا ہے۔ گو مشقت نہو۔ تو اسی فہم کی بدولت کہیں شرائع میں خلل نہیں ہونے پاتا اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کیونکر معلوم ہوا کہ جو کچھ ان حضرات نے سمجھا وہ حضور کے مقصود کے خلاف نہیں۔ اُس کی تحقیق نقلی یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے احکام کا مدار سیرۃ سفر ہی کو جا بجا فرمایا ہے اور تحقیق عقلی یہ ہے کہ فقہاء یہ سمجھے کہ اصل حکمت اس حکم کی تیسیر ہے پس اگر مدار حکم کا مشقت حقیقیہ ہوگی تو تعسیر (دشواری ۱۲) ہوجائیگی۔ کیونکہ یہ معلوم کرنا بڑا دشوار ہوگا کہ ہمیں مشقت اس درجہ کی ہوئی کہ قصر کریں یا نہیں ہوئی کہ نہ کریں پس مشقت حقیقیہ کی مدار سمجھنے میں اصل موضوع ہی فوت ہوجائیگا یعنی یسر (آسانی ۱۲) امام صاحب کے اکثر ایسے ہی دقائق ہوتے ہیں چنانچہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی نماز کے سامنے گذرے تو اُسی ہٹاؤ اگر نہ ہٹے فلیقاتلہ اُس سے قتال کرو۔ بعض اس کو ظاہر پر محمول کرتے ہیں حنفیہ اسے زجر پر علت پر غور کرو کہ کیا ہے علت اسکی حفاظت ہے جمعیت صلوۃ کی اور یہ ایک صفت ہے صلوۃ کی

اور ذات یقیناً قابل حفاظت ہوتی ہے صفت سے پس اگر یہاں صفت کی حفاظت کیلئے
جھگڑو گے تو نماز ہی ٹوٹ جائیگی۔ تو یہ عقل کے خلاف ہے کہ شارع صفت کا اس قدر اہتمام
کریں کہ ذات کی بھی پروا نہ رہے سبحان اللہ امام صاحب کی کیسی گہری نظر ہے اہل ظاہر
کی نظر اتنی عمیق گہری نہیں اسی وجہ سے امام صاحب پر اعتراضات کرتے ہیں۔ بہرحال فقہاء کے
اس قول پر تصوف کا وہ راز منطبق ہو گیا کہ اقامت صلوۃ کی علت ذکر اللہ ہے اور ذکر صلوۃ
سبب ہے ذکر اللہ کا لہٰذا یہ سبب قائم مقام اس علت کے ہوگا جس طرح فقہاء نے بیان کیا ہے
کہ مشقت علت ہے قصر کی اور سفر سبب ہے مشقت کا اس سبب کو قائم مقام کر دیا علت کا
اسی طرح ذکر اللہ علت ہے اقامت صلوۃ کی اور ذکر الصلوۃ سبب ہے ذکر اللہ کا تو ذکر الصلوۃ اس
طرح سے قائم مقام علت کا یعنی ذکر اللہ کا ہے اسی واسطے شارع علیہ السلام دونوں کو ایک
ہی درجہ میں سمجھتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں مقبلاً علیھما بقلبہ
اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے لذکری۔

ہائے جو لوگ حدیث کو نہیں مانتے وہ بڑی مصیبت میں ہیں ان کو چاہیئے کہ ذکر اللہ کی
حقیقت حاصل کریں کیونکہ قرآن میں تو وہی مامور بہ ہے توجہ الی الصلوۃ کو کافی نہ سمجھیں۔
کیونکہ یہ کفایت تو مدلول حدیث کا ہے۔ غرض کس قدر رحمت ہے کہ ذکر الصلوۃ بجائے ذکر اللہ
کے ہو گیا۔ اور ذکر الصلوۃ زیادہ دشوار نہیں ہے۔ پھر ہم جو اس میں بھی کوتاہی کرتے ہیں
اس عملی کوتاہی کا اصلی سبب ہماری علمی کوتاہی ہے یعنی اصل کوتاہی ہماری یہ ہے کہ ہم
ذکر الصلوۃ کے معنی نہیں سمجھے۔ اس لئے ہمیں دشوار معلوم ہوتا ہے۔ ہم اسکے معنی یہ سمجھے کہ
صرف نماز ہی کا دل میں خیال رہے اور کسی کا خطرہ دل میں نہ آوے۔ نہیں بلکہ یہ معنے ہیں کہ
صرف نماز ہی کا خیال دل میں رہے اور کسی شئے کا خطرہ دل میں خود نہ لاوے۔ آئے تو آنے
دو تم خود کوشش کر کے نہ لاؤ۔ کوشش کر کے تم فقط نماز کا خیال لاؤ۔ اسکے بعد خود بخود جو خیالات
آئیں انہیں آنے دو۔ تم اُن کے روکنے کے مکلف نہیں ہو اور نہ روک سکتے ہو اسے اس طرح
سمجھو کہ ایک شخص سے کوئی معشوق یوں کہے کہ فقط ہمیں کو دیکھنا اور کسی کو نہ دیکھنا۔ اُس نے اسکو
دیکھنا شروع کیا اتفاق سے محاذات شعاع میں ایک کبوتر اُڑتا ہوا آگیا اس لئے اس پر بھی

نظر پڑ گئی تو کیا معشوق یہ کہیگا کہ تم نے ہماری مخالفت کی ہرگز نہ کہیگا کیونکہ یہ شخص تو اس کے درپے نہ ہوا تھا وہ خود اسکے آگے آگیا۔ بقول مولانا محمود حسن صاحب مدظلہم کے ایک رسالہ میں مولانا نے غیر مقلدوں کا رد کیا ہے تو اس میں اُن کے اس الزام کا کہ مولانا تو غیر مقلدوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں عجیب لطیف رد کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ مولانا تو اُن کے پیچھے نہیں پڑے رہتے وہ خود ہی آگے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح خطرات دو قسم کے ہیں ایک وہ جو تمہارے آگے کھڑے ہوتے ہیں ایک وہ جنکے تم پیچھے پڑے رہتے ہو۔ اس میں اہلِ ظاہر کو سخت غلطی ہوتی ہے کہ وہ ان دونوں میں فرق نہیں کرتے اور اسی وجہ سے یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب ذکر و خشوع بہت مشکل ہے مشکل نہیں نہایت سہل ہے۔ میں اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ یہ مسئلہ تو معلوم ہے کہ نماز بغیر نیت کے نہیں ہوتی اور یہ بھی معلوم ہے کہ نیت زبان سے نہیں ہوتی بلکہ یہ قلب کا فعل ہے کہ اس کی طرف دل میں توجہ کرنا کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ بس یہی حقیقت ہے ذکر الصلوٰۃ کی جس طرح شروع میں نیت کیوقت اُسکی طرف توجہ ہوتی ہے۔ اگر تمام نماز میں ویسی ہی توجہ رہے تو ذکر الصلوٰۃ حاصل ہو گیا۔ اب تو معلوم ہو گیا ہو گا کہ ذکر الصلوٰۃ کسقدر سہل ہے

۸۹

ایک عبادت اس صلوٰۃ میں خصوص تراویح میں اور ویسے بھی رمضان میں قرآن ہے اسکی طرف توجہ کرنے کی حقیقت بھی بتلائے دیتا ہوں۔ دیکھو اگر کسی حافظ کو کوئی رکوع کچا یاد ہو تو اُسے کیونکر پڑھے گا۔ خوب دھیان سے پڑھیگا۔ یہی حاصل ہے توجہ الی القرآن کا۔ بس جس طرح ایک رکوع پڑھتے ہو بیسوں رکعت اسی طرح پڑھ لیا کرو۔ یہی معنی ہیں حضور قلب فی الصلوٰۃ (ترجمہ۔ نماز میں حضور قلب ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے اگر کوئی کہے کہ یہ تو تم نے گڑھ لئے نہیں شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے حضور قلب فی الصلوٰۃ و فی القرآن کی یہی حقیقت لکھی۔ اب بتلاؤ کیا مشکل ہے حضور قلب سے نماز پڑھنا۔ بس اتنا ہی تو کرنا پڑیگا۔ جو خیال نیت کے وقت دل میں تھا اُسے پوری نماز میں رکھو اور کیا مشکل ہے حضور قلب سے قرآن پڑھنا بس اتنا ہی تو ہے کہ جو کیفیت تمہارے کچے رکوع کے پڑھنے کیوقت ہوتی ہے اسے بیسوں رکوعوں میں رکھو اب بھی اگر کسی سے حضور قلب نہ ہو تو یہ اس کی کوتاہی ہے۔ بہرحال اس تقریر میں

اہلِ ظاہر کی اصلاح یہ ہے کہ وہ نماز و قرآن کو خیال سے پڑھیں اور اہلِ باطن کی اصلاح یہ ہے کہ خواہ مخواہ اس کے درپے ہوتے ہیں کہ خطرات نہ آئیں۔ حقیقت تو اسی قدر ہے۔ جو میں نے بیان کی۔ اپنی طرف سے حاشیہ نہ چڑھاؤ کیونکہ کب تک چلیگا۔ نفس چندروز مقید رہیگا۔ اسکے بعد پھر اگر شترِ بے مہار کی طرح اس قدر آزاد ہو جائیگا کہ پھر تمہارے قبضہ سے نکل جائیگا۔ اب جو تم یہ کروگے کہ خطرات نہ آویں تم اُنہیں روکوگے چار پانچ روز رُکے رہیں گے اس کے بعد پھر سب بھرمار ہو جائیں گے کیونکہ پہلے تو یہ تھا کہ آتے تھے اور نکل جاتے تھے۔ اب تم نے سب کو دل کے دروازہ پر جمع کرلیا ہے جب دروازہ کُھلے گا ایک دم سے بھرماریں گے پھر نکلتے نکلتے بھی کئی مہینے لگ جائیں گے یہ کوئی شاعری نہیں ہے تجربہ کی بات کہتا ہوں۔ چنانچہ تم بھی تجربہ کرکے دیکھ لو تو ڈاٹ نہ لگاؤ یونہی رہنے دو۔ بہرحال یہ ہیں عقائق واقعیہ اور یہ ہیں حقائق سہلہ اور یہ ہیں معنی الدین یسیر (ترجمہ دین آسان ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تو یہ ہے روح قرآن و روح صلوۃ جو اقم الصلوۃ لذکری (ترجمہ میری یاد کیلئے نماز قائم کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) میں مذکور ہے اس کو اس طرح سمجھو کہ قرأت

۹۰

قرآن جزو صلوۃ ہے تو جو روح صلوۃ کی ہوگی وہی روح اُس کے سب اجزاء اور جزو قرأت کی بھی ہوگی بلکہ یہ تو نماز کا اتنا بڑا جزو ہے کہ اسکے قائم مقام کوئی اور چیز نہیں ہوسکتی اور ارکان کے تو قائم مقام ہیں۔ اس کا کوئی قائم مقام نہیں حتیٰ کہ جس کو قرأت نہ آتی ہو تو اُس کو تکبیر و تہلیل پر اکتفا کرنے کا حکم ہے جس سے ان کا قائم مقام قرآن ہونیکا شبہ ہوتا ہی مگر دیکھئے یہ تکبیر و تہلیل بھی اجزائے قرآن میں سے ہیں کیونکہ فرماتے ہیں ولذکر اللہ اکبر (ترجمہ اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) دیکھئے تکبیر اس میں موجود ہی الحمد للہ بہت جگہ آیا ہے۔ سبحان اللہ بھی وارد ہے پس جب اتنا بڑا جزو ہوا تو اسکی روح بھی وہی ذکر ہوگی اور اس تقریر سے نماز کی خصوصیت تو رمضان کے ساتھ ثابت ہوگئی اب قرآن کی رہ گئی تو قرآن کو شروع ہی سے رمضان سے خصوصیت ہی شھر رمضان الذی اُنزل فیہ القرآن (ترجمہ رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہی جس میں قرآن شریف نازل کیا گیا ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اس سے خصوصیت باعتبار نزول کے ثابت ہوئی دوسری خصوصیت یہ ہی کہ حضور جبرئیل

علیہ السلام سے دَور رمضان ہی میں کرتے تھے۔ نیز فقہا نے لکھا ہے کہ رمضان میں ایک قرآن ختم کرنا تراویح میں مسنون ہے۔ نیز ان تمام نصوص سے معلوم ہوا کہ قرآن کی تلاوت رمضان میں زیادہ مطلوب ہے۔ یہ خصوصیت تو تشریعی ہے۔ تکوینی خصوصیت یہ ہے کہ اس ماہ میں ہر شخص خود بخود قرآن کی طرف راغب ہو جاتا ہے اسلئے میں ذاکرین کے واسطے بھی اس ماہ میں اسے ذکر سے افضل سمجھتا ہوں میرا یہ مطلب نہیں کہ ذکر نہ کریں وہ بھی کریں مگر زیادہ تر قرآن کی تلاوت کریں کیونکہ ذکر تو بارہ مہینے یکساں ہے اور رمضان میں قرآن پڑھنے میں خاص برکات نازل ہوتی ہیں جس طرح مکہ میں جاکر طواف بہ کثرت کرنا چاہیئے اور اور عبادات کو بھی کرنا چاہیئے مگر طواف سب سے زیادہ اسی طرح رمضان میں قرآن۔ یہ عبادتیں ہیں رمضان کی پس ان عبادتوں کو ان کی صورت وروح کے ساتھ ادا کیا کرو یعنی توجہ کیساتھ کیا کرو۔ بہرحال یہ ہے روح صلوۃ کی جس کو حق تعالے فرماتے ہیں اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (ترجمہ میری یاد کیلئے نماز کو قائم کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں اب حق تعالیٰ سے توفیق عمل کی دعا کرو۔ آمین

91

ضمیمہ روح القیام

بعد نماز عصر

اس وقت نماز پڑھتے میں ایک شبہ کا جواب منجانب اللہ قلب میں آیا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ نماز پڑھنے میں جو کچھ قلب پر وارد ہوتا ہے صحیح ہوتا ہے شبہ یہ ہوتا ہے کہ جب ذکر کے دو مرتبے ہیں ایک اعلےٰ کہ ذکر مذکور اور ایک ادنیٰ کہ ذکر ذکر ہے اور یہ ثابت ہے کہ حضور کو نماز میں سہو ہوتا تھا۔ تو معاذ اللہ ہماری طرح کیا حضور کو بھی نماز کی طرف توجہ نہ تھی۔ کیونکہ اگر کسی چیز کی طرف پوری توجہ ہو تو سہو کے کوئی معنی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ واقعی سبب سہو کا عدم توجہ الی الصلوۃ (ترجمہ نماز کی طرف توجہ نہ کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہے مگر اس عدم توجہ الی الصلوۃ (ترجمہ نماز کی طرف توجہ نہ کرنے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے سبب دو ہیں ایک توجہ الی ما فوق الصلوۃ (ترجمہ نماز سے مافوق مرتبہ کی طرف توجہ کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یعنی توجہ الی اللہ[۵] (ترجمہ اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) جو ذکر کا اعلےٰ درجہ ہے اور یہ شان تھی حضور کی۔ دوسرا توجہ

[۵] اس عبارت کا نوٹ صفحہ ۴۴ پر دیکھو۔

الی ما دون الصلوۃ (ترجمہ نماز سے ادنیٰ مرتبہ کی طرف توجہ کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) جس میں ادنیٰ درجہ بھی ذکر کا نہیں اور یہ حالت ہی ہماری کہ غفلت میں مبتلا ہیں پس آپ کا متوجہ الی الصلوۃ نہ ہونا اور ہے ہمارا اور ہے اور سہو دونوں کا خاصہ مشترکہ ہے اسی کو فرماتے ہیں ؎

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر (ترجمہ پاک لوگوں کے کام کو اپنے اوپر قیاس مت کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

بہر حال یہ وہ شبہ تھا جو برسوں سے دل میں کھٹکتا تھا مگر الحمد للہ آج بالکل صاف ہو گیا۔

تمت

لہ ثم کتب الی حبّی المولوی ظفر احمد ان وجد موافقۃ فی کتب السلف ونقل ما نصہ ذکر العلامۃ الطحطاوی فی اواخر سجود السہو ما نصہ وسہو نبینا صلی اللہ علیہ وسلم کان لمقام شغلہ باللہ تعالیٰ عن الصلوۃ وفی ھذا المعنی قیل ؎

یا سائلی عن رسول اللہ کیف سہا　　والسہو عن کل قلب غافل لاہی

قد غاب عن کل شیٔ سرہ فسہا　　عما سوی اللہ فی التعظیم للہ

ابو السعود۔ انتہیٰ بلفظہ ۱۲ منہ مد ظلہ　　۹۲

(ترجمہ۔ پھر محبی مولوی ظفر احمد صاحب نے مجکو لکھا کہ میں نے اسکی تائید کتب سلف میں پائی ہے چنانچہ علامہ طحطاوی نے سجود سہو کے اواخر میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سہو اللہ تعالیٰ کیساتھ مشغول ہونیکی وجہ سے تھا اس بارہ میں کہا گیا ہے ؎

اے مجھ سے دریافت کرنیوالے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں کہ آپکو نماز میں کس طرح سہو ہو گیا حالانکہ سہو قلب غافل اور لہو ولعب کرنیوالے کا کام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہر شئے سے آپکی روح غائب ہو گئی سوا اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے ماسوی اللہ کو بھول گئے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

این	متی	کم	کیف	ماذا	لِمَ	من ضبط	المستمعون	اشتات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	بیٹھکر یا کھڑے ہو کر	کیا مضمون تھا	سبب وعظ	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
تھانہ بھون جامع مسجد	۱۴ رمضان المبارک جمعہ ۱۳۳۴ھ	۲ ۱/۲ گھنٹہ	بیٹھکر	۰	۰	عبدالحکیم کان اللہ لہ	۲۰۰	۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيَاتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ط (ترجمہ اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی نہ ملنے دو جس زمانہ میں تم لوگ مسجدوں میں اعتکاف کرنیوالے ہو یہ خداوندی ضابطے ہیں سو اُن سے نکلنے کے نزدیک بھی نہ ہونا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے اور احکام بھی لوگوں کی اصلاح کیواسطے بیان فرمایا کرتے ہیں اس امید پر کہ وہ لوگ مطلع ہوکر خلاف کرنے سے پرہیز کریں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اسکے قبل دونوں جمعوں میں یہ امر مشترک طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ اُن عبادات کے متعلق بیان کرنا مقصود ہے جنکو خصوصیت ہے ان ایام مبارکہ کیساتھ چنانچہ اُن عبادات کی مختصر فہرست میں سے دو کے متعلق ذکر کردیا گیا ہے۔ ایک روزہ دوسرے نماز و تراویح۔ اور تراویح کے واسطے سے قرآن کی خصوصیت ان ایام کیساتھ اور اُسکے ساتھ اُن کی روح اور اُن کا جوہر بھی بیان کردیا گیا تھا۔ بس یہ حاصل تھا اُن دونوں جمعوں کے بیان کا۔ اُن کے علاوہ ایک اور عبادت ہے

جو مخصوص ہی ان ایام کیساتھ آج اُسی کی روح و جوہر کے متعلق بیان کرنا ہی جس کا نام اعتکاف ہے اور ان ایام کے ساتھ اعتکاف کے مخصوص ہونیکا یہ مطلب نہیں کہ اور ایّام میں مشروع نہو۔ اور ایام میں بھی مشروع ہے لیکن تاکد کے ساتھ ابتداءً مامور بہ نہیں اگر ہے تو بواسطہ نظر کے یا مثل نذر کے اور اس مثل نذر کی یہ صورت ہی کہ مثلاً کسی کا اعتکاف باطل ہوگیا تھا تو اور ایام میں اُس کی قضا کرنا ہوگی کہ وہ بھی مثل نذر کے واجب ہی بلکہ نذر کے لفظ کو چھوڑ دیجیے تاکہ سمجھنے میں سہولت ہو یوں سمجھیے کہ اور ایّام میں التزام کا واسطہ ہی اب اسمیں قضا و نذر دونوں داخل ہوگئے مثلاً رمضان میں اعتکاف کیا تھا دس دن کی نیت کی تھی۔ اسمیں سے ایک دن یا دو دن یا چار دن یا دسوں دن کا جاتا رہا تو اسکے عوض میں اور ایام میں قضا کرنا پڑیگا یہ کہ نذر معلق کی کہ اگر میری فلاں حاجت پوری ہوجائیگی تو میں پانچ دن کا اعتکاف کرونگا یا نذر غیر معلق کی مثلاً یوں کہا کہ فلاں روز اللہ واسطے اعتکاف کرونگا یہ صورتیں تو التزام عبد کی تھیں اور ایک لزوم شارع کی جانب سے متأخر درجہ میں ابتداءً ہوا ہی میں اس متأخر کی قید کا فائدہ بھی بیان کردونگا[۵]۔ تو اس اعتبار سے کہ ابتداءً شارع کی جانب سے اسکا التزام صرف اسی ماہ میں ہوا ہی اس معنی کر یہ مخصوص ہی اس ماہ کیساتھ۔ گو با لتزام عبد اور ایّام میں بھی لزوم کے ساتھ مشروع ہی۔ چونکہ یہ بھی اُنہیں طاعات کی فہرست میں سے ہی جن کو خصوصیت ہی اس ماہ کے ساتھ لہذا جس طرح گذشتہ جمعوں میں ان طاعات کے مسائل فرعیہ نہیں ذکر کیے گئے بلکہ اُنکی روح کا ذکر کیا گیا ہی اسی طرح یہاں بھی فروع ذکر نہ کیے جاوینگے ہاں اگر ضمناً تبعاً آجائیں تو مضائقہ نہیں جس طرح اُن میں بعض فرعی مسائل آگئے ہونگے بلکہ پہلے جمعوں کی طرح کہ اُن میں مقصود بالبیان روح صوم و روح صلوٰۃ تھی آج بھی روح اعتکاف کا ذکر کرنا مقصود ہی۔ سو اعتکاف کی بھی ایک صورت ہی۔ ایک روح ہے۔ صورت تو یہ ہی کہ مسجد میں جاکر بیٹھ جانا اسکے درجات مختلف ہیں اگر پوری فضیلت حاصل کرنا ہو تو دس دن کا اعتکاف کرنا چاہیئے۔ یوں تو ایک دن کا بلکہ ایک گھنٹہ کا بھی ہوسکتا ہی۔ دس دن تک اعتکاف کرنیکے یہ معنی ہیں کہ رویت ہلال تک اب کہیں دس ہونگے اور کبھی نو ہی دن ہونگے اگر تیس کا چاند ہے تو دس دن ہونگے اور اگر اُنتیس کا ہی

---

[۵] پھر تقریر دور چلی گئی یاد نہ رہا۔ اسلیے اس حاشیہ میں اسکی شرح کیے دیتا ہوں۔ مراد اس سے درجہ ہی سنت کا جو کہ متاخر ہے فرض و واجب سے یعنی التزام درجہ ایجاب میں نہیں ہی بلکہ درجہ سنت موکدہ میں ہے اسی تاکد کو التزام کہدیا گیا لیکن یہ تاکد علی العین نہیں ہے بلکہ علی الکفایہ ہی ۱۲ منہ

تو نو ہی دن ہوں گے مگر شارع کی کیا رحمت ہی کہ دونوں صورتوں میں خواہ دس دن ہوں یا نو دن عشرۂ اخیرہ رکھا اور فقط نام ہی نہیں رکھا بلکہ ثواب بھی دس دن کا دیا۔ حدیث میں آیا ہی کہ شھرا عید لا ینقصان (ترجمہ عید کے دونوں مہینے کم نہیں ہوتے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اسکی تفسیر بھی خود حدیث میں آئی ہے کہ وہ رمضان و ذیحجہ ہیں۔ ذیحجہ کا شہر عید فرمانا تو ظاہر ہے کہ اسمیں عید کا دن ہی۔ لیکن رمضان کو اس وجہ سے عید فرمایا کہ یہ فرحت کا مہینہ ہی کہ ہر روز افطار کیوقت اسمیں فرحت ہوتی ہے اور یا یہ وجہ ہے کہ حضور نے اس طرف اشارہ کیا ہی کہ جس معنی کر تم اسے عید کا مقابل سمجھتے ہو یعنی امساک عن الغذاء (ترجمہ غذا سے باز رکھنا ۔۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) سو اس معنی کے اعتبار سے بھی یہ عید ہی کا مہینہ ہے یعنی اس میں روحانی غذائیں ملتی ہیں۔ بلکہ جو حقیقی غذائیں اس ماہ میں ملتی ہیں وہ تو عید میں میسر بھی نہیں آتیں ؎

وذکرک للمشتاق خیر شراب وکل شراب دونہ کسراب

کہ اے محبوب آپ کا ذکر سب سے اچھی غذا ہے (ترجمہ اور ماسوا ذکر کے جو بھی غذا ہی وہ مثل سراب کے دھوکہ ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اور حقیقت میں کچھ تعجب بھی نہیں کسی پر عاشق ہو جاؤ محبوب یہ کہے کہ دو شقیں ہیں اگر پلاؤ قورمہ فیرینی مزعفر لیتے ہو تو ہم سے ملاقات نہو گی۔ اور اگر ہمارے پاس بیٹھنا چاہتے ہو تو یہ کچھ بھی نہ ملیگا بلکہ فاقہ سے پڑا رہنا ہو گا۔ تم خود دیکھ لو کہ تمہارا ذہن کیا حکم کریگا۔ اس پر تو تنبیہ کرنیکی ضرورت ہی نہیں کہ محبوب کو اختیار کریگا۔ لیکن پوچھنے کی بات ہی کہ تم یہ بتاؤ کہ اس وقت بھوک بھی ہوگی سو واقعی اس وقت بھوک بھی نہیں ہوگی۔ اور یہ مسلم ہی کہ عادۃً بغیر غذا کے بھوک نہیں بند ہوتی اور اس وقت بغیر کسی ظاہری غذا کے بند ہو گئی۔ یہ تو ہے نہیں کہ یہ مقدمہ مسلمہ غلط ہو۔ بلکہ یہی کہنا پڑیگا کہ یہاں بھی غذا سے بھوک بند ہوئی اور وہ کونسی غذا ہے۔ وہ غذا وصل محبوب ہے اور اگر یہ غذا نہیں تو روح میں اسقدر تازگی کیونکر ہوئی۔ آپ سمجھتے ہیں کہ غذا صرف روٹی کا نام ہے۔ غذا صرف روٹی ہی کا نام نہیں ہی۔ اگر کسی کی قوت ہاضمہ صحیح نہو وہ جب کھائیگا وہ غذا فوراً نکل جائیگی۔ اور اس کھانے سے بھوک کا تقاضا دفع نہو گا بلکہ وہ بحالہ باقی رہیگا۔ ا(مستسقی) پانی پیئے تو پیاس کا تقاضا دفع نہو گا بلکہ وہ اور بڑھ جائے گا معلوم ہوتا ہی کہ غذا جو غذا ہے وہ قوت کیوجہ سے ہی۔ بس اصل میں قوت ہی غذا ہے۔ بس اگر اور کسی وجہ سے قوت حاصل

ہو جائے۔ تو اب غذا کی کیا ضرورت ہے۔ تو تعجب ہے کہ روٹی کو تو غذا کہو اور وصل محبوب کو جو کہ روح
کی غذا ہے غذا نہ کہو۔ یہ تو بدرجۂ اکمل غذا ہے اور اسی وجہ سے جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم نے وہی لفظ ارشاد فرمائے کہ یطعمنی ربی ویسقینی کہ (حالت صوم میں) میرا رب
مجھے کھلا پلا دیتا ہے۔ تو سقی و اطعام (ترجمہ پلانا اور کھلانا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) جسمانی غذا ہے اور محب کیلئے
بڑی غذا محبوب کا ذکر ہے۔ بس جب یہ بات ہے تو اسے آپ بھوک کا مہینہ نہیں کہہ سکتے بلکہ واقع میں
تم دن بھر کھاتے پیتے ہو۔ اور اسکی ایک موٹی سی دلیل ہے۔ کہ تم ایک دن بدون روزہ کے فاقہ
کر کے دیکھو ضعف ہوگا بےچینی رہیگی۔ صبر نہ ہوگا اور ایک دن روزہ رکھ کر دیکھو۔ نہ ضعف ہوگا نہ بھوک
لگیگی نہ بے صبری ہوگی نہ بےچینی۔ اب بتلاؤ کہ فاقہ کی حالت میں قوت کہاں گئی معلوم ہوا کہ اس
وقت غذا نہیں ہوئی تھی اور آج روزہ کی حالت میں قوت کہاں سے آ گئی معلوم ہوا کہ غذا ملی
ہے اور اگر کوئی کہے کہ نہیں تو روزہ میں بھی بھوک لگتی ہے ضعف بھی ہوتا ہے۔ پیاس بھی لگتی ہے
بےچینی بھی ہوتی ہے تو حضرت بھوک پیاس خود نہیں لگتی تم جزع و فزع (ترجمہ بے صبری اور گھبراہٹ
۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کر کے لگاتے ہو۔ تم دو روزہ رکھو ایک میں کہتے پھرو کہ ہائے بھوک ہائے پیاس
دیکھو کس شدت کی بھوک پیاس لگے گی کہ دن کاٹنا دشوار ہو جائیگا اور دوسرے دن روزہ رکھکر
بالکل خاموش رہو منہ سے کچھ نہ بولو دیکھو کیسی سہولت سے دن کٹ جائیگا۔ زمین آسمان کا فرق
ان دونوں دنوں میں تم کو خود نظر آئیگا۔ اور جب تم ساری دنیا سر پر اٹھالوگے تو نہ بھی لگتی
ہوگی تو لگے گی ؎ مزن فالِ بد کارد حالِ بد (ترجمہ بری فال حال بد پیدا کرتی ہے ۱۲ محمد صابر)
جب صبح سے تم غل مچاؤگے تمنے فال بد شروع کی۔ لوگ ایسا محض شیخی کیوجہ سے کرتے ہیں
کہ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ بڑے عالی ہمت ہیں جو اسقدر بھوک اور پیاس کو برداشت کرتے ہیں تو جب شیخی کی
وجہ سے فال بد شروع کی تو پھر سچ مچ لگنے لگتی ہے۔ بدفالی ایسی چیز ہے۔ ایک شخص کو مدینہ میں
بخار آیا جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم عیادت کو تشریف لیگئے۔ فرمایا لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ
اِنْ شَاءَ اللہُ۔ اس نے کہا لا بل حمی تفور علی شیخ کبیر تزیرہ القبور۔ تیز بخار ہے جو قبرستان
میں پہنچائیگا۔ آپنے فرمایا بہتر ہے اب یوں ہی ہوگا۔ چنانچہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ کسی روایت میں
ہے کہ وہ ٹہل گیا۔ اسی طرح صبح سے تم نے غل مچانا شروع کیا کہ ہائے پیاس ہائے بھوک تو بھوک

97

بھوک پیاس نہ لگیگی۔ اسی واسطے جو فعل کہ بے صبری پر دال (دلالت کرنے والا ۱۲ ش) ہو شریعت کے نزدیک ناپسندیدہ ہی۔ اسی سے امام صاحب فرماتے ہیں۔ روزہ کی حالت میں بار بار نہانا مکروہ ہی اور امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں جائز ہے مگر دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔ ایک نہانا ایسا ہی کہ بے صبری سے پیدا ہوا ہے مثلاً گرمی پیاس کا صبر نہیں۔ یا بے صبری سے تو ناشی (پیدا ہونے والا ۱۲ ش) نہیں مگر دال ہی بے صبری پر کہ دیکھنے والے اسکے طرز اور اسکی ہیئت سے یہ سمجھتے ہیں کہ اسے گرمی کی برداشت نہیں ایسا نہانا مکروہ ہی کیونکہ اسمیں حق تعالے کے فرض سے اظہار کراہیت ہی۔ کہ خدا نے ایک عبادت فرض کی اور یہ ناک بھوں چڑھاتے ہیں اس سے ثواب جاتا رہتا ہی اس سے کیا فائدہ کہ کرنا تو پڑا ہی مگر بچا بچا کے اُسکا ثواب کیوں کھوتے ہو۔ یہی حال ہی انکا جو پریشان کن واقعات میں گھبرایا کرتے ہیں اور پھر طرح طرح کی شکایتیں کرتے ہیں دنیا کا تو نقصان ہوا ہی دین کا بھی نقصان کیا خواہ مخواہ شکایت کر کے خسر الدنیا والآخرة (ترجمہ دنیا وآخرة دونوں کا نقصان ہوا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

(قضا دگر نشود در ہزار نالہ وآہ — بکفر یا بشکایت بر آید از دہنے (حافظ رح)

(ترجمہ حکم الٰہی نہیں بدلتا اگرچہ ہزار آہ و نالہ کفر یا شکایت کیساتھ منھ سے نکلیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

جو چیز گئی وہ گئی پھر تو ملنے سے رہی۔ تم اپنا ثواب کیوں کھوتے ہو۔ کسقدر حماقت ہی کہ ایک نقصان تو ہوا ہی تھا دوسرا بھی کرلیا۔ واقعی ان دنیاداروں سے زیادہ نادان کون ہوگا اگر راضی بہ رضا رہتے تو دو طرح سے اُس کا تدارک ہوجاتا ایک تو ثواب ملتا دوسرے پریشانی میں کمی ہوجاتی۔ عورتوں پر جو اسقدر غم کی شدت ہوتی ہی اُس کی یہی وجہ ہے کہ ہائے ہائے بہت کرتی ہیں اگر نہ بھی کریں تو دوسری عورتیں آکر کراتی ہیں۔ یہ رسم ہے کہ جب کوئی مرجاتا ہی تو اس گھر میں جب کوئی عورت آتی ہے گھر والی کے گلے لپٹ کر ضرور روتی ہے اگر وہ بھول جائے تو اُسے اس طرح سے یاد دلا دیتی ہیں۔ اور مردوں کو اللہ تعالے نے استقلال دیا ہے۔ اوّل اوّل کچھ غم رہا اُسکے بعد بھول بھال گئے۔ تو ایک نہانا تو وہ تھا اور ایک نہانا اسلئے ہی کہ بے صبری کا نہیں ہوا بلکہ نفس کو تھوڑی سی مدد دیدی کہ عبادت آسان ہوجائے تا کہ اعانت ہو طاعت پر اسمیں کچھ حرج نہیں۔ یہ تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى (ترجمہ نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی اعانت کرتے رہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) میں داخل ہی اور استعینوا بالصبر والصلوٰة کا مصداق ہے

97

یعنی صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ سے اور عبادتوں پر استعانت کرو غرض ایک عمل سے دوسرے عمل پر سہارا ڈھونڈنا مطلوب ہے۔ اور یہی حقیقت ہے ابو داؤد کی روایت کی کہ آپ وتر میں کبھی کبھی غسل بھی فرماتے تھے اور آپکا مطلقاً بھی معمول تھا کہ آپ کو جب کبھی دو چیزوں میں اختیار دیا جاتا تھا۔ آپ آسان کو اختیار فرماتے تھے حالانکہ آپ کی ہمت عالیہ اسقدر بلند تھی کہ دو جہان کی مشقت بھی اُسکے آگے ہیچ تھی۔ اور کیوں نہو جس نے بوجھ اُٹھا لیا آثار وحی کا اور تبلیغ کا اور اُس قوم کی مخالفت کا جس کے ساتھ کبھی بُرائی نہیں کی تھی۔ بلکہ پہلے سے آپ اپنی قوم کے محبوب تھے آپ کو خود بھی اپنی قوم سے یہ بہت بعید معلوم ہوتا تھا حتیٰ کہ ورقہ بن نوفل نے جب اپنی تمنا ظاہر کی کہ کاش اُس وقت میں جوان ہوتا جب آپکی قوم آپکو نکال دیگی۔ تو آپنے تعجب سے فرمایا کہ کیا میری قوم مجھکو نکال دیگی۔ نکال دینے کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو پریشان کریگی۔ اس سے آپ خود ہی علیحدہ ہو جائیں گے۔ اور یہ معنی نہیں کہ متبادر معنی کے اعتبار سے اخراج ہوگا کہ اس میں ظاہراً آپ کی اہانت تھی۔ نعوذ باللہ منہ۔ اور حق تعالیٰ نے آپکی توہین ظاہری کو بھی گوارا نہیں فرمایا یہی وجہ ہے کہ آپ کو ظاہری شہادت نہیں ہوئی حالانکہ آپنے تمنا بھی کی وددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل ثم احیی ثم اقتل کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں۔ گو معناً یہ تعاقب آپ کو بلکہ آپکے خدام کو عطا ہوا ہے ؎ یکے بعد دیگرے آنا ۱۲ منہ

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زمان از غیب جان دیگر است

(ترجمہ خنجر تسلیم کے کشتوں کو ہر زمانہ میں ایک اور جان عطا ہوتی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

مگر ظاہراً آپ کیلئے اس کا وقوع نہیں ہوا حالانکہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں دیکھتی ہوں آپکے رب کو جیسی آپکی خواہش ہوتی ہے ویسا ہی کر دیتے ہیں اور آپ کی تو بڑی شان تھی جب آپکے غلاموں کی یہ شان ہے ع میدہد یزداں مراد متقین (ترجمہ اللہ تعالیٰ متقیوں کی مرادیں پوری کرتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ آپکی ہر دعا مقبول ہوئی۔ چنانچہ آپنے دعا کی تھی کہ امت میں نااتفاقی نہو مقبول نہیں ہوئی تاکہ آپ کا بندہ ہونا اور الٰہ نہ ہونا ثابت ہو جائے۔ مگر افسوس ہے باوجود عبدیت کے ان آثار کے ظہور کے بھی بعض جہلاء نے حدیث گھڑلی ہے کہ انا عرب بلا عین

میں بلا عین کا عرب ہوں (یعنی رب ہوں نعوذ باللہ ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اس جاہل کو یہ خبر نہوئی کہ اول تو عرب قوم کا نام ہی۔ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اتنے بڑے فصیح و بلیغ عربی کے بجائے عرب فرماتے ہ دوسرے عرب کی بے مشدد نہیں اور رب کی مشدد ہے اگر عین کو حذف کر دیا جائے تو رب رہ جائے تم ایک تھوڑا ہی ہوگا۔ سو یہ عبارت ہی خود اپنے مخترع ہونے پر دال ہی جیسا کسی نے کہا ہے ع سُبُوحٌ لَهَا مِنْهَا عَلَيْهَا شَوَاهِدُ (ترجمہ یعنی اس حدیث کے مخترع ہونے پر اس کی عبارت ہی سے دلائل قائم ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) پس حدیث ہی خود بتا رہی ہے کہ میں موضوع (گھڑی ہوئی ۱۲ محمد غفرلہٗ) ہوں اور وضاع (گھڑنے والا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) بھی کوئی بالکل ہی جاہل ہے۔ اسی طرح اسکو بھی حدیث بنالیا أَنَا أَحْمَدُ بِلَا مِيم (ترجمہ میں بلا میم کا احمد یعنی احد ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) حالانکہ یہ حضرت احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی جو سکر میں صادر ہوا ہے۔ غرض اب بھی بندوں نے بار ون خدا بنائے ہوتے نہ چھوڑا۔ اور اگر ایک دعا بھی واپس نہوتی تب تو خدا کی رجسٹری ہو جاتی۔ پس اسی وجہ سے آپ کی بعض دعائیں قبول نہیں ہوئیں۔ پس گو بعض ادعیہ (دعائیں ۱۲ امن) اس مصلحت کیوجہ سے پوری نہوئی ہوں۔ لیکن اس تمنا کا پورا ہونا تو اس مصلحت کے بھی خلاف نہ تھا مگر باوجود اسکے یہ تمنا آپ کی اس لئے پوری نہیں ہوئی کہ خدا تعالیٰ کو اپنے حبیب کی یہ حالت گوارا نہوئی ع آں منم کاندر میان خاک وخوں بینی سرے (ترجمہ میں وہ ہوں کہ خاک اور خون میں میرا سر آلودہ دیکھوگے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کہ سر مبارک گرد و غبار میں لوٹ رہا ہو اور کفار ٹھکرا تے ہوئے جا رہے ہوں۔ یہ صورت اہانت بھی گوارا نہوئی اسی طرح آپ کو فقر و فاقہ بھی دیا تو وہ بھی بادشاہت میں۔ یہ نہ تھا کہ آپ کے پاس مال نہ آتا ہو کہ یہ بھی عرفاً اہانت کی صورت ہی۔ بلکہ آتا تھا مگر آپ رکھتے نہ تھے۔ ایک ایک جلسہ میں آپنے سو سو اونٹ ایک ایک شخص کو دیدیئے۔ اگر سو سو ہی روپیہ کا رکھو تب بھی دس ہزار روپیہ ہو گئے۔ اگر آج کوئی دس روپیہ دیدے تو تعجب سے کہا جائیگا کہ اتنا انعام۔ اسی طرح اگر کوئی امیر قربانی کریگا تو بکرے یا گائے کے ایک حصہ سے بڑھیگا ایک نہ کر دیگا۔ آپنے حجۃ الوداع میں سو اونٹ ذبح کئے اور ان سو میں سے تریسٹھ اپنے ہاتھ سے ذبح کئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے کی بھی عادت تھی۔ آج کل کے مولوی صاحب ہیں کہ انہیں اپنے ہاتھ سے کام کرنا دشوار ہے اور اگر کرنا بھی چاہیں تو لوگ نہیں کرنے دیتے۔ مولوی صاحب

ذرا لوٹا لے کر وضو کیلئے پانی لینے چلے بس لوگ دوڑے کہ حضرت میں لاؤں۔ جوتا لیکر چلے چھین لیا کہ میں لے چلوں۔ اگر ایسا ہی رہا تو یہ لوگ جب تک یہاں رہیں گے اُس وقت تک تو یہ مولوی صاحب کے کام کر دیں گے پھر مولوی صاحب کو یہی عادت ہو جائیگی اور ہر کام کیلئے آدمی کی ضرورت ہوگی۔ تو مولوی صاحب پر ایک مصیبت آجائیگی۔ اور ہر کام کیلئے فرمایا کرینگے کوئی آدمی ہے۔ ایک بانوا فقیر کسی رئیس کے یہاں گئے اُنہوں نے پکارا کہ کوئی آدمی ہے فقیر نے کہا تھوڑی دیر کیلئے آپ ہی نہ آدمی بن جائیے۔ قنوج میں ایک رئیس کا لطیفہ ہے کہ اُن کے کسی دوست نے پکارا کہ کوئی آدمی ہے۔ اُن رئیس صاحب نے کہا کہ میں ہوں آدمی کہئے۔ اُنہوں نے کہا کہ آپ آدمی ہیں مع ریاست کے میں چاہتا ہوں بلا ریاست کے۔ یعنی آپ بشرط شئے (ترجمہ یعنی آپ مع کمال ریاست ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے مرتبہ میں آدمی ہیں اور میں چاہتا ہوں بشرط لا شئے کے مرتبہ میں یعنی بشرط عدم الکمال فیہ سوی الانسانیۃ (ترجمہ یعنی اُس میں بجز انسانیت کے اور کوئی کمال نہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) نہ لا بشرط شئے (ترجمہ یعنی اس میں کوئی کمال نہو نہ انسانیت اور نہ ریاست وغیرہ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے مرتبہ میں چاہتا ہوں اور نہ بشرط شئے کے مرتبہ میں۔ یہ جواب تحقیقی تھا ورنہ ظاہر نظر میں لطیفہ تیز ہے۔ بہر حال مولوی صاحب تو پھر کسی کام کے نہ رہیں گے۔ میرے ایک دوست مولوی ہیں۔ الہ آباد کی کچہری میں بندوق کے لیسنس کی درخواست دی تھی۔ اُس کے لئے کچہری گئے ہوئے تھے۔ ایک وکیل کہنے لگے مولوی صاحب آپ اور بندوق۔ اُنہوں نے کہا جی ہاں بندوق تو مرد رکھتے ہیں اور مولوی مرد نہیں ہوتے۔ اسلئے بیشک ان کا بندوق رکھنا محل تعجب ہے۔ وکیل صاحب چپ ہی تو ہو گئے۔ تو یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ انہیں لوگ بھی بالکل اپاہج سمجھتے ہیں۔ لوگوں نے انہیں حضور حضور کرکے واقعی بالکل سست بنا دیا ورنہ سنت یہ ہے کہ سب کام اپنے ہاتھ سے کرے۔ اب تو ہماری یہ حالت ہے کہ ہمیں یہ معلوم نہیں کہ لٹھا کتنے گز کا ہے۔ اگر کبھی خریدنے جائیں تو بزاز اگر پانچ آنے گز کہدے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ چار آنے۔ کہ ایسا نہو واقعی یہ اتنے گز کا ہو اور ہم کم کا کہیں تو ہماری نادانی پر ہنسے اس لئے چپکے سے خرید لیتے ہیں۔ پھر اگر کہیں خریدا تو بزاز صاحب ہم سے پہلے جمع کا حساب کر سکتے ہیں مولوی صاحب کا حساب لبعد میں ختم ہوتا ہے اور اکثر غلط ہوتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے

۱۰۰

کہ بالکل نکمے بن گئے۔ لکھنؤ کے ایک شہزادہ کی حکایت مشہور ہے کہ ایک مرتبہ محل میں سانپ نکل آیا۔
بیگمات میں شور ہوا کہ ارے کسی مرد کو بلاؤ۔ شہزادہ صاحب بھی اُن کے ہمزبان ہو کر یہی کہنے لگے
کسی ماما نے کہا حضور آپ بھی تو مرد ہیں کہنے لگے واللہ خوب یاد دلایا لاؤ تو لاٹھی۔ بیچارے کو
اپنا مرد ہونا بھی یاد نہ رہا۔ یاد تو جب ہوتا کہ مردوں کا کوئی کام کرتے۔ اسی طرح مولوی صاحب بھی
اگر اپنے ہاتھ سے کام کرتے رہتے تو انہیں حساب کتاب کی خبر ہوتی۔ یہ کیا واہیات ہے کہ ایک دفعہ ہی
سب جمع ہو گئے اور بلا کی طرح مولوی صاحب کو لپٹ گئے کوئی ہاتھ دباتا ہے کوئی پاؤں دباتا ہے۔ کوئی کمر
دباتا ہے۔ کوئی پنکھا جھلتا ہے۔ اُسکے بعد جب سب چلے گئے اب مولوی صاحب کی ہڈیاں کلکل کرتی ہیں
اور وہاں نہ کل ہے نہ جز۔ مولوی صاحب پڑے کوس رہے ہیں۔ ایک رئیس صاحب کے خدمتگاروں نے
بہت ہاتھ پاؤں دبائے تھے وہ حج کو گئے وہاں بڑی تکلیف اُٹھائی کیونکہ خدمت کے عادی ہو چکے
تھے۔ جب واپس ہوئے خدمتگاروں نے پوچھا حضور حرم میں ہمارے واسطے بھی دعا کی تھی۔
اُنہوں نے کہا ہاں یہ خوب کوسا تھا کہ ایسی خراب عادتیں ڈالدیں جن سے بہت تکلیف ہوئی۔ بد دعا
تو کیا کرتے مگر واقعی اُنہوں نے کام تو ایسا ہی کیا تھا۔ یہ بالکل واہیات ہے کہ اس طرح خدمت کری

۱۰

کر بالکل اپنا پابند بنا لے۔ اصول و اعتدال سے ہر کام اچھا ہوتا ہے۔ غرض حضور کی زندگی نہایت
سادہ تھی بکری کا دودھ اپنے ہاتھ سے نکال لیتے تھے۔ بچھونا خود جھاڑ لیتے تھے۔ حتی کہ نعل مبارک
اپنے دست مبارک سے سی لیتے تھے۔ اور آپ کی قوت بھی دیکھئے کہ تریسٹھ اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح
کئے حالانکہ اسکے ذبح کرنے میں نہایت دشواری ہے اور جانوروں کے ذبح میں تو سہولت ہے کہ لٹا کر ذبح
کر لیا۔ اسکو اس طرح ذبح کرتے ہیں کہ ایک پاؤں اس کا خاص طریقہ سے باندھ دیتے ہیں تاکہ
بھاگ نہ سکے پھر اسکے سینہ پر ایک خاص رگ ہے اُسپر برچھا مارتے ہیں اسے نحر کہتے ہیں۔ مشک
کی طرح رگوں کا منہ کھل جاتا ہے۔ تمام خون بہکر وہ گر پڑتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور نشانہ میں بھی بڑے
مشاق تھے۔ اور آپ میں قوت جسمانی بھی بہت تھی۔ چنانچہ ایک شخص رکانہ بہت بڑے پہلوان
تھے کہ ہزار آدمیوں کا مقابلہ کرنیوالے سمجھے جاتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا
کہ اگر آپ مجھے کشتی میں پچھاڑ دیں تو میں مسلمان ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا آؤ۔ وہ آئے آپ نے اُنہیں
پچھاڑ دیا۔ عرض کیا یہ تو اتفاقاً پچھاڑ دیا ایک پچھاڑ اور ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر سہی۔ پھر آئے پھر اُنکو

پھینک دیا۔ پھر وہ مسلمان ہوگئے۔ غرض سو اونٹوں کی قربانی اور اس میں سے ترسٹھ کے دست مبارک سے نحر کرنے سے آپ کی ثروت وقوت پر استدلال ہوتا ہے۔ حضور مفلس نہ تھے ہاں فقیر تھے کیونکہ مفلس تو وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور آپ کے پاس تھا سب کچھ مگر دیدیا کرتے تھے۔ اسی واقعہ قربانی میں حدیث میں آپ کا معجزہ بھی آیا ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جانور ذابح (ترجمہ ذبح کرنیوالے ۱۲ محمد رضا غفرلہ) کا چہرہ دیکھ کر بھاگتا ہے۔ جان سب کو پیاری ہے۔ اہلِ کشف اس کی لم یہ بیان کرتے ہیں کہ جانور کو کشف ہوتا ہے۔ حدیث شریف سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مردہ جو کچھ کہتا یا عذاب سے چیختا ہے تو اس کی آواز تمام کائنات سنتی ہے۔ الا الثقلین۔ یعنی اس کی آواز سوائے جن وانس کے سب سنتے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کشف کوئی کمال نہیں۔ جو لوگ کشف کے پیچھے پڑے رہتے ہیں وہ اس پر غور کریں۔ کہاں ہیں شاہ صاحب جو اسے بہت بڑی چیز سمجھتے ہیں۔ اگر شاہ صاحب کو کشف بھی ہونے لگا تو بہت سے بہت شاہ صاحب ایک بہیمہ (ترجمہ چوپایہ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے برابر ہوگئے اصل کمال قرب ہے اور یہ عبدیت سے حاصل ہوتا ہے۔ اسکے قائل ہوتے ہوئے کشف کی تمنا مصداق اس شعر کا ہے ؎

پائے بوسی اندراں دم شد گناہ	دست بوسی چوں رسید از دست شاہ

ابھی بادشاہ کی حضوری ہوگئی وہاں بادشاہ نے ہاتھ چومنے کی اجازت دیدی یہ کہتا نہیں نہیں میں تو جوتا چوموں گا کمبخت۔ پائے بوسی اندراں دم شد گناہ۔ جب ہاتھ چومنے کو ملگئے تو پھر پیر چومنا حماقت ہے۔ یہی مثال ہے ان لوگوں کی جو کشف وکرامت ڈھونڈتے ہیں۔ جو بہائم کو بھی ہوتا ہے۔ بڑی چیز عبدیت ہے۔ کشف وکرامت کو لیکے کیا کروگے۔ غرض قاعدہ ہے کہ جانور ذابح کی صورت کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔ مگر جب حضور انہیں ذبح کرنے چلے تو حدیث میں ہے کُلُّهُنَّ یَزْدَلِفْنَ اِلَیْهِ ہر ایک جانور آپ کی طرف بڑھتا تھا کہ ذبح کریں ؎

بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد	ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکف

(ترجمہ۔ اس امید پر کہ آپ شکار کو آئیں گے جنگل کے سب ہرنوں نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ لیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

جس نے اپنے معشوق کی شان میں کہا ہے یہ تو شاعری محض ہے مگر حضور کی شان سچ مچ یہی تھی تو حضور نے جانور اس طرح ذبح کیے۔ خلاصہ مقام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنگدست

باتھی دست نہیں بنایا تھا۔ آپ کا فقر و ترک اختیاری تھا۔ اسکی وجہ بھی یہی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے
آپ کو صورت اہانت سے بھی بچایا۔ اسی واسطے محققین نے مشورہ دیا ہو کہ عوام کم فہم جہلاء
کے مجمع میں آپ کے فاقہ وغیرہ کا بیان نہ کرے بلکہ ایسے عوام کے سامنے وہی مضامین
بیان کرنا چاہیے جن میں آپ کی شان و شوکت ظاہر ہوتی ہو۔ اُن کے سامنے فقر و فاقہ کے
مضامین نہ بیان کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس میں احتمال ہے اُنکے قلوب سے آپ کی عظمت نکل جانے میرے
ایک دوست تھے مولوی منت اللہ اُنھوں نے ایک قریہ (گاؤں ۱۲ محمد صابر) میں یہ بیان کردیا کہ آپ
کبھی کبھی مع نعلین مبارک نماز پڑھتے تھے۔ ایک مرتبہ جبرئیل علیہ السلام نے آپکو اطلاع دی
کہ نعلین مبارک میں نجاست بھری ہو آپنے نکال ڈالا۔ فی نفسہ واقعہ تو صحیح ہے۔ مگر لوگ
بگڑ گئے کہ تو کیسا بدعقیدہ ہی کہیں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نعلین مبارک نجس ہو سکتی
ہے خیر تھا تو اُن کا جہل مگر ناشی تھا اعتقاد عظمت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے۔ مولوی صاحب
نے مجھ سے شکایت کی میں نے کہا ایسی جگہ آپ کو ایسی بات کہنا چاہیے نہ تھی۔ اس میں فتنہ
کا احتمال ہے۔ غرض علماء محققین نے تصریح کی ہے کہ عوام کے مجمع میں آپ کے فقر و فاقہ
کو نہ بیان کرنا چاہیے تاکہ قلوب میں عظمت باقی رہے۔ مگر جہاں فہیم ہوں کچھ مضایقہ نہیں
البتہ جہاں کے لوگ ایسے کم فہم ہوں جیسی حکایتیں سُنی گئی ہیں وہاں ہرگز نہ بیان کرنا چاہیے
جیسے بعضے جہلاء کا قصہ سُنا ہی کہ پورب کے کسی دیہات میں وہاں کے لوگوں سے پوچھا
گیا تم کون قوم ہو کہا مسلمان۔ کس کی امت ہو؟ کہا ایک راجہ پچھاں میں گجرو (یعنی گذرا) ہے
ہم واکی (یعنی اُس کی) امت ہیں۔ اُن لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں تھی کہ آپ کا مولد کونسا مقام ہی
اور اسم گرامی کیا ہے۔ اجمالاً اتنا جانتے تھے کہ پچھاں میں راجہ ہوئے ہیں اگر ان نادانوں سے
آپکے فقر و فاقہ کی حالت بیان کی جائے تو جو عظمت راجہ ہونیکے خیال سے ہے وہ بھی
جاتی رہے۔ اس لئے قوی احتمال ہی کہ اس قسم کے لوگ برائے نام اسلام سے بھی منحرف ہو جائیں
ایک اور روہیلن عورت کی حکایت ہی کہ وہ حج کو گئی۔ مکہ معظمہ میں آپکے مولد شریف کی زیارت
کو بھی گئی۔ وہاں جاکر جوش محبت میں بڑی دیر تک آپکے اوصاف حمیدہ بیان کرکے میں لیا
جاؤں واری جاؤں کہتی رہی۔ اُسکے بعد کہنے لگی کہ بیچ ذات خدا کی آپ سب کچھ تو تھے

مگر روہیلے بدبخت اپنے نزدیک روہیلوں کی قوم کو اشرف الاقوام سمجھتی تھی۔ ایسوں کے سامنے صرف اتنا کہدے کہ آپ پیغمبر تھے ایسے نکتے نہ بیان کرے جو ان کم فہموں کی سمجھ سے باہر ہوں۔ بعضے فطرۃً ایسے کم فہم ہوتے ہیں کہ اللہ میاں کو بھی نہیں جانتے۔ ایک عورت نے مجھ سے پوچھا کہ اللہ میاں زندہ ہیں میں نے کہا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ رزق کون دیتا ہے۔ کہا اللہ میاں۔ بارش کون کرتا ہے۔ اللہ میاں۔ مارتا کون ہے۔ اللہ میاں۔ پیدا کون کرتا ہے۔ اللہ۔ میں نے کہا کہ سب کام تو اللہ میاں کرتے ہیں مردہ بھی کہیں کوئی کام کرسکتا ہے۔ کہنے لگی ہاں۔ بس اب سمجھ میں آگیا کہ اللہ میاں زندہ ہیں (ھو حی لا یموت) (ترجمہ وہ زندہ ہیں اُن کو موت نہ آئیگی ۱۲ محمد صابر) ایک اور بڑھیا بنت ضلع مظفر نگر میں تھی کہنے لگی جب سب مرجاویں گے تو اکیلے اللہ میاں کا جی نہیں گھبراوے گا۔ ان بڑی بی کی تمنا یہ تھی کہ کم از کم ہنڈیا چولہے کیلئے انہیں تو اللہ میاں رکھ لیتے اور چاہے سب کو مار ڈالتے۔ انہیں گناہ بھی نہیں ہوتا۔ وہاں تو اسقدر وسعت رحمت ہے کہ اُن کے یہی خیالات پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاویں گے۔ ایک اور محلہ لوگانو کی بڑھیا اپنے فقر و فاقہ کی شکایت مجھ سے کرنے لگی کہ فاقے ہوتے ہیں کپڑے پھٹ گئے ہیں۔ پھر خاموش ہوکر ڈر کر کہنے لگی کہ میں زیادہ کہہ بھی نہیں سکتی کبھی اللہ میاں کہیں کہ میرے عیب کھولتی پھرتی ہے۔ اب ایسے لوگ جو اللہ و رسول کو پورے طور پر جانتے بھی نہیں اُن کے سامنے ایسے واقعات کیا بیان کرنا چاہیئے کہ اُن کے دل سے بالکل ہی قدر جاتی رہے بہرحال آپ کی تمنا وددت ان اقتل فی سبیل اللہ ثم احیی ثم اقتل (ترجمہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اللہ کے رستہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) پوری نہیں ہوئی کہ اس میں آپ کی بے ادبی اور نیز عشاق کی دلشکنی کا اندیشہ تھا۔ اس تقریر سے معلوم ہوا کہ اہانت کی صورت بھی آپکے لئے نہیں ہوئی۔ اسی لئے اللہ نے آپ کو اس سے بچایا کہ آپ کے ہم قوم آپ کو نکالدیتے۔ آپ کا رعب اُن پر اتنا تھا کہ کسی کی ہمت ہی نہ ہوتی تھی کہ آپ کے ساتھ گستاخی کرے۔ حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک دفعہ مکہ میں ایک اونٹ ذبح ہوا تھا آپس میں کفار کا مشورہ ہوا کہ کوئی شخص اسکی الائش آپ پر رکھ آوے۔ ایک بدبخت اُٹھا اُس وقت آپ نماز پڑھ رہے تھے سجدہ میں تھے اُس نے اُس وقت آپ پر وہ الائش رکھدی کیونکہ یہ جانتے تھے کہ یہ ایسے رسول ہیں کہ نماز توڑ کے تھپڑ نہیں ماریں گے اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا

۱۰۴

رَسُوْلَهُمْ (ترجمہ یا یہ لوگ اپنے رسول سے واقف نہ تھے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) حضرت فاطمہؓ کو علم ہوا۔ آئیں اور اُس الایش کو ہٹایا اور خوب کوری سُنائیں اور کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ منہ سے کہہ سکے۔ حدیث میں آیا ہے کہ فاقبلت فاطمۃ وھی جویریۃ حضرت فاطمہؓ (ترجمہ آئیں آپ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اُسوقت بچی تھیں۔ پھر آپ نے نماز کے بعد بددعا کی۔ اس قصّہ سے معلوم ہوا کہ مقابلہ میں آکر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ یہ تھا آپ کا رعب۔ حتیٰ کہ بالمشافہ (ترجمہ روبرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) آپ سے گستاخانہ کلام کی بھی کسی کو جرأت نہ تھی آپ خود فرماتے ہیں نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ (ترجمہ رعب کے ذریعہ سے میری مدد کی گئی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ورنہ آپ تو اکیلے تھے جو کچھ وہ چاہتے کر سکتے کمیٹیاں ہوتی تھیں کہ آپ کو نکالدیں۔ مگر آپ کو خدا نے رعب اتنا دیا تھا کہ اس کی بھی ہمت نہوئی۔ الغرض جب ورقہ بن نوفل نے کہا کاش میں اُس وقت جوان ہوتا جب آپکی قوم آپ کو نکال دیگی آپنے تعجب سے فرمایا کہ کیا میری قوم مجھے نکال دیگی میری اسقدر قدر اور اتنی وقعت میں اتنا محبوب ہوں میں نے کبھی کسی کے ساتھ بُرائی بھی نہیں کی۔ اُنھوں نے کہا کہ جتنے نبی آپ سے پہلے ہوئے ہیں وہ سب انہیں اوصاف سے موصوف تھے مگر جب اُنھوں نے تبلیغ شروع کی اُن کے ساتھ بھی ہوا۔ اسی طرح آپکے ساتھ بھی ہوگا۔ چنانچہ آپ کی قوم نے آپ کی توقع کے خلاف آپ کو بہت پریشان کیا۔ آپ نے سب برداشت کیا۔ اتنی بڑی عاہمت ذات پاک کو اس کی کیا ضرورت تھی کہ دو شقوں میں سے جب اختیار کیا آسان شق کو اختیار کیا۔ یعنی جہاں ایک مقصود کے دو طریق ہوں اُن میں آسان طریق کو لینا (جانبوں سا ۱۲ مصحح)۔ اسمیں دو راز ہیں۔ علم و تسیع۔ حال۔ علم و تسیع تو یہ ہے کہ مقصود کو غیر مقصود سے متمیز کرنا۔ کیونکہ اگر مشکل طریق کو اختیار کرتے تو طریق پر شبہ مقصود کا ہوتا۔ اور خیال ہوتا کہ اگر یہ مقصود نہ ہوتا تو باوجود دشواری کے اسکو کیوں اختیار کیا جاتا۔ اور حال کیا ہے۔ معرفت ہی نعمتِ حق کی۔ آسان کو قبول نہ کرنا علامت ہی اعراض عن النعمت (ترجمہ نعمت سے روگردانی کرنے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کی کہ خدا نے تو سہولت برتی مگر یہ قبول نہیں کرتے۔ اور نیز اس میں ایک دلالت ہی حسن معاملہ پر بھی کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ جو خود آسانی لپسند ہوتا ہی وہ دوسرو کو بھی دشواری میں نہیں ڈالتا۔ آپ کو اس واسطے خدا تعالیٰ نے آسانی پسند بنایا تھا تاکہ آپ دوسروں کیلئے بھی آسانی ڈھونڈیں۔ آپ سب کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرتے تھے۔ بیوی ہو

خواہ غلام ہو۔ غلام سے بھی جو فرمائش کی آسان کی اگر فی نفسہ وہ کام دشوار ہوا سوچ کر آسان کر کے بتایا۔ غرض خود بھی کسی کو الجھن میں کبھی نہیں ڈالا اوروں کو بھی منع فرمایا۔ اتنی بات سے بھی منع فرمایا ایک مرتبہ حضرت جابرؓ حاضر ہوئے اجازت چاہی آپ نے پوچھا کون ہی؟ کہنے لگے اَنَا یعنی میں ہوں۔ آپ نے فرمایا اَنَا اَنَا۔ یعنی میں میں کیا کر رہے ہو۔ اس سے یہ تو نہ معلوم ہوا کہ کون شخص ہے۔ کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کی آواز صاحب خانہ پہچانیگا یا نہیں پہچانیگا۔ اگر آواز پہچانیگا تو یہ نہ پوچھیگا کہ کون ہی اور اگر آواز نہ پہچانیگا تو میں ہوں کہنے سے کیا فائدہ۔ کیونکہ اس سے بھی آواز ہی معلوم ہوگی۔ اسواسطے حضور نے اَنَا کہنا ناپسند فرمایا۔ اللہ اکبر آپکی سہولت پسندی کس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اوروں کو بھی اس بات کی تعلیم دی کہ ایسا نہ کریں جس سے لوگ الجھن میں پڑیں۔ اسی طرح صوم میں غسل بھی اسی آسانی کی غرض سے اختیار فرمایا۔ تو امام ابو حنیفہ وامام ابو یوسف رحمہما اللہ کے قول میں تعارض نہیں دونوں جدا جدا حالت پر محمول ہیں۔ اس تقریر سے مقصود یہ ہی کہ روزہ ایسی چیز ہے کہ اگر نہ گھبرائے اور جزع وفزع نہ کرے تو پھر نہ بھوک لگے نہ پیاس معلوم ہو۔ تو یہ غذا خدا کی جانب سے ملتی ہے جو نہ بھوک لگنے دیتی ہی نہ پیاس۔ نہ ضعف ہونے دیتی ہے نہ اضمحلال۔ تم نے بزرگوں کی حکایتیں سُنی ہونگی کہ بیس دن نہیں کھایا اور چالیس دن نہیں کھایا اور اپنی آنکھ سے دیکھا ہوگا کہ بزرگوں میں قوت زیادہ ہوتی ہے اور غذا بہت کم ہوتی ہی۔ اسمیں راز یہ ہے کہ قوت ہوتی ہی نشاط سے اس سے زیادہ کون خوش ہوگا۔ ہر وقت جسے محبوب کی صحبت میسر ہو انا جلیس من ذکرنی (ترجمہ جو میرا ذکر کرتا ہے میں اس کا ہمنشیں ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہر وقت اسکے رگ وپے میں نور رہتا ہے وہ بھوک نہیں لگنے دیتا۔ دلائل علمیہ سے تو ثابت ہی ہی عوام کی بھی زبان پر ہے کہ یہ کھانا کیا کھائیں گے الم (علم) سے پیٹ بھرا ہوا ہی۔ تو حقیقت میں انکا پیٹ نور سے بھرا ہوا ہے۔ جسے عوام اپنی اصطلاح میں الم (علم) سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ نشاء نہیں کہ گرہ دیا ہوگا عامی ہیں انکی زبان سے نکلتا ہی تو بیشک سچی بات ہی ؎

بجا کہے جسے خلقت اسے بجا سمجھو		زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو

تو واقعی رمضان کا مہینہ عید کا مہینہ ہی کہ جس وقت تم نہیں کھاتے تو وہ کھلاتے ہیں۔ کھانا اور نہ کھانا دونوں جمع ہو رہے ہیں اور گو وہ غذا ئے روحانی فی نفسہ اس غذائے جسمانی سے

مغنی (ترجمہ بے پرواہ کرنیوالی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہے مگر یہ بھی خدا کی رحمت ہی کہ اس غذا کی بھی خواہش ہمکو دی اُس کا بیان یہ ہے کہ حدیث میں آتا ہی کہ صائم کو دو فرحتیں ہوتی ہیں کہ ایک افطار کیوقت کہ جی خوش ہوتا ہے کہ ٹھنڈا پانی پینے کو ملا پھلکیاں کھانے میں آئیں۔ اور ایک خدا سے ملاقات کی۔ تو اگر اس غذا کی خواہش نہ ہوتی تو یہ دو فرحتیں کیونکر جمع ہوتیں۔ اور یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب غذا ہمیں ملتی رہتی ہی تو ہمیں بھوک کیوں لگتی ہے یہی غذا کیوں نہیں کافی ہو جاتی۔ سو بات یہ ہی کہ حق تعالیٰ کبھی اس غذائے روحانی کو من وجہٍ قطع بھی کر دیتے ہیں اسلئے اُسوقت بھوک پیاس کا غلبہ ہوتا ہی اور منقطع اسلئے کر دیتے ہیں کہ اگر ایسا نہوتا تو تمہیں اُس غذا کی قدر بھی نہوتی۔

از دستِ ہجرِ یار شکایت نمی کنم		گر نیست غیبتے نہ دہد لذتے حضور	

(ترجمہ میں ہجر کی شکایت نہیں کرتا کیونکہ اگر ہجر نہوتا تو قرب میں لذت نہ معلوم ہوتی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

پس جس طرح کبھی ظاہری غذا کو منقطع کر دیتے ہیں تاکہ اُس میں لطف آئے اسیطرح لطف ہی کیلئے باطنی غذا کو بھی کبھی منقطع کر دیتے ہیں تو گیا لطف کا زمانہ ہی دن کو روحانی غذا رات کو جسمانی غذا۔ پھر لطف در لطف یہ کہ ایک دن کو اور ایک رات کو اگر رات دن ایک ہی غذا ہوتی تو

۱۰۷

تو طبیعت اُکتا جاتی۔ من وسلویٰ کیسی عمدہ غذا تھی مگر بنی اسرائیل اُکتا کر کہہ ہی اُٹھے لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا الآیۃ کہ ہم ایک ہی کھانے پر صبر نہیں کر سکتے آپ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں پیاز ککڑی مسور کی دال ساگ دے۔ گنوار تو تھے ہی خدا کی نعمت کی قدر نہ کی وہی گاؤں کی چیزیں مانگنے لگے۔ مَنّ کہتے ہیں ترنجبین کو اور وہ نہایت لطیف چیز ہے مگر کیسی ہی لطیف غذا ہو جب ایک ہی ہو تو طبیعت اُکتا جاتی ہے۔ ٹونک کے نوابوں میں سے شاید فضل الدولہ کا قصہ ہے کہ کبھی کبھی سپاہیوں کے خیمے میں آجاتے تھے تو اُن کیلئے قالین وغیرہ کا اہتمام کرتے تھے تو کہتے تھے کہ بھئی میں قالین چھوڑ کے تو تمہارے پاس یہاں آیا ہوں میں تو پرال ہی پر بیٹھوں گا۔ کھانے کا اہتمام کرتے تو کہتے بھئی میں تو موٹی روٹیاں کھاؤں گا۔ پلاؤ کھاتے کھاتے جی گھبرا گیا۔ سالک کیلئے یہ بڑا سبق ہی کہ اگر نور غائب ہو جاتا ہی تو اُنہیں تشویش ہوتی ہے کہ نور کہاں چلا گیا ارے وہ تو اس واسطے چلا گیا کہ تو اُس کی قدر کرے ورنہ علی الاتصال

(ترجمہ جیسے درپیٹے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اُن کے توارد (ترجمہ ایک جگہ اُترنے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) سے ضرور

اُکتا جاتا۔ ایک حافظ جی اندھے تھے حریص بڑے تھے۔ اُنھوں نے کہیں سُن لیا کہ خدا تعالیٰ نے جنت میں مومنین کیلئے حوریں پیدا کی ہیں۔ بس ہر وقت دُعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ حوریں بھیج حوریں بھیج۔ بازاری عورتیں بڑی شریر ہوتی ہیں کہیں اُنھوں نے سُن لیا۔ آپس میں مشورہ کیا کہ چلو حافظ جی سے حوروں کی توبہ کرادیں۔ سب جمع ہو کے آئیں۔ آپنے کھٹکا سُن کر پوچھا کون؟ کہا حور۔ بڑے خوش ہوئے کہ بہت دنوں میں دُعا قبول ہوئی۔ خیر منھ کالا کیا۔ دوسری آئی۔ پوچھا کون؟ کہا حور۔ کہنے لگے پھر سہی اُس سے بھی منہ کالا کیا۔ غرض بہت سی تھیں ان کا بھی کئی ہی کا جوش تھا۔ آخر کہانتک وہ پورا ہو چکا تو اور آئی پوچھا کون؟ کہا حور۔ گالی دینے لگے سب حوریں میری ہی قسمت میں آگئیں۔ سو حضرت جس طرح وہ حور سے گھبرا گئے تھے اسی طرح تم نور سے گھبرا لیتے۔ تو یہ سمجھ لو کہ اگر مواجید مستیاں روز ہوتے تو لطف نہ ہوتا لطف تو جب ہی تک ہے کہ گاہے باشد و گاہے نباشد۔ (ترجمہ کبھی ہوا اور کبھی نہ ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ؎

از دست ہجر یار شکایت نمے کنم	اگر نیست غیبتے ندہد لذتے حضور

اگر غیبت نہ ہو تو حضور میں بھی لطف نہ ہو حدیث میں آیا ہے یا ابا ھریرۃ زرنی غبًا تزدد حبًا (ترجمہ اے ابوہریرہؓ تیسرے دن ملاقات کیا کرو تاکہ محبت میں زیادتی رہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تحقیق سے اس روایت کی صحت ثابت ہوگئی ہے۔ تو آپنے فرمایا کہ تیسرے دن ملا کرو تاکہ اشتیاق رہے ؎

۱۰۸

بدیدار مردم شدن عیب نیست	ولیکن نہ چنداں کہ گویند بس

(ترجمہ لوگوں سے ملنے جانا کوئی عیب کی بات نہیں لیکن اتنا جاؤ کہ اُکتا نہ جائیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

باقی اگر کوئی کہے کہ جنت میں خدا کا دیدار بھی روز روز یا ہر وقت ہوگا تو لطف نہ ہوگا نہیں وہاں لطف ہوگا کیونکہ وہاں کی لذات بھی غیر متناہی ہیں تھوڑی سی دیر میں ختم نہیں ہو جاتیں اور یہاں کی لذات متناہی ہیں تھوڑی دیر میں جی اُکتا جاتا ہے وہاں حسن بھی غیر متناہی ہے اور اسکا اشتیاق بھی غیر متناہی ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں	بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

(ترجمہ نہ اُنکے حسن کی کوئی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی انتہا ہے جیسے جلندھر والا پیاسا مر جاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے ایسے محبوب کا بیان باقی رہ گیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

پس وہاں یہ حالت ہوگی ؎

دلآرام در بر دلآرام جو — لب از تشنگی خشک و برطرف جو

(ترجمہ محبوب گود میں اور محبوب کو ڈھونڈ رہے ہو۔ نہر کے کنارے پر کھڑے ہیں اور ہونٹ پیاس سے خشک ہیں ۱۲ محمد صابر)

نہ گویم کہ بر آب قادر نیند — کہ بر ساحل نیل مستسقی اند

(ترجمہ یہ تو ہم نہیں کہتے ہیں کہ پانی پر قادر نہیں بلکہ جلندھر والے کی طرح دریائے نیل کے کنارہ پر ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہ عین وصل کے اندر اشتیاق ہوگا اور طلب ہوگی اسلئے وہاں جی نہ بھریگا جس قدر مشاہدہ ہوگا اُسی قدر اشتیاق ہوگا۔ اور یہاں چاہے کیسی ہی کیفیت ہو جی اکتا جاتا ہے۔ اگر وہ کیفیت مقصود بالذات ہو تو بوجھ تک نہیں رہتی انس و قرار ہو جاتا ہے اور جو کیفیات غیر مقصود ہیں اُن سے جی بھر جاتا ہے۔ وہ تو چٹنی ہیں چٹنی ہر وقت نہیں کھائی جاتی کبھی کبھی منہ کا مزہ بدلنے کیلئے استعمال کرلی جاتی ہے اور نماز روزہ اصل ہے اُن سے جی نہیں اکتاتا مگر انس و قرار ہو جاتا ہے۔ تو غرض عید کا مہینہ ہونا سمجھ میں آگیا کہ دن کو روحانی غذا اور رات کو جسمانی غذا ملتی ہے۔ اسی واسطے شھرا عید (ترجمہ عید کے دو نوں مہینے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) فرمایا۔ آگے فرماتے ہیں لاینقصان یعنی کم نہیں ہوتے۔ کم ہونیکے کیا معنی کہ انتیس روزے بھی ہونگے تو ثواب تیس کا ملیگا۔ پس یہاں زر زر کشد (ترجمہ روپیہ روپے کو کھینچتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) صادق آتا ہے مولانا نظامیؒ نے ایک شخص کی حکایت لکھی ہے کہ ؎

۱۰۹

شنیدہ ز پیران دینار سنج — کہ زر زر کشد در جہاں گنج گنج

کہ ایک بیوقوف نے کسی سمجھدار کا یہ مقولہ سُنا کہ زر زر کشد روپے کو روپیہ کھینچتا ہے یہ سُنکر دلمیں خیال کیا کہ بھئی یہ تو بڑی اچھی تجارت ہے اب یہی کرینگے ایک مقام پر ایک روپیہ لیکر صراف کے یہاں آیا دیکھا روپیوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ اُس میں اپنا روپیہ پھینک کر کھڑا ہو گیا کہ اب یہ روپیہ دوسرے روپیوں کو گھسیٹ کر لائیگا۔ اُن کے نزدیک وہ بیل ہے کہ بس تھیلی گھسیٹ لائیگا۔ تکتے رہے ہیں وہ کسی طرح لا نہیں چکتا۔ جب مایوس ہو گیا تو رونے لگا۔ صراف نے پوچھا کیا ہے کہا میں نے سُنا تھا کہ زر زر کشد۔ اس لئے میں نے اپنا روپیہ پھینکا مگر وہ اب تک لایا نہیں۔ صراف نے کہا ارے بیوقوف تھوڑے روپے کو بہت روپیہ کھینچتا ہے (روپیہ روپیہ کو کھینچتا ہے ۱۲ ص) بہت کو تھوڑا نہیں کھینچتا۔ جاؤ بس میرے روپیوں نے تمہارے روپے کو کھینچ تو لیا۔ اب کیوں کھڑے ہو۔ بیٹھ کر چپ ہورہے۔ اپنا روپیہ بھی کھو کر چلے آئے۔ اس صراف کے نزدیک تو تھوڑے کو بہت کھینچتا ہے اور بہت کو

تھوڑا نہیں کھینچتا۔ مگر خدا کے یہاں دونوں قاعدے ہیں تھوڑے کو بہت بھی کھینچتا ہے جیسا
یہاں نو دن کے ثواب نے دسویں دن کے ثواب کو بھی کھینچ لیا۔ اور بہت کو تھوڑا بھی کھینچتا ہی جیسے اول
پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں۔ پھر اخیر میں ارشاد ہوا کہ ھی خمس وھی خمسون یعنی پانچ کو پچاس
کے برابر کر دیا گیا۔ پانچ رکعت کے تھوڑے ثواب نے پچاس رکعت کے بہت ثواب کو کھینچا۔ پھر اور رحمت
دیکھئے کہ اصل میں یہ قانون خاص نماز کیلئے اس لئے مقرر کیا تھا کہ حسرت نہ ہو کہ ہائے نماز گھٹ
گئی تو ثواب بھی گھٹا ہوگا۔ اسلئے بتلا دیا کہ ثواب ان پانچ میں بھی اتنا ہی ملیگا جتنا پچاس میں ملتا
سو اصل میں تو یہ قاعدہ فقط نماز کیلئے مقرر کیا تھا مگر اسکے بعد عنایت دیکھئے کہ فرماتے ہیں کہ ہم
اس قاعدہ کو عام کئے دیتے ہیں کہ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا کہ ایک نیکی کرو ہم ثواب
دس کا دینگے پانچ کو دس میں ضرب دو تو پچاس ہوتے ہیں کیا ٹھکانا ہی اس رحمت کا ایک پیسہ دو
دس کا ثواب ملیگا۔ ایک قرآن پڑھو دس قرآن کا ثواب ملیگا۔ بلکہ ایک ایک حرف پر دس دس
نیکیاں ملیں گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک ایک حرف کو ایک ایک نیکی قرار دیا ہی۔ پھر وہ دس کی
برابر کیگئی۔ غرض پانچ تھوڑا عدد تھا۔ اُس نے پچاس کو گھسیٹا اور اعتکاف میں نو نے دسویں کو ۱۱۰
کھینچا۔ اسی طرح دوسرے شہر عید کا حکم ہی کہ کسی نے ذیحجہ کی نویں تاریخ تک روزہ رکھنا چاہا اور اول
تاریخ سے شروع کیا بعد میں معلوم ہوا کہ چاند انتیس ۲۹ کا ہوا ہی اسلئے آٹھ ہی روزے رکھنے پایا مگر ثواب
نو ہی کا ملیگا۔ بہر حال یہ ہی عشرۂ اخیرہ جسکو سنت کے طور پر معین کیا گیا ہی۔ پس رمضان کے متعلق
ایک یہ عبادت ہی جو ابتداءً شارع کیجانب سے لازم کی گئی ہی۔ اور اس اعتبار سے مخصوص ہی رمضان
المبارک کیساتھ۔ موافق اسلوب سابق (پہلے طریقے کیموافق ۱۲ محمد صابر) کے آج اسکی روح کا بیان کرنا مقصود
ہی۔ یہ جو میں نے آیت پڑھی ہی۔ اس میں غور کرنے سے اعتکاف کی روح کا پتہ لگتا ہی لیکن اگر ہم اس کے
قبل یہ مضمون کہیں اور نہ دیکھ لیتے تو ہمارا منہ نہ تھا آیت سے اسکے استنباط کرنیکا۔ پس ہمارا کوئی کمال نہیں
جیسے پکی روٹی کا چیرنا کیا مشکل ہی۔ کمال متقدمین کا ہی کہ اُنھوں نے ذخیرہ کر کے ہمارے لئے چھوڑ
دیا۔ غرض اعتکاف کی روح کیا ہی۔ اعتکاف کی روح خلوت ہی جو مجاہدہ کا ایک جزو ہے کیونکہ مجاہدہ
کی مجموعی حقیقت کیا تھی۔ وہ یہ تھی قلۃ الطعام (کم کھانا) قلۃ المنام (کم سونا) قلۃ الکلام (کم بولنا) قلۃ الاختلاط
مع الانام (لوگوں سے کم میل جول کرنا ۱۲ محمد صابر) تو یہ بیان گویا سابق کے سے تخصیص بعد تعمیم ہے۔

پہلے چار جزو مجاہدہ کے بیان کئے تھے اُن میں سے ایک جزو قلۃ الاختلاط مع الانام تھا۔ یعنی لوگوں سے کم ملنا۔ نہ ملنا نہیں۔ بلکہ کم ملنا۔ یہ غلطی کی جوگیہ نے اور حکمائے اشراقیین نے کہ وہ ترک اختلاط (ملنے کے چھوڑنے ۱۲ محمد صابر) ہی کو مجاہدہ سمجھے اور اس کی مضرت انہیں یہ ہوئی کہ تعلیم و تعلم سے محروم ہو گئے وہ خود جو مجاہدہ چاہتے تھے تجویز کر لیتے تھے اپنے کو کسی کا محتاج نہیں سمجھتے تھے فَرِحُوا بِمَا عِندَهُم (ترجمہ اپنے علم پر اترا گئے جو ان کو تھا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسکے عموم میں حکمائے یونان بھی داخل ہیں کہ انہیں اپنے علم پر ناز تھا اترا گئے تھے۔ اسی لئے ٹھوکریں کھائیں اور غلطی میں مبتلا رہے انہیں تو اپنے اتنے سے علم پر اسقدر ناز اور حضور سے زیادہ کس کا علم ہوگا مگر باوجود اس کے ایک مرتبہ ایک صحابی سے فرماتے ہیں کہ میں رات کو ایک آیت بھول گیا تھا تمہارے پڑھنے سے یاد آگئی۔ خدا تعالیٰ نے ایک گونہ آپ کی بھی احتیاج ظاہر کر دی کہ ایک آیت بھلا دی تاکہ اور بندے انہیں خدا نہ سمجھیں جب حضور کو حاجت تھی تو اور کون وہ ہے جو کہے مجھے حاجت نہیں۔ افلاطون بہت بڑا اشراقی تھا کہ بالکل خلوت میں رہتا تھا کیا خاک اشراق (روشنی باطن ۱۲ ص) تھا۔ اشراق تو اس امت کا ہے کہ خلوت در انجمن (ترجمہ محفل میں تنہائی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کا مرتبہ حاصل ہے ؎

گرباہمہ چوبا منی بے ہمہ　　گر بے ہمہ چو بے منی با ہمہ

(ترجمہ اگر تم مخلوق میں مشغول ہو مگر دل ہماری طرف متوجہ ہے تو تم خلوت نشین ہی ہو اور اگر خلوت نشین ہو کر تمہارا دل مخلوق کی طرف متوجہ ہے تو خلوت نشین نہیں ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اسی کو زیادہ تفصیل سے عارف شیرازی کہتے ہیں ؎

چو ہر ساعت از تو بجائے رود دل　　بہ تنہائی اندر صفائی نہ بینی

(ترجمہ جب تمہارا دل ہر گھڑی ایک جگہ جاتا ہے تو تم تنہائی میں صفائی نہیں حاصل کر سکتے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ورت مال و جاہ است و زرع و تجارت　　چو دل با خدا ست خلوت نشینی　(جامع)

(ترجمہ اور اگر تمہارے پاس مال و دولت ہے اور تجارت و زراعت کرتے ہو جب دل خدا سے لگا رکھتا ہے تو تم خلوت نشین ہی ہو ۱۲ محمد صابر)

یعنی اگر تم سب کے پاس بیٹھے ہو مگر قلب میری طرف متوجہ ہے تو میرے ساتھ ہو لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللّٰهِ انہیں بیع و شرا خدا کے ذکر سے باز نہیں رکھتی۔ یہ ہے اس امت کی خلوت کہ جلوہ میں خلوۃ ہے۔ غرض افلاطون ایک پہاڑ پر اکیلا رہتا تھا ایک مصور نوکر رکھا تھا کبھی کبھی اُس سے تو ملاقات ہو جاتی

اور کسی سے بہت کم ملتا تھا۔ اگر کوئی ملنے کا قصد کرتا تھا تو اُسکی تصویر منگا کر اُسکے اخلاق معلوم کر لیتا تھا اگر ملنے کے قابل ہوتا تھا ملتا تھا۔ ورنہ جواب دیدیتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص کی تصویر دیکھ کر کہا کہ یہ ملنے کے قابل نہیں۔ اُس نے کہلا بھیجا کہ افلاطون کی رائے صحیح ہے پہلے میں ایسا ہی تھا۔ مگر اب میں نے اپنے اخلاق درست کر لئے ہیں۔ فراست بھی ایک علم ہے۔ افلاطون علم فراست کا ماہر تھا ممکن ہے کہ اصل میں علم صحیح ہو مگر اُسکے قواعد بدلیل صحیح ثابت و منقول نہونے سے غیر معتبر کہا جاویگا جس طرح رمل بھی فی نفسہ ایک علم صحیح تھا چنانچہ حدیث میں ہے کہ بعض انبیاء اسکو جانتے تھے۔ اسی طرح نجوم میں بھی احتمال ہے۔ مگر چونکہ اس کے قواعد اب مندرس (ترجمہ نیست و نابود ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہو گئے ہیں اسلئے شریعت نے اُسے ناجائز قرار دیا۔ بس ایسے ہی علم فراست بھی شاید علوم سماویہ میں سے ہو بطور کشف کے بزرگوں کو اب بھی ہوتا ہے اسی طرح کتابوں میں جو اس کے متعلق لکھا ہے وہ بھی کبھی کبھی صحیح نکلتا ہے حضرت امام زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ بھی علم فراست رکھتے تھے ایک مرتبہ سفر میں سر راہ آپکو ایک شخص ملا بہت ادب سے سلام کیا اور ہاتھ چومے اور اُس نے درخواست کی کہ غریب خانہ پر چند روز قیام فرمائیں آپ نے سراپا دیکھا علم فراست کی رو سے وہ شخص ملنے کے قابل نہ تھا۔ مگر اہلبیت کے اخلاق نہایت وسیع تھے آپ نے منظور فرما لیا مگر اس شخص کی

111

ظاہری مدارات سے بہت تعجب ہوا۔ اُسکے مکان پر تشریف لیگئے بڑی خاطر کی دو تین روز کے بعد جب چلے اُس نے ایک پرچہ حساب کا پیش کیا کہ آپکی مہمانی میں اتنا خرچ ہوا۔ شرعاً تو آپ پر اُسکو کچھ دینا واجب نہ تھا۔ مگر وسعت اخلاق کیوجہ سے جواب گوارا نہ کیا۔ رقم پاس نہ تھی حساب کیا تو گھوڑا مع سامان اُسکے برابر نکلا۔ گھوڑا سپرد کر کے چلے آئے۔ اہلبیت کیساتھ یہ حرکت۔ یزید تھا بلکہ یزید علے یزید۔ (ترجمہ یعنی یزید سے بڑھا ہوا تھا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تو غرض علم فراست بھی ایک علم ہے بزرگوں کو بکثرت ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے اخلاق کیموافق ہاتھ پاؤں پیدا کئے ہیں کہ دیکھتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکے ایسے اخلاق ہیں۔ چنانچہ افلاطون کو اُس شخص کی تصویر سے پتہ اُسکے اخلاق کا چل گیا۔ افلاطون کی فراست کی اُس نے بھی تصدیق کی اُسکے بعد پھر افلاطون نے اُسے اپنے پاس بلایا اور اُس سے ملا۔ حاصل یہ کہ ضرر اُسے ایسی خلوت سے یہ ہوا کہ اُسکا نفع بھی منقطع ہو گیا اور اُس سے نفع بھی بند ہو گیا۔ حدیث شریف میں ہے لا خیر من لا یألف ولا یؤلف یعنی اُس شخص میں بالکل خیر نہیں جو نہ خود لوگوں سے مانوس ہو نہ اُس سے لوگ مانوس ہوں ایسی خلوت سے صرف قوت متخیلہ کامل ہو جاتی ہے و بس۔ چنانچہ افلاطون کی بھی ایک حکایت سنی ہے کہ ایک بادشاہ

افلاطون کے پاس آیا اُس نے کہا کہ آپ اس طرح سب سے علیحدہ رہتے ہیں آپ کو تکلیف ہوتی ہوگی آپ ہمارے یہاں تشریف لے چلیئے ہم آپکی خلوت کیلئے عمدہ انتظام کردیں گے۔ افلاطون نے معذرت کرکے انکار کردیا۔ بادشاہ نے اصرار کیا۔ افلاطون نے کہا اچھا پہلے آپکی دعوت ہی بادشاہ نے اپنے جی میں کہا کہ اسکے دماغ میں خلل ہے دعوت کرینگے بڑے افلاطون بنے ہیں۔ خیر قبول کیا اسکے بعد کہا کہ مع آپکے لشکر کے۔ بادشاہ کو بڑا ہی تعجب ہوا اور اسکو قریب یقین کے ہوگیا کہ یہ مجنوں ہے۔ خیر یہ بھی منظور کیا۔ پوچھا کس دن۔ کہا فلاں دن۔ جب وہ دن ہوا تو بادشاہ مع اپنے لشکر کے اُس پہاڑ کی طرف چلا۔ دیکھا کئی میل سے بڑے سامان ہیں۔ نقیب اور چوبدار سب ہی کچھ ہیں۔ خیر یہاں پہنچا تو ایسا سامان دیکھا جو کبھی اس سے پہلے نہ دیکھا تھا۔ خدام نہایت اکرام سے بادشاہ کو مع لشکر کے لیگئے۔ کھانا کھلایا گیا۔ اسکے بعد ہر شخص کو ایک ایک کمرہ اُسکے مرتبے کیموافق آراستہ اور ایک ایک عورت شب باشی کیلیئے دی گئی۔ بادشاہ کو یہ سب دیکھ کر تعجب بڑھتا گیا ع ایں چہ می بینم بہ بیداری است یا رب یا بخواب۔ (ترجمہ یہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں یا رب یہ بیداری ہے یا خواب میں ۱۲ محمد صابر غفر لہٗ)

صبح کو آنکھ جو کھلی تو نہ وہ کمرہ ہے نہ وہ عورت۔ کپڑے گندے۔ گھاس کا پولا بغل میں دبا ہوا۔ بھوک کے مارے اُٹھا نہیں جاتا۔ تو کیا تھا۔ افلاطون نے فقط خیال کیا تھا کہ انکے دماغ میں یہ صورتیں سما جاویں سما گئیں مسمریزم کی قوت تھی۔ لاکھوں آدمیوں کے دماغ میں ایکدم سے اتنا بڑا تصرف کردیا۔ میرے ایک ماموں صاحب ذکر کرتے تھے کہ ایک انگریز لڑکی ہے مسمریزم جانتا تھا۔ اُس نے ایک بار بہت آدمیوں کے مجمع میں کہا کہ میں ہاتھ ہلاؤنگا مگر تم لوگ مت ہلانا۔ اُس نے ہاتھ ہلانا شروع کیا۔ اُس کے ہاتھ کے ساتھ سب کا ہاتھ ہلتا تھا۔ لوگ روکنا چاہتے تھے مگر رُکتا نہ تھا۔ یہ سب قوت متخیلہ کا اثر ہے اُس نے اپنے دماغ میں یہ خیال کرلیا تھا کہ سب کا ہاتھ ہلے۔ گو زبان سے کہدیا تھا کہ نہ ہلے۔ وہ لوگ اُسکے خیال کی مخالفت پر قادر نہ ہوسکے۔ غرض حکماء کو خلوت میں بس یہ ملتا تھا کہ قوت متخیلہ اس قدر بڑھ جاتی تھی۔ اُن کی یہ خلوت تھی جس میں افراط تھا۔ یہ سبک ترک الاختلاط۔ اس کا نتیجہ اخلاق کا خراب ہونا ہے۔ شریعت نے ایسی خلوت سے روکا اور اس کا نام تبتل رکھا ہے۔ کچھ لوگوں نے حضورؐ سے اس قسم کی خلوت کی اجازت چاہی تھی مگر آپ نے اجازت نہیں دی کہ اس میں سخت ضرر تھا۔ چنانچہ ایک حضرت عثمانؓ بن مظعون ایک صحابی بیان کرتے ہیں۔

ولو اذن لہ لاختصینا یعنی اگر اُن کو تبتل کی اجازت دیتے تو ہم تو خصی بن جاتے اور بھی اسکے علاوہ بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے عجب پیدا ہو جاتا ہی۔ کیونکہ اس میں ایک شان امتیاز کی ہر اوروں کی نظر میں بڑا ہو جاتا ہی۔ یہ کتنی بڑی بلا ہے کہ لوگ تو اُسے عظیم سمجھیں اور یہ سب کو حقیر جانے۔ پھر جانبین سے نفع بند۔ اور یہ خرابیاں ملنے والے آدمی میں نہیں ہوتیں بلکہ وہ اُن سے بھی نفع حاصل کر سکتا ہی۔ اُنکو بھی نفع پہنچا سکتا ہے۔ اُنکی خدمت کر سکتا ہے ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست ۔۔۔ بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

(ترجمہ طریقت خدمت خلق کا نام ہی تسبیح مصلے اور گدڑی کو نہیں کہتے ۱۲ محمد صابر عفرلہ)

غرض ترک اختلاط (میل جول چھوڑنے ۱۲ محمد صابر) میں تو یہ خرابیاں۔ اور زیادہ اختلاط میں بھی خرابیاں تھیں۔ شریعت نے یہ اعتدال کیا کہ خلوت صرف قلۃ الاختلاط مع الانام (مخلوق کیساتھ کم ملنے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کا نام رکھا بالکل نہ ملنے سے بھی منع کر دیا اور اطلاق کے ساتھ ملنے سے بھی روکدیا۔ کہ لاخیر من لایلف ولایولف (ترجمہ یعنی اُس شخص میں بالکل خیر نہیں جو نہ خود لوگوں سے مانوس ہو نہ اس سے لوگ مانوس ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) دوسری حدیث میں ہے الوحدۃ خیر من جلیس السوء والجلیس الصالح خیر من الوحدۃ (ترجمہ بُرے ساتھی سے تنہائی بہتر ہے اور نیک ساتھی تنہائی سے بہتر ہی ۱۲ محمد صابر)

اس حدیث نے دونوں جزو صاف کر دیے۔ سبحان اللہ کیسا پاکیزہ فیصلہ ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے جو شریعت پر بالکل صادق آتا ہی ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم ۔۔۔ کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

(ترجمہ سر سے پیر تک جس جگہ نظر کرتا ہوں کرشمہ دامن دل کو کھینچتا ہی کہ یہی جگہ محبوبیت کی ہی۔ یعنی اس کا وہ حسن ہی کہ ہر پہلو سے محبوبیت برستی ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

قصیدہ بانت سعاد میں اپنی معشوقہ کے اعتدال اعضا کی نسبت کہا ہی۔ خیر اُس میں تو ایسا اعتدال ہو یا نہ ہو مگر شریعت پر وہ مضمون پورا صادق آتا ہے ؎

ھیفاء مقبلۃ عجزاء مدبرۃ ۔۔۔ لا یشتکی قصر منہا ولا طول

کہ وہ ہر وضع میں حسین اور ہر حال میں جمیل ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) نہ تو وہ بہت ٹھگنی ہی نہ بہت لمبی ہی ناسخ و آتش لکھنؤ کے بڑے شاعروں میں سے تھے کہیں ناچ میں گئے۔ جو عورت اُس وقت گا رہی

۱۱۴

تھی لمبی بہت تھی۔ شاعروں کی طبیعت شوخ ہوتی ہی ان میں سے ایک صاحب کہہ بیٹھے
ع طول شب فرقت سے بھی دوہاتھ بڑی ہے۔ اُس بیچارے نے بھی سن لیا کچھ کہنے کے ارادہ سے
کہا میاں پھر کہنا کیا کہا اُنھوں نے پھر پڑھ دیا ع طول شب فرقت سے بھی دوہاتھ بڑی ہے۔
دوسرے نے فضیحت (رسوائی ۱۲ اص) کے خیال سے جھٹ یہ مصرعہ لگادیا ع وہ زلف مسلسل جو ترے
رُخ پہ پڑی ہے۔ تو یہ دوست تھے جنھوں نے دوست کی آبرو بچائی ع دوست آں باشد
کہ گیرد دست دوست (ترجمہ دوست وہی ہے جو اپنے دوست کی امداد کرے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) تو انھوں
نے دوست کا دست سنبھال لیا کہ بہنے نہ پائے۔ غرض شاعر کہتا ہی ع لا یشتکی قصر منہا
ولا طول (ترجمہ نہ وہ بہت ٹھگنی ہی نہ بہت لمبی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) ایسا اعتدال اوروں کیلئے تو فرضی
ہے مگر شریعت کیلئے حقیقی ہے کہ اسکی ہر بات افراط وتفریط کے درمیان وسط ہی اور وسط بھی بحرکت
سین یعنی وسط حقیقی۔ کیونکہ ایک تو ہے وسط بسکون السین (ترجمہ سین کے جزم کیساتھ ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)
یعنی وسط مطلق اور ایک وسط ہی بفتح السین۔ یہ ہی وسط حقیقی اسی واسطے مشہور ہے کہ اَلْوَسْطُ مُتَحَرِّکٌ
یعنی متعین نہیں کہ ادھر اُدھر ہو سکتا ہی اور اَلْوَسَطُ سَاکِنٌ یعنی متعین ہی۔ میں نے اس سی بھی زیادہ لطیف
کردیا کہ اَلسَّاکِنُ مُتَحَرِّکٌ وَالْمُتَحَرِّکُ سَاکِنٌ (ترجمہ یعنی ساکن متحرک ہی اور متحرک ساکن ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اور وسط
بسکون السین پر چلنا آسان ہوتا ہی اور جب اُسے بدلدو یعنی سین کا فتح کردو تو پھر مشکل ہوتا ہی کیونکہ وسط
حقیقی ایک غیر منقسم چیز ہے کیونکہ اگر اسکی تقسیم ہوگی تو پھر اُس میں بھی طرفین اور وسط نکلیگا۔ حالانکہ اس کو
وسط حقیقی فرض کیا تھا ھذا خُلف (ترجمہ یہ فرض کئے ہوئے کیخلاف ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اور ظاہر ہی کہ غیر منقسم پر چلنا
جیسا دشوار ہی۔ چنانچہ اگر کوئی کہے کہ سڑک پر اس طرح چلو کہ جو بیچوں بیچ کا سیدھا خط ہی اُس سے ادھر اُدھر
نہ ہو تو بہت مشکل ہی ہاں اگر کسی نے وسط حقیقی میں ایک ڈورا کھینچ دیا تو اب اسکی سیدھ پر چلنا آسان ہی اور شریعت
کی حقیقت ہی وسط حقیقی چنانچہ شریعت نے ہر چیز میں ایک وسط نکالا۔ جبن (بزدلی ۱۲ اص) و تہور (قوت غضبی کی زیادتی ۱۲
محمد صابر غفرلہٗ) میں شجاعت۔ خمود و فجور میں عفت وسط نکالا ہے۔ اسی طرح جربزہ و بلاہت میں حکمت وسط
نکالا ہی۔ یعنی جربزہ تو یہ ہی جیسا کہ کسی طالب علم نے تیلی سے پوچھا تھا کہ بیل کے گلے میں گھنٹی کیوں باندھی
اُسنے کہا کہ جبتک گھنٹی کی آواز آتی رہتی ہے یہ معلوم رہتا ہے کہ یہ چل رہا ہی۔ اُس نے کہا اگر یہ کھڑا ہو کر خالی گردن
ہلایا کرے۔ اور جیسے کسی طالب علم نے اپنے باپ سے کہا کہ میں دو انڈوں کے سوا انڈے بنا سکتا ہوں

اُنہوں نے کہا اچھا بتاؤ۔ آپ نے کہا ایک یہ ایک اور ایک ان کا مجموعہ یہ تین ہوئے پھر تین وہ اور ایک اُن تین کا مجموعہ وھلم جرا الی ما لا یتناھی (ترجمہ اسی طرح غیر متناہی تک قیاس کرلو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) یا ایسے اُن کی معقول کو ماکول (ترجمہ کھایا ہوا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) کر دیا کہ اُن دونوں میں سے ایک تو خود کھالیا ایک دوسرے بیٹے کو دیدیا اور اُن سے کہا وہ اٹھا لوئیں آپ نوش فرمائیں۔ وہ انڈے کیسے تھے کہ اُن سے یہ اندھے ہو گئے کہ اب انہیں نظر نہ آئے جیسے کسی اُستاد نے ایک بھینگے شاگرد سے کہا کہ ذرا فلانی بوتل تو اُٹھا لاؤ۔ اُس نے کہا وہاں تو دو ہیں کونسی اُٹھا لاؤں۔ بھینگے کو ایک کے دو نظر آیا کرتے ہیں۔ اُستاد نے کہا نہیں ایک ہی ہے۔ اُس نے کہا دو ہیں۔ اُستاد نے کہا اچھا دوسری بوتل توڑ ڈالو اُس نے ایک توڑی وہ دونوں ٹوٹ گئیں۔ اسی طرح ان کو بہت سے انڈے نظر آتے تھے کہ دو غائب ہوتے تو سب ہی غائب ہو گئے یہ جربزہ کہلاتا ہے یہ عقل کا ہیضہ ہے ایک اکل کا ہیضہ ہوتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک بلاہت ہے کہ کچھ خبر ہی نہو بہت سے بزرگ ایسے ہوتے ہیں۔ مگر یہ کمال نہیں۔ چنانچہ کوئی نبی بھولا نہیں ہوا نہایت دانشمند اور بیدار مغز ہوئے ہیں میرے ایک دوست نہایت بھولے تھے میں نے اُن سے پوچھا کہ تمہاری بیوی عورت ہے یا مرد۔ کہنے لگے بظاہر عورت معلوم ہوتی ہے میں نے کہا کہ کیسے معلوم ہوا کہ عورت ہے۔ کہنے لگے کہ وہ نتھ پہنے ہوئے تھی۔ اگر وہ نتھ نہ پہنے ہوئے ہوتی شاید یہ اُسے مرد سمجھتے یا اُنکو کوئی نتھ پہنا دیتا تو یہ بھی اپنے کو عورت سمجھنے لگتے تو بعض ایسے بھولے ہوتے ہیں مگر کمال یہ ہے کہ نہ جربزہ ہو نہ بلاہت ہو دونوں میں وسط ہو جس کا نام حکمت ہے خیر الامور اوسطہا ۱۲ اسی طرح باقی امور کو لیلو۔ غرض شریعت نام ہے اعتدال حقیقی کا اور اس کا مقتضا جیسا کہ مذکور ہوا یہ تھا کہ اسپر چلنا نہایت دشوار ہو مگر خدا نے آسان کرنے کیلئے اُس وسط پر ایک ڈوری ڈالدی ہے جسکو وہ ڈوری نظر آرہی ہے اُسکو چلنا نہایت آسان ہے اور وہ ڈوری کیا ہے علم صحیح صحبت صالحہ۔ یہ وہ چیز ہے کہ اس سے وسط حقیقی نظر آجاتا ہے مرج البحرین یلتقیان بینہما برزخ لا یبغیان (ترجمہ اُس نے دو دریاؤں کو ملایا کہ ظاہر میں باہم ملے ہوئے ہیں اور حقیقت میں ان دونوں کے درمیان ایک قدرتی حجاب ہے کہ دونوں نہیں بڑھ سکتے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)۔

۵	بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں	.	درمیان شان برزخ لا یبغیان

(ترجمہ بحر تلخ اور بحر شیریں دونوں برابر جاری ہیں مگر اُن کے درمیان ایک ایسا پردہ حائل ہے جسکی وجہ باہم مختلط و مشتبہ نہیں ہونے پاتے ۱۲ محمد صابر)

تو شریعت بھی افراط و تفریط کے برزخ کا نام ہے۔ میں علم صحیح کی ایک مثال دیتا ہوں ایک صفت ہے

۱۱۶

ف (تمام امور میں جو افراط اور تفریط ہے وہ مذموم ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

غضب للنفس (ترجمہ نفسانی غرض سے غصہ کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور ایک ہے غضب للہ (ترجمہ اللہ کیلئے
غصہ کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ان دونوں میں خلط ہے۔ یہاں پر امتیاز کی ضرورت ہے مثلاً ہمنے ایک مسئلہ لکھا اُسکو
کسی نے رد کردیا ہمیں غصہ آیا۔ اور فی نفسہ ہمنے وہ مسئلہ صحیح لکھا ہے اس غصہ میں خلط ہے کہ آیا للہ ہے
کہ اُس نے حق کو رد کیا یا للنفس (ترجمہ نفس کیوجہ سے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہے کہ اُس نے ہمپر رد کیا سو ائمہ
طریقت واقعی بڑے حاذق طبیب تھے۔ وہ اسکا فیصلہ کرتے ہیں کہ اے عزیز غور کرکے دیکھ اگر اُسی مسئلہ میں
تیرے کسی معاصر مولوی پر یہی رد کیا جاتا اور خاص کر وہ معاصر جس کی ذلت سے تمہارا نفس خوش ہوتا ہو
اگر ایسے شخص پر یہی رد ہوتا تو آیا اُس وقت بھی تمکو ایسا ہی غصہ آتا یا نہ آتا۔ اگر سوچنے سے یہ معلوم ہو کہ آتا
تب تو یہ غضب للہ ہے اور اگر غصہ کم آتا تو آمیزش ہے اور اگر بالکل نہ آتا تو اُس وقت کا غصہ محض للنفس ہے
نفس کی شرارت اور بدمعاشی ہے۔ اسی طرح دوسرے اخلاق رذیلہ و اخلاق حمیدہ میں امتیاز کیواسطے
علم صحیح کی ضرورت ہے اور چونکہ شریعت نام وسط حقیقی کا اسی سے یہی صراط مستقیم بھی ہے کیونکہ
خط مستقیم کیلئے اقصر خطوط واصلہ بین النقطتین اور اوسط خطوط واصلہ ہونا ضروری ہے یعنی دو نقطوں
کے درمیان میں بہت سے خط کھینچو جو سیدھا ہوگا وہ سب سے چھوٹا بھی ہوگا اور وہی درمیان میں بھی ہوگا
اور یہی صراط مستقیم شریعت ہے جو قیامت میں بشکل صراط قائم ہوگا پس وہ شریعت ہی کی صورت مثالیہ ہے
اور یہی معنی ہیں اُسکے بال سے باریک ہونیکے کیونکہ بال تو پھر متجزی ہے اور شریعت وسط حقیقی ہونے
کیوجہ سے غیر متجزی (ترجمہ غیر منقسم محمد صابر غفرلہ) کیونکہ شریعت اتنا وسط ہے کہ اُسمیں پھر وسط نہیں
اسی واسطے قیامت میں بال سے باریک نظر آویگی باقی تلوار سے تیز ہونیکی حقیقت یہ ہے کہ چونکہ شریعت
نام ہے وسط حقیقی کا اور وسط حقیقی پر چلنا اس سے بھی زیادہ دشوار ہے جیسا کہ تلوار کی دھار پر چلنا۔
اسلئے وہ صراط دھار سے زیادہ تیز نظر آویگا۔ البتہ جن کو یہاں وہ ڈوری امتیاز کی عطا ہے جس سے چلنا
آسان ہوگیا تھا۔ چونکہ صراط وہی چیز ہوگی جسپر چلنے کے خوگر تھے اسلئے وہاں بھی اُسی درجہ میں اُنکو
صراط پر چلنا آسان ہوگا یعنی اگر یہاں برق کی طرح ہے تو وہاں بھی ہے اگر یہاں چلنے میں اٹکا تھا
تو وہاں بھی اٹکیگا اور جہنم میں گریگا۔

غرض شریعت کے اندر ہر امر میں اعتدال ہے چنانچہ اعتکاف کے اندر بھی نہایت اعتدال ہے
اور اسپر چلنے کی ڈوریاں نظر آنے کیلئے علم صحیح اور صحبت محققین کی ضرورت ہے کیونکہ وہ ڈوریاں

خورد دقیق ہیں کہ عینک بلکہ خوردبین سے نظر آتی ہیں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ بال کو خوردبین سے دیکھا تو منارہ کے برابر معلوم ہوتا تھا اور اسپر جو کیڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ بھیڑیے ہیں تو علم صحیح و صحبت محققین بھی خوردبین ہی۔ پھر جب غیر منقسم ڈوری اتنی بڑی نظر آنے لگیگی تو پھر چلنا کیا مشکل ہی تو علم صحیح اور اسپر صحبت کی جلا سے وہ ڈوری نظر آنے لگتی ہے ورنہ علم بغیر صحبت کے کافی نہیں ہوتا۔ دیکھو بلعم باعور کا اتنا بڑا عالم تھا کہ اُسکے وقت میں اُس جیسا نہ تھا مگر صحبت نہ ہونیسے ایسا بھٹکا کہ شیطان کی طرح مردود ہوا۔ اسی کو کہتے ہیں ؎

علم نبہی سر بسر قیل ست و قال　　نے از و کیفیتے حاصل نہ حال

(ترجمہ رسمی علم محض قیل و قال ہی نہ اس سے کوئی کیفیت حاصل ہو نہ حال ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت　　زنگ گمراہی ز دل بزدایدت

(ترجمہ علم وہی ہی کہ تمکو خدا کا راستہ دکھلاوے اور دل سے گمراہی کا زنگ دور کر دے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

ایں ہوسہا از سرت بیروں کند　　خوف و خشیت در دلت افزوں کند

(ترجمہ حرص و ہوا سے چھڑا کر تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت پیدا کر دے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

تو ندانی جز یجوز و لا یجوز　　خود ندانی کہ تو حوری یا عجوز

(ترجمہ تمکو یجوز (یہ چیز جائز ہے) اور لا یجوز (یہ چیز ناجائز ہی) کے سوا اپنی خبر نہیں کہ تم حور ہو یا عجوز یعنی مقبول ہو یا مردود ۱۲ محمد صابر)

اسی علم لفظی کی نسبت کہتے ہیں ؎

ایہا القوم الذی فی مدرسہ　　کل ما حصلتموہ وسوسہ

(ترجمہ جو کچھ مدرسہ میں علم (لفظی) حاصل کیا وہ وسوسہ ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

علم نبود غیر علم عاشقی　　ما بقی تلبیس ابلیس شقی

(ترجمہ علم عاشقی کے علاوہ جو علم بھی ہی وہ ابلیس شقی کی تلبیس ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اور وہی علم معنوی ہی جس کی نسبت مولانا فرماتے ہیں ؎

بینی اندر خود علوم انبیا　　بے کتاب و بے معید و اوستا

(ترجمہ بے کتاب اور بے معین و اُستاد کے اپنے اندر انبیا جیسے علوم پاؤ گے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اور جسکی ضد کی نسبت فرماتے ہیں ؎

جملہ اوراق و کتب در نار کن　　سینہ را از نور حق گلزار کن

(ترجمہ تمام کتابوں اور اوراق کو آگ میں جھونکو سینہ کو حق تعالیٰ شانہ کے نور سے گلزار کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

امیر خسرو فرماتے ہیں ؎

در مصحف روئے او نظر کن
خسرو غزل و کتاب تا کے

(ترجمہ محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو کتاب اور غزل میں کب تک مشغول رہوگے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

تو یہ علوم بدون صحبت کے میسر نہیں ہوتے ہمنے دیکھا ہے کہ بہت زیادہ پڑھے ہوئے ہیں اور محققین کی صحبت میسر نہیں ہوئی تو معمولی سی باتوں میں اُنسے غلطیاں ہوتی ہیں حدیث میں ہے کہ جسکو دیکھو زاہد ہے اور کم بولتا ہے اُسکے پاس بیٹھا کرو اُسکے قلب پر حکمت القا ہوتی ہے یعنی تمپر بھی اُسکا انعکاس ہوگا کیونکہ ایک قلب دوسرے قلب کا آئینہ ہے جو چیز ایک آئینہ میں نظر آئیگی دوسرے میں بھی نظر آئیگی ؎

ربط دادی سینہ را با سینہ
ربط ایں آئینہ با آئینہ

(ترجمہ اے مجید آپکا ایک سینہ کو دوسرے سینہ کیساتھ ربط دیا ایسا ہی جیسا ایک آئینہ کو دوسرے آئینہ کیساتھ ربط دیا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

نقش ایں آئینہ در دیگر پدید
کردی از صنع خود اے رب مجید

119

(ترجمہ اے اللہ آپنے اپنی صنعت سے اس آئینہ کا نقش دوسرے آئینہ میں ظاہر کیا یعنی ایک سینہ کی حکمت کا انعکاس دوسرے سینہ پر ہوا ۱۲ محمد غفرلہٗ)

لیکن شرط انعکاس کی یہ ہے کہ اپنے آئینہ کو جِلا کرلو ورنہ زنگار خود مانع ہوگا ؎

رو تو زنگار از رخ او پاک کن
بعد ازاں آں نور را ادراک کن

(ترجمہ قلب کو ماسوی اللہ کے زنگ سے پاک و صاف کرو پھر نور الٰہی کا تم کو ادراک ہوگا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

آئینہ ات دانی چرا غماز نیست
زانکہ زنگار از رخش ممتاز نیست

(ترجمہ تمہارے دل کے آئینہ پر تعلق ماسوا اللہ کا زنگ چڑھا ہوا ہے اسلئے اس میں صفائی نہیں ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

آئینہ کز زنگ آلائش جدا ست
پر شعاع نور خورشید خدا ست

(ترجمہ ایسے آئینہ قلب میں نور الٰہی تاباں ہوتے ہیں اور معارف و واردات اسپر اُترتے ہیں جو تعلق ماسوا اللہ کے زنگ سے پاک صاف ہے ۱۲ ص)

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ رومیوں اور چینیوں میں گفتگو ہوئی کہ صنعت میں کون بڑھا ہوا ہے بادشاہ کے پاس فیصلہ کیلئے گئے بادشاہ نے کہا دونوں اپنی اپنی صنعتیں دکھلاؤ ایک ایک برآمدہ آمنے سامنے دونوں کو دیدیا گیا اور درمیان میں پردہ حائل کردیا کہ ایک دوسرے کو نہ دیکھے چینیوں نے دیوار پر تمام نقش و نگار بنانا شروع کئے رومیوں نے تمام پلستر رگڑنا شروع کیا عین وقت تک دیوار پر کچھ نہ تھا

اور چینیوں نے بہت کچھ صناعی کر لی تھی۔ رومیوں نے اتنا کیا تھا کہ پلستر پر صیقل کر کے مثل آئینہ کی چمکدار کر دیا تھا جب امتحان و مقابلہ کی تاریخ آئی تو درمیانی پردہ اٹھا دیا گیا چینیوں کے تمام نقش و نگار رومیوں کی دیوار پر انکی دیوار سے اچھا نظر آتا تھا بس رومی جیت گئے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ تم بھی نفس پر صیقل کر لو تو سب کچھ تمہارے نفس میں بھی نظر آنے لگیگا۔ بلکہ وہاں تو باہر سے انعکاس ہوا تھا اور یہاں تو علوم خود پہلے سے تمہارے اندر ہیں صحبت و تجلیہ سے اُن کا ظہور ہو جاویگا اور دلیل اسکی کہ تمہارے اندر خود علوم پہلے سے موجود ہیں یہ ہے کہ دیکھو جب کبھی اُستاد کے سامنے بیٹھتے ہو اور وہ تقریر کرتا ہے تو کہتے ہو ٹھیک ہے اور طبیعت میں نشاط ہوتا ہے اور تصدیق ہوتی ہے پہلے علم سے چنانچہ ظاہر بھی ہے اور اسکا تائیدی مضمون ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے آپ سے کچھ سوالات کئے آپ نے جوابدیے تو وہ تصدیق کرتا تھا صحابہ رضؓ کو اُسکی تصدیق سے نہایت تعجب ہوا کیونکہ یہاں عجب اشکال ہے کہ اُسکے سوال سے تو معلوم ہوتا تھا کہ جانتا نہیں ورنہ سوال کے کیا معنی محض تحصیل حاصل ہے اور تصدیق سے معلوم ہوتا ہے کہ جانتا ہے ورنہ تصدیق کیسے کرتا کیونکہ تصدیق کیلئے پہلے سے جاننا ضروری ہے۔ خیر وہ تو جبرئیل علیہ السّلام تھے کہ جانتے تھے مگر انکی تخصیص نہیں بلکہ اسی طرح جب اُستاد کی تقریر کسی مضمون کے متعلق ہوتی ہے تو اگر تقریر صحیح و عمدہ ہے تو کہتے ہو ٹھیک ہے اور اگر کہیں غلط ہے تو فوراً طبیعت کھٹک جاتی ہے۔ تو اگر آپ پہلے سے نہیں جانتے تو اس انقباض و انبساط کے کیا معنے معلوم ہوا علوم آپکے اندر بھی فطری ہیں صرف اُستاد کی صحبت سے جلا ہوتا چلا گیا۔ جب پورا جلا ہو چکا تو ظاہر ہو گیا۔ تو اس بنا پر ہر شخص اپنی ماں کے پیٹ سے عالم ہی پیدا ہوتا ہے مگر وہ نقوش چھپے ہوئے ہیں جیسے ایک صفحہ کتاب کا ہے اُسپر مہرہ سکھا ہوا ہے جو ہیں وہ مہرہ اُٹھیگا تمام نقوش نظر آنے لگیں گے اسی طرح آپ کا نفس بھی ایک صفحہ ہے آپ اُسپر مہرہ پڑا رکھے ہوئے ہیں تو علوم آپ میں خارج سے نہیں آگئے۔ بلکہ نظر آگئے خدا نے لکھی لکھائی تختی دی ہے اگر لکھا نہ ہوتا تو تم کیا لکھتے اور تم کہاں لکھنے جاتے تمہیں تو آجتک یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ علم کس مقولہ سے ہے۔ اگر تم علم حاصل کرتے تو کم از کم اُس کا مقولہ تو معلوم ہوتا۔ کوئی کہتا ہے مقولہ کیف سے ہے کوئی کہتا ہے مقولہ انفعال سے ہے۔ کوئی کہتا ہے مقولہ اضافت سے ہے۔ کوئی کہتا ہے مختلف اعتبارات سے سب سے ہی ہے تو اگر تمہارا حاصل کیا ہوا ہوتا تو تم واقف ہوتے کہ کس مقولہ سے ہے ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند۔ اے میاں تمہارا حاصل کیا ہوا ہی نہیں جو تم مقولہ ڈھونڈتے پھرتے ہو۔ بہت سی

۱۳۰

کتابیں اسی تحقیق میں ہیں کہ عالم کون سے مقولہ سے ہی تمہیں وقت ضائع کرنیسے کیا فائدہ اپنی کام سے کام رکھو۔ اس سے کیا نفع کہ کون سے تورے کی لکھی ہوئی ہے کس خبط میں پڑے چھوڑو اگر یہ معلوم ہی ہوگیا تو کیا ہوا اسی کو کہتے ہیں ؎ در مصحف روئے او نظر کن ✤ خسرو غزل و کتاب تا کے (ترجمہ محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو کتابوں اور غزلوں میں کبتک شغل رکھوگے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎ حدیث و مطرب و می گو و راز دہر کمتر جو ✤ کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معمارا (ترجمہ محبوب حقیقی اور انکی محبت و معرفت کیطرف التفات کرو مسائل حکمیہ و اسرار دہر کی تحقیق کو چھوڑو اسلیئے یہ معمہ حکمت سے نہ کسی سے حل ہوا نہ حل ہوسکے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تو غرض یہ ہیں نقوش جو لوح نفس کے صیقل کرنے سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر جب وہ علوم ظاہر ہونا شروع ہوتے ہیں اسوقت اس لوح کی وہ شان معلوم ہوتی ہے جسکو مولانا فرماتے ہیں ع لوح حافظ لوح محفوظے شود (ترجمہ یعنی وہ شخص کہ زمانہ طلب میں لوح حافظ تھا کہ علوم و اسرار کو شیخ سے سنکر لوح قلب پر محفوظ رکھتا تھا بعد انکشاف علوم کشفیہ لدنیہ کے لوح محفوظ کے مثل ہوجاتا ہے۔ کہ من جانب اللہ اس میں علوم حقیقیہ کا انکشاف ہونے لگتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور وہ لوح محفوظ خود تو نہیں ہوتا مگر غایت تشابہ کی وجہ سے متحد کہدیا ؎

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی	تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(ترجمہ میں آپکا ہوگیا آپ میرے ہوگئے میں مثل تن کے ہوگیا آپ مثل جان کے ہوگئے تاکہ اسکے بعد کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ میں غیر ہوں آپ غیر ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور یہ تشابہ اس سے ہی ظاہر ہے کہ جس طرح لوح محفوظ حسًا بھی وسیع ہے ذہن گو صورۃً چھوٹی چیز ہے مگر معنیً اسمیں ایسی وسعت ہے کہ کبھی بھرتا ہی نہیں غیر متناہی تو نہیں مگر لا تقف عند حد ہے (ترجمہ کسی حد پر قرار نہیں پکڑتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) قطعہ لکھو رباعی لکھو جو کچھ لکھے کبھی بھرتا ہی نہیں تختی پر لکھو تو کبھی تو بھر جائیگی۔ یہ کبھی بھرتا ہی نہیں۔ جب لکھ چکو پھر جگہ موجود ہیں بالکل لوح محفوظ کی نظیر ہے ؎ دیکھو اللہ ہی چھوٹونکو بڑائی دیتا آسمان آنکھ کے تل میں ہے دکھائی دیتا۔

ایک دفعہ ایک منکر غیبیات نے مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ لوح محفوظ کتنی ہی بڑی مان لیجئے مگر کبھی تو ختم ہوجائیگی ہزاروں لاکھوں برس ہوچکے بیشمار چیزیں پیدا ہوئیں اور فنا ہوئیں۔ کہاں تک لوح محفوظ میں لکھا گیا ہوگا۔ مولانا نے فرمایا کہ تمہارا ذہن ہی یہ کبھی ختم نہیں ہوتا اسمیں تمنے کتنی ہی چیزیں بھریں مگر وہ ابھی تک خالی ہے تو لوح محفوظ تو ذہن سے بہت بڑی ہے۔ ہاں واقعی اتنے سے ذہن میں اسقدر

۱۲۱

گنجائش ہے کہ دلی۔ کلکتہ۔ زمین وآسمان یا سب کچھ سمایا ہوا ہے۔ اگر حصول الاشیاء بانفسہا (ترجمہ چیزوں کا ہو بہو حاصل ہونا ذہن میں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) نہ مانئے باشباحہا (ترجمہ یعنی ان چیزوں کی اشباح کا حاصل ہونا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے قائل ہوجئے تب بھی سبح دلی کی دلی کے برابر ہوگی جیسا سوچنے سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ ابھی ذہن پھٹا نہ سہی کہ اشیا یا اشباح لطیف ہیں۔ تب بھی اتنا بڑا آسمان اتنی بڑی زمین اتنی بڑی دلی۔ ذہن اتنا بڑا آکہاں سے ہوگیا تو لوح محفوظ میں تمام چیزوں کا سما جانا کیا مشکل ہے۔ تو ذہن محض اس وسعت میں تو سب کا متشابہ لوح محفوظ کے ہے مگر علم صحیح سے خاص باعتبار علوم عالیہ کے بھی بالکل سچا نمونہ لوح محفوظ کا ہوجاتا ہے اور اسی نشان کے بعد دوری نظر آنے لگیگی۔ غرض یہ تین چیزیں ہوئیں جن سے اعتدال حقیقی پر چلنا آسان ہے صحبت محققین۔ اتباع شریعت۔ علم صحیح۔ الغرض شریعت نے جو خلوت تعلیم کی ہے اُس میں عجیب اعتدال کی رعایت کی ہے اور شریعت نے اُس کو خلوت[1] سے تعبیر نہیں کیا اور لفظ خلوت اصطلاح صوفیہ کی ہے بہرحال چاہے خلوت سمجھو یا وحدت کہو ایک ہی چیز ہے ؎

۱۲۳

عبارتنا شتی وحسنک واحد　　وکل الی ذاک الجمال یشیر

(ترجمہ عنوانات مختلف ہیں معنون ایک ہی جمال محبوب ہے ہر ایک عنوان اسی جمال کی طرف اشارہ کرتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شریعت نے لفظی آداب کی بھی بڑی رعایت کی ہے حدیث میں آیا ہے اگر کسی کا جی متلائے تو قلست نفسی (ترجمہ میرا جی متلا رہا ہے ۱۲ محمد صابر) کہے خبثت نفسی (ترجمہ میرا جی برا ہے ۱۲ محمد صابر) نہ کہے کیونکہ خبث ذرا ادب کیخلاف ہے اسی واسطے شریعت نے خلوت نہیں کہا کیونکہ اُس وقت وہ خالی نہیں[2] ہوتا۔ اُس میں تو نور بھرا جاتا ہے اور صوفیہ نے صرف عنوان اصطلاح کے طور پر مقرر کیا ہے ورنہ معنی خلو کے وہ بھی قائل نہیں چنانچہ عنوان میں تو یہ کہا ہے ؎

خلوت گزیدہ را بتماشہ چہ حاجت است　　چوں کوئے دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

(ترجمہ خلوت نشین کو تماشہ کی کیا حاجت ہے جب محبوب کے دربار میں تو جنگل کی کیا ضرورت ہے یعنی تارکان تعلق ماسوا اللہ کو کثرت کیطرف التفات نہ چاہئے اور اس لیے التفاتی کیلئے اسکی ضرورت نہیں کہ بستی چھوڑکر جنگل میں جا رہے بلکہ توجہ الی الحق کافی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

[1] اس پر شبہ نہ کیا جائے کہ حدیث میں ہے ذکر اللہ خالیاً اور یہ مادہ خلوت سے ہے مطلب یہ ہے کہ جس معنی میں گفتگو ہے جس کو عزلت یعنی اکثر تنہا رہنا اس میں لفظ وحدت مستعمل ہوا ہے لفظ خلوت نہیں آیا اور اس حدیث میں غالباً اس معنی میں مستعمل نہیں ہوا بلکہ مطلق تنہائی کے معنی میں آیا ہے بدون اُسکے کہ اسکی عادت ہو ۱۲ منہ

[2] اور غالبا کے استعمال سے شبہ نہ ہو وہاں ذکر اللہ خود نفی دخلو منفی کی کررہا ہے پس اس قرینہ کے ہوتے ہوئے شبہ نہیں ہوسکتا ۱۲ منہ

اور مثنوی کے اخیر میں ہے ہوتیکو اس طرح کہا ہے ؎

ستم است گر ہوست کشد کہ بسیر سرو سمن درآ	تو زغنچہ کم نہ دمیدۂ در دل کشا بہ چمن درآ

تمہارے اندر خود چمن ہے اُس کا پھاٹک تمہارے ہاتھ میں ہے جب جی چاہے سیر کرلو مولانا فرماتے ہیں
اے برادر عقل یکدم با خود آر دمبدم در تو خزاں است و بہار ترجمہ اے بھائی تھوڑی دیر کیلئے ذرا عقل کو
درست کر کے دیکھو خود تمہارے اندر دمبدم خزاں و بہار موجود ہے ۱۲ (محمد صابر غفرلہ) تم کیا اس ظاہری خزاں و
بہار کو لئے بیٹھے ہو تمہارے اندر خود خزاں بھی ہے بہار بھی ہے تو واقعی تم کیا اس ظاہری خزان و بہار کو لئے
بیٹھے ہو تمہاری شریعت نے وحدت و عزلت نام رکھا ہے۔ عزلت کا لفظ بھی خلوت پر دال نہیں۔ بہرحال کتاب
و سنت میں یہ دونوں لقب یعنی وحدت و عزلت مذکور ہیں اور وہ صوفیہ کی اصطلاح میں ہے۔ یعنی لفظ خلوت
تو یہ روح ہے اعتکاف کی۔ اور روح اس معنی کر نہیں کہ مجرد عن الجسد (ترجمہ جسم سے مجرد ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہو بلکہ
اُسکا نفع مشروط ہے اس جسد خاص یعنی اعتکاف کیساتھ جو خلوت معتدلہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خلوت
بھی ہے جلوت بھی ہے (پھلو نکتا ۱۲ منہ) سبحان اللہ کیسی اچھی طرح اعتدال کو ظاہر کردیا پھر یہ رحمت ہے کہ اُس اعتدال کو
مفسر بھی فرمادیا یعنی اجمالاً۔ یہیں اس طرح مکلف نہیں کیا کہ کچھ ملنا اور کچھ نہ ملنا نہیں بلکہ اُس کی
مدت اور صورت بتلادی۔ اگر یہی حکم ہوتا کہ کچھ ملنا کچھ الگ رہنا تو بڑی مصیبت ہوتی اس کچھ میں بڑا اختلاف
ہوتا جیسا ایک قصہ ہے کہ کسی شخص کے یہاں اُنکے ایک عزیز مہمان آئے تو اُنہوں نے فہمائش کردی کہ
دیکھو یہاں کسی سے کوئی معاملہ نہ کرنا یہاں کے لوگ بڑے چالاک ہوتے ہیں بعد میں جھگڑا کرتے ہیں
اُنسے بچنا بڑے دانا کا کام ہے تم سے نہو سکیگا۔ اتفاقاً ایک دفعہ یہ مہمان بازار گئے وہاں چمار کو دیکھا
اُنہوں نے کہا گو معاملہ کرنے سے منع کیا ہے مگر یہ کوئی ایسا معاملہ نہیں۔ چمار سے پوچھا جوتی گانٹھ دیگا۔
اُس نے کہا گانٹھ دونگا اسنے کہا کیا دوگے۔ کہا کچھ دیدینگے۔ اُس نے جوتا گانٹھ دیا جب گانٹھ چکا اُنہوں
نے ایک پیسہ اُسے دیا اُس نے کہا میں تو پیسہ نہیں لونگا میں تو کچھ لونگا۔ تم نے کچھ دینے کو کہا تھا۔ کچھ لاؤ
اب تو یہ بہت گھبرائے۔ اُنہوں نے کہا واقعی یہاں کے چمار بھی بڑے فسادی ہیں۔ شور و غل ہوا
اُنکے میزبان بھی پہنچ گئے۔ اُنہوں نے واقعہ معلوم کیا۔ اُسنے کہا دیکھو ہمنے تمہیں منع کیا تھا۔ اس
چمار سے کہا چل ہم تجھے کچھ دینگے اُسے لیگئے تھوڑی سی کانچ (آبگینہ) پیسوائی اور دہی میں ڈال کر اُسکے
پاس لیگئے کہ اسے انگلی سے گھول میں اتنی دیر میں تجھے کچھ دونگا۔ وہ گھولنے لگا کانچ اُسکی انگلی میں

۱۲۳

چھپنے لگی تو اُس نے اُن سے کہا ہمیں تو کچھ چھپتا ہی۔ اُنہوں نے کہا بس وہ کچھ تم لیجاؤ یہی مٹنے کے ہوا تھا۔ اُنہوں نے کہا دیکھا انکے فساد سے بچنا بڑے دانا کا کام ہی۔ تو اگر شریعت اتنا تبلا دیتی کہ کچھ ملنا اور کچھ نہ ملنا تو اس کچھ کے فیصلہ میں بڑے بڑے دانا غوطے کھاتے اس لئے جہاں یہ تبلایا کہ کچھ ملنا اور کچھ نہ ملنا اُس کچھ کی تعیین بھی کردی۔ قواعد خود مقرر کردیے۔ دیکھو جماعت کی مسجد میں بیٹھنا کہ جو نمازی ہیں اُن سے تو ملنا ہوگا اور جو بے نمازی ہیں اُنسے نہ ملنا ہوگا۔ اور جو بے نمازی بھی وہاں آئیں گے وہ بھی نمازی ہو آئیں گے اُنسے ملنے میں بھی کچھ حرج نہیں گو وہ پہلے سے بے نمازی اور دنیا دار ہوں مگر وہاں تو دوسری ہی حیثیت سے آئے ہیں۔ اسی قاعدے سے ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اگر تمہارے پاس امرا آویں تو اُن سے دنیا دار سمجھ کر بد خلقی نہ کرو کیونکہ اب وہ دنیا دار نہیں ہیں۔ تمہارے پاس جو آئے ہیں تو دیندار ہو کر آئے ہیں۔ اب اُنکی تعظیم کرنا دنیا دار کی تعظیم کرنا نہیں ہی نعم الامیر علیٰ باب الفقیر اب جبکہ وہ فقیر کے دروازہ پر آگیا تو اچھا امیر ہے۔ صرف امیر نہیں ہی اُسکی تعظیم امیر کی تعظیم نہیں ہی نِعمَ کی تعظیم ہی اب وہ اللہ والا ہوگیا۔ یہ برکت صحبت کی ہی اور یہ وہ چیز ہے کہ اُسکے قصد ہی سے یہ برکت ہوگئی کہ نِعمَ کا مصداق ہوگیا۔ گو پہلے کچھ بھی نہ تھا۔ شیخ نے خوب کہا ہے ؎

جمالِ ہمنشیں در من اثر کرد		وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

صحبت وہ چیز ہے کہ جب ہوا چلتی ہی تو کنکر پتھر گیہوں میں پڑجاتے ہیں اور اُس کی صحبت کی وجہ سے گیہوں کے نرخ فروخت ہوتے ہیں۔ بھلا الگ ہوکر تو بکیں اس قیمت پر کوئی دمڑی کو بھی نہیں پوچھیگا پھر وہ کنکر کے کنکر اور پتھر کے پتھر ہو جائیں گے اسی واسطے ناقص کو اپنے شیخ سے جُدا ہونا مضر ہی البتہ کامل کو مضر نہیں۔ اور اسکے معنی یہ ہیں کہ بالکل جُدا ہوجانا مضر ہے اور یہ معنی نہیں کہ ہر وقت بھوت کی طرح اُس کے سر ہو جاؤ۔ جیسا کسی ساس نے اپنی آرام طلب بہو سے کہا تھا کہ بیٹی گھر کو لگا کرتے ہیں اُس نے کیا کیا کہ بہت سا لئی کا آٹا سانا اور دیوار میں لگا کر اُس سے چپک گئی۔ تو کہیں تم بھی ایسا نہ کرنا کہ بھوت کی طرح پیر کو چمٹ جاؤ بلکہ مطلب یہ ہی کہ قطع تعلق مضر ہی تو جس وقت وہ امیر یہاں آیا تو تھوڑی دیر کی صحبت بلکہ عدم صحبت کی برکت سے وہ اللہ والا ہوگیا۔ اسی طرح وہ بے نمازی تھوڑی دیر کیلئے تو نمازی ہوگیا۔ لیکن تم باہر نکل کر ملنے نہ جاؤ۔ سبحان اللہ کیا اعتدال ہی جس طرح صوم میں کھانے اور نہ کھانے کو جمع کردیا یہاں ملنے اور نہ ملنے کو جمع کردیا اور یہ جمع واقعی بہت مشکل تھا۔ اس

ف (یعنی) ہم نشینوں کی صحبت نے مجھ میں اثر کردیا ورنہ میں وہی مٹی ہوں جو پہلے تھی ۱۲ محمد رضا عفی عنہ) ۱۲۴

واسطے اُسکے آسان کرنے کو ایک ہیڈ کوارٹر مقرر کردیا کہ اسی میں رہو اگر کسی ضرورت سے نکلو تو فوراً واپس آجاؤ۔ پھر جو یہاں آئے اُس سے مل لو نہ آئے مت ملو۔ یہاں تک کہ اگر وہ کافر ہو تب بھی بات کرلو ہمارے یہاں کی چیزیں ایسی نازک نہیں کہ ذرا ذرا سی بات میں ٹوٹ جائیں۔ اسی طرح کافر سے بات کرنے اور کسی سے ملنے سے ہمارا اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ بعضے غالی ہوتے ہیں ذرا سے میں اُن کے قلب پر بزعم اُنکے ظلمت طاری ہوجاتی ہے۔ ارے وہ کیسا نور ہے جس پر ایسے اسباب سے ظلمت طاری ہوتی ہے۔ چراغ اگر دمڑی کا بھی ہو تو اُس سے تو ظلمت خود فنا ہوجائیگی۔ البتہ اگر کوئی چیز حائل ہوجاوے اُسکے قدر ظلمت بیشک آجاویگی۔ پس معلوم ہوا کہ وہ نور ہی نہیں جہاں ایسے اسباب ضعیفہ سے ظلمت غالب آکر مستولی ہوجاوے۔ وہ کیسے بزرگ ہیں کہ بالکل چھوئی موئی کا درخت ہیں کہ ذرا کوئی آیا اور حالت میں فرق آیا ؎

	عارف کہ برنجد تنک آب است ہنوز		دریائے فراواں نشود تیرہ بسنگ

(ترجمہ گہرا دریا پتھروں کے پڑنے سے گدلا نہیں ہوتا جو عارف کہ رنجیدہ ہو وہ ابھی مثل تھوڑے پانی کے ہے ۱۲ محمد رضا غفرلہ) یہ کیا کہ شیخ بھی بنیں اور کچے اتنے۔ چھوڑو پیری مریدی جب اتنے پختہ ہوجاؤ کہ کسی کے ملنے سے ظلمت نہ ہو اُس وقت پیری کرلینا۔ ابھی کچھ فرض تھوڑا ہی ہے۔ بہر حال خود کسی سے ملنے باہر نہ جاؤ کوئی اندر آئے اُس سے بول لو۔ بات کرلو کچھ حرج نہیں۔ یہ تو ملنے میں اعتدال ہوا۔ اسی طرح تمتعات ثلثہ میں سے کھانا بھی جائز پینا بھی جائز ہے مگر مباشرت ناجائز۔ چنانچہ ارشاد ہوا لَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ یعنی حالت اعتکاف میں عورتوں سے مباشرت جائز نہیں۔ یہاں دو کی اجازت دیدی اور ایک سے منع فرمادیا اور لَا تُبَاشِرُوا فرمایا جو بشرہ سے ماخوذ ہے۔ اس لئے ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں کیونکہ دواعی وطی حکم وطی میں ہیں اسی لئے اُن سے حرمت مصاہرۃ ثابت ہوجاتی ہے اور دیکھئے کیسی خوبصورتی سے اعتدال کیا ہے کہ بالعکس کیوں نہوا۔ یعنی یہ ہوتا کہ مباشرت تو جائز ہوتی اور اکل و شرب ناجائز ہوتا۔ بات یہ ہے کہ ہر ایک میں دو حیثیتیں ہیں۔ حاجت و لذت۔ مگر فرق اتنا ہے کہ عادۃً اکل و شرب میں تو حاجت غالب ہے اور لذت مغلوب اور مباشرت میں لذت غالب ہے اور حاجت مغلوب۔ چنانچہ کھانے پینے میں حاجت کا غالب ہونا ظاہر ہے مگر چونکہ لذت بھی ایک درجہ میں مقصود ہے اس لئے اُس میں تکلفات بھی سوجھتے ہیں اور بیوی کے پاس جانا اس میں عادۃً حاجت مغلوب ہے لذت غالب ہے اگرچہ کسی معالجہ کی ضرورت سے حاجت کے پہلو کو غالب کرلینا ضروری ہو جیسا مولنا محمد یعقوب صاحبؒ نے حدیث ان الذین معہا مثل الذی معہا کی تفسیر میں فرمایا تھا۔ گو اُس مضمون کا یہ موقع

۱۲۵

تو نہ تھا۔ مگر ایک کام کی بات ہی اسلئے بیان کر دیا۔ حدیث کا حاصل یہ ہی کہ اگر کسی عورت اجنبیہ کیطرف تم کو میلان ہو جاوے تو اپنی بی بی سے فراغت کر لو کیونکہ دونوں کے پاس یکساں چیز ہے پس حضور کا مطلب اِنَّ الَّذِیْ مَعَهَا سے یہ ہی کہ گو عادۃً اس میں لذت کا پہلو غالب ہی مگر تم معالجہ کیلئے اسمیں بھی حاجت کے پہلو کو غالب رکھو۔ بہر حال معالجہ کے سوا طبعًا مباشرت میں حاجت مغلوب ہے اور اکل و شرب میں حاجت غالب ہی اب دیکھئے جذبات فطریہ کی شریعت نے کسقدر رعایت کی ہی اگر اکل و شرب دس دن چھڑا دیں تو سخت اذیت ہو اور اسمیں کچھ بھی اذیت نہیں زائد سے زائد لذت نہیں اسی واسطے فرمایا اَنْ تُبَاشِرُوْهُنَّ (ترجمہ عورتوں سے مباشرت نہ کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) دوسرے مقام پر کُلُوْا وَاشْرَبُوْا (ترجمہ کھاؤ اور پیو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بھی ہی بیان فرماتے ہیں وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا یہاں نہیں فرمایا مگر اس سے اوپر اجازت آچکی ہی پھر یہاں تعرض نہ فرمانا یہ سلوک معرض بیان میں بیان ہی اسلئے حاصل یہ ہوا کہ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ لہٰذا ان تینوں امر و نہی کے مجموعہ سے اعتدال معلوم ہو گیا سبحان اللہ کتنا صاف مضمون ہی اور کسی کا کلام اتنا صاف نہیں جتنا خدا و رسول کا کلام صاف ہے ایک توجیہ تو اس اعتدال باعتبار تمتعات ثلاثہ کے یہ تھی اور ایک توجیہ اسمیں اور ہو سکتی ہی وہ یہ کہ خلوت سے مقصود زیادہ کیا ہی مقصود زیادہ تر توجہ الی اللہ (ترجمہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہی حتیٰ کہ اگر کسی کو خلوت میں بجائے توجہ الی اللہ کے خیالات فاسدہ کا ہجوم ہونے لگے ایسے شخص کیلئے خلوت نہایت مضر ہی اس کو ملنا جلنا ہی اچھا ہی ؎

۱۲۶

بہم بر زند عاقبت کفر و دین	خیالات نادان خلوت نشین

یعنی جاہل آدمی اگر خلوت میں بیٹھے گا تو عقائد خراب کر لیگا اسی واسطے خلوت کیلئے علم کی بھی ضرورت ہے کہیں گاؤں والے یہ نہ سمجھ جائیں کہ بس ہمیں اعتکاف کرنا چاہئے کیونکہ اس میں علم کی ضرورت ہے اور ہمیں علم ہی نہیں۔ بات یہ ہی کہ علم کی ضرورت ہی خواہ وہ تمہارا علم ہو یا کسی دوسرے کا علم ہو جب تم خلوت میں ہو گے تو اس میں بھی تو دوسرے اہل علم یعنی واقفان دین کی صحبت رہیگی ان سے ملتے جلتے رہو گے۔ بس یہ بھی کافی ہے عالم اصطلاحی بننا ضروری نہیں ہے۔ غرض مقصود اس سے توجہ الی اللہ ہی اور اسکو سہل کرنے والی محبت ہی ع از محبت تلخہا شیریں شود (ترجمہ محبت سے تلخ خیال اور ناگوار باتیں بھی گوارا ہو جاتی ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور محبت مخلوق کی مانع ہوتی ہی محبت مع اللہ و توجہ الی اللہ سے پس وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ کے حکم سے اس محبت کے مادہ سے بچایا ہی کیونکہ جب عورت سے مشغول ہوتا ہے تو طبعی نشاط سے اس کی طرف اس قدر توجہ ہوتی ہے کہ پھر

دوسری طرف التفات نہیں رہتا تو اگر اس کی اجازت ہوتی تو ایک زمانہ ایسا ہوتا کہ مخلوق کی طرف
توجہ قوی ہوتی اور خالق سے غفلت ہوتی تو غیرتِ حق اسے گوارا نہیں کرتی کہ ہمارا حاضر باش
دربار ہو کر کسی اور طرف منہ کرے اسلئے صرف اس وسوسے کی وجہ سے غیرتِ حق نے ہمیں روک دیا
ہے۔ بخلاف کھانے پینے کے کہ اس میں گو حاجت زیادہ ہے مگر مستی اتنی سوار نہیں ہوتی کہ کچھ یاد نہ رہے
بلکہ دوسری طرف بھی توجہ رہنا ممکن ہے۔ ہمیں تو خوب یاد ہے کہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ہم کھانا کھاتے
وقت کتاب دیکھا کرتے تھے نظر کتاب پر رہتی تھی منہ ہاتھ چلتا رہتا تھا۔ کیونکہ ہاتھ میں ایسا ادراک
ہے کہ سیدھا منہ تک باوجود دوسری طرف نگاہ ہونے کے جاسکتا ہے لوگ یوں کہتے ہیں کہ ہاتھ میں
صرف قوت لامسہ ہے باصرہ نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ اگر باصرہ نہیں تو ہاتھ کھانے پر کیسے پہنچ جاتا ہے
کیا وجہ ہے کہ ناک پر کھجلی ہوتی ہے تو وہیں پہنچتا ہے آنکھ پر نہیں پہنچ جاتا۔ خصوصاً اندھوں کو تو ہاتھ سے
نظر آتا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ نظر آنے کیلئے شعاعیں ہی نکلتی ہوں۔ کیونکہ جب یہ مسلم ہے کہ مبصرات کا
ادراک بلا بصر اور مشمومات کا بلا شم مذوقات کا بلا ذوق مسموعات کا بلا سمع اور ملموسات کا بلا لمس نہیں
ہوسکتا تو جب ہاتھ سے مبصرات کا ادراک ہوا لامحالہ ماننا پڑیگا کہ ہاتھ میں بھی قوت باصرہ ہے۔ اگر اس کا
نام ابصار نہیں تو اور کیا نام ہے یا تو کوئی اور چھوٹا نام گھڑ دیا مانو کہ یہ ابصار ہے۔ یہاں سے ایک نئی تحقیق
کا بھی پتہ چلتا ہے۔ میں نے اخبار میں دیکھا تھا کہ امریکہ میں ایک عورت ہے آنکھ پر پٹی باندھ کر یا اندھیری
رات میں ہاتھ کو خط کے مقابل کرکے خط پڑھ لیتی ہے۔ پھر اس کا جواب دینا کچھ بھی مشکل نہیں۔ ہم کہہ
سکتے ہیں کہ ہمارے بھی تمام بدن میں آنکھیں ہیں مگر ایسی ہیں کہ ہمیں نظر نہیں آتا اس نے کسی ترکیب سے ہاتھ
کی آنکھوں کو اپنے قابو میں کرلیا یا فطری طور پر اسکی یہ قوت ظاہر ہوگئی ہو تو اب حکماء اسے کیا کہیں
گے۔ اگر ہاتھ میں قوت باصرہ نہیں تو اس طریق سے خط کیونکر پڑھ سکتی ہے۔ اور ہمارے متکلمین پر بھی کوئی
اشکال نہیں وہ ان اسباب کو عادی مانتے ہیں اور ان کے نزدیک بجائے آنکھ کے ناک سے
دکھائی دینا اور بجائے ناک کے آنکھ سے سونگھائی دینا ممکن ہے واقعی متکلمین خدا کا قائل ہو بیو الاشیاء
محقق ہوگا۔ جدید تحقیقات والوں نے حکماء کو نیچا دکھایا۔ مگر ہماری شریعت کا ایک جزو بھی ایسا نہیں
کہ کوئی بھی اس سے کسی واقعی امر کا معارضہ کرسکے اور معارضہ ہو تو کیونکر ہو وہ تو خدا کی بنائی ہوئی
ہے کسی محدود العلم انسان کی بنائی ہوئی تھوڑی ہے اور خدا تعالیٰ محیط ہیں تمام واقعیات کو
پھر اس کے اخبار میں معارضہ واقعیات کا کیونکر احتمال ہوسکتا ہے۔ خیر یہ بحث الگ ہے یہاں
گفتگو اس میں تھی کہ کھانے کیساتھ ممکن ہے کہ توجہ الی اللہ باقی رہے مگر مباشرت کے وقت

۱۲۷

ضعیف ہوجاتی ہے۔ مگر اس میں ضعف توجہ الی اللہ ہونا لوازم عادیہ سے ہی لوازم عقلیہ سے نہیں ہی کہ انبیاء
تک اُس کو منتجاوز سمجھا جاوے اور گو اس کا مقتضا تو یہ تھا کہ کبھی اس کی اجازت نہوتی مگر مصلحت توالد
وتناسل سے اسکی اجازت ہی۔ نیز اہلِ معرفت کے نزدیک اسمیں ایک اور بھی بہت بڑی بات ہی وہ یہ کہ معرفت
کی مختلف قسمیں ہیں ایک معرفت وہ ہی جسکے ساتھ کوئی چیز جمع نہ ہے۔ یعنی ایسا استغراق ہو کہ دوسرے کا
تصور بھی نہ آوے۔ پس مباشرت نمونہ ہی اُس معرفت استغراقیہ کا اور کاملین کی مباشرت میں یہ حکمت ہی
اور ایک حکمت اسمیں میرے قلب پر منجانب اللہ وارد ہوئی ہی وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا ایک کمال یہ ہی کہ اِذَا
اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ یعنی جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو کُن کہدیتے ہیں وہ ہوجاتی
ہے اور انسان مظہر ہے کمالات حق کا پس انسان کے اندر بھی اس کا کوئی نمونہ ہونا چاہیے کہ اُسکے ارادہ کرنے
سے کوئی چیز پیدا ہوجاوے بدون دخل اکتساب و اتعاب کے چنانچہ اُس کا ظہور اس نکاح و مباشرت سے
ہوا کہ صرف ارادہ متوجہ ہوا کہ ہمارے بیٹا ہو بس ہوگیا۔ تو اگر یہ نہوتا تو حق تعالیٰ کی اس صنعت کا انسان میں
ظہور نہوتا۔ میرے ایک دوست عارف تھے وہ نکاح نہیں کرتے تھے میں نے اُنہیں یہ حکمت سمجھائی چنانچہ
اُنہوں نے نکاح کیا اُن کے یہاں بیٹا بھی ہوا مگر ہم کہ ہماری ہی بتائی ہوئی یہ تدبیر تھی یوں ہی رہ گئے۔
اور کچھ بھی نہوا (یہ ظرافت تھی ۱۲۔ جامع)

بہرحال ان حکمتوں کی وجہ سے چاہیے ادھر متوجہ کیا جاوے مگر واقعی اس سے توجہ الی اللہ ضعیف ضرور
ہوجاتی ہی۔ پس یہ وجہ ہی کہ کھانا نہیں چھڑایا اور اسمیں میں اور کھانے میں ایک فرق اور بھی ہی وہ یہ کہ اگر کھاتے
چلے جاؤ تو اُسی وقت سے بے لطفی شروع ہوجائیگی اور مباشرت میں گو بعد میں خشکی کی بدولت جنون تک نوبت
پہنچے مگر جبتک مشغول رہیگا اُس وقت تک لذت منقطع نہیں ہوگی۔ تو کھانیکے اندر تو حاجت ہی تجاوز کرنے میں
مانع ہے اور اسمیں کوئی مانع نہیں اس لئے بھی اُس سے نہ روکا اور اس سے روکدیا اور فرمادیا کہ وَلَا
تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ اور قرآن کے اس جملہ سے اہلِ فہم نے اس کا درجہ بھی معلوم کرلیا
ہوگا کہ سنت ہی اور اسکی سنیت قرآن پر منطبق ہوتی ہی۔ کیونکہ اصل یہ ہی[۵] کہ جو چیزیں فرض و واجب تھیں اُن کے
صرف آداب ہی قرآن میں مذکور نہیں بلکہ وہاں صرف صیغہ وجوب کا استعمال کیا گیا ہی مثلاً اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى
الَّيْلِ (ترجمہ۔ روزوں کو رات تک پورا کرو ۱۲۔ محمد صابر غفرلہ) اور یہاں خود وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ
(ترجمہ اپنی بیویوں سے مباشرت مت کرو جس وقت کہ تم مسجدوں میں معتکف ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) فرمایا اس میں اعتکاف

[۵] البتہ جہاں کوئی مستقل دلیل وجوب کی ہو وہاں باوجود اس طرز کے بھی وجوب کے قائل ہونگے کقولہ تعالیٰ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ
مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ الآیہ۔ یہاں دلیل مستقل حدیث ہی الحج عرفۃ اور اجماع ۱۲ منہ۔

کے اداب تو بتلائے مگر اس کے فرض و واجب ہونے سے سکوت فرمایا پس یہ اشارہ اس طرف ہوگیا کہ واجب نہیں ورنہ اور مامورات و واجبات کی طرح اسکے لئے بھی وجوب کا صیغہ استعمال فرماتے مگر اسکے آداب واحکام مثل نہی عن المباشرت کے ذکر فرمانیسے اسکا مہتم بالشان ہونا بھی قرآن ہی میں (مباشرت سے منع کرنا ۱۲ ص) مذکور ہے ادہر حدیث میں ہے کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْاٰنَ (ترجمہ آپکی عادت تھی قرآن شریف پر عمل کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) پس آپنے ضرور اعتکاف فرمایا ہے اور آپکا فعل سنیت کو مفید ہوتا ہے اور عدم وجوب سیاق قرآنی سے معلوم ہوچکا ہے بس اعتکاف کا سنت ہونا اس طرح قرآن سے ثابت ہوگیا اس اعتبار سے بھی ایک قسم کا اعتدال ہے کہ نہ فرض و واجب نہ مباح بلکہ سنت ہے۔ گو فرض میں بھی دوسری قسم کا اعتدال ہے مگر وہ اور معنی کر[۵] اور یہ اور معنی کر پس اگر اسے فرض کر دیتے تو اسکے مناسب اعتدال کا جو مقتضی ہے یعنی یسر مطلق وہ نہ رہتا۔ اسمیں یہ خاص اعتدال رکھا ہے کہ کوئی کرے اور کوئی نہ کرے اور چونکہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے خود ہمیشہ کیا ہے اور نہ کرنیوالوں پر ملامت بھی نہیں فرمائی اسلئے محققین کا مذہب اسکے متعلق سنت موکدہ علے الکفایہ ہونیکا ہے کہ ایک کرلے سب پر سے بوجھ اتر گیا ایک کرلے اسکی برکت سے اوروں کو بھی پہنچ جاوے وہ بھی محروم نہ رہیں جیسے بہت کی برکت سے ایک نوازا جاتا ہے۔ ویسے ہی ایک کی برکت سے بہت بھی نوازے جاتے ہیں تو ایک معتکف اور اسکی برکت سب گاؤں کو پہنچ رہی ہے یہ معنی ہیں سنت علی الکفایہ ہونیکے اور اسکے معنی یہ نہ سمجھنا کہ ایک پر سب کا بوجھ لد جاویگا بلکہ ایک کی برکت سے سب کا بوجھ اتر جائیگا۔ ایک مرتبہ ہمارے قریب کے ایک گاؤں میں ایک شخص اعتکاف میں بیٹھنا چاہتا تھا گاؤں والے یہ سن گئے تھے کہ ایک کے کرنیسے سب پر سے بوجھ اتر جاتا ہے تو اسکے معنی کیا سمجھے اس سے کہتے ہیں "ارے تو کہاں بیٹھے گا سارا بوجھ گاؤں بھر کے گناہوں کا تجھی پر لد جائیگا"۔ تو اعتکاف سے ایسا نہیں ہوتا۔ بیشک سب کا گٹھڑ گریگا تو مگر اسکی طرف نہیں گریگا وہ تو دوسری طرف گریگا۔ غرض اعتکاف میں ہر طرح کا اعتدال ہے اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں فی المساجد کی تخصیص سے ایک اور حکمت کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ مساجد کو اعتکاف کیواسطے اسواسطے مقرر کیا کہ فضیلت جماعت بھی منجملہ فضیلتوں کے ہے تاکہ دونوں فضیلتیں جمع ہو جائیں اعتکاف کی بھی اور جماعت کی بھی۔ اگر کوئی کوہ یا صحرا یا مکان کی کوئی کوٹھڑی اس کے واسطے تجویز کرتے تو یہ جماعت کی فضیلت سے محروم رہ جاتا۔ نیز اس میں ایک لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ میاں تم خود اس جماعت کی برکت کے محتاج ہو۔ اگر نمازی نہوتے تو تم کو یہ برکت کہاں سے حاصل ہوتی تم جماعت کی برکت سے

١٢٩

---

[۵] حقیقت اسکی یہ ہے کہ نجابت جس درجہ کی ضروری ہے حکم اسی درجہ کا ضروری ہوتا ہے اور اسی ضرورت کے اعتبار سے اسمیں اعتدال بھی ہوتا ہے پس فرض کی نجابت جس درجہ کا ضروری ہے اس سے کم میں وہ ضرورت ہوتی اور نہ اسکے مناسب اعتدال ہوتا ۱۲ منہ

محروم رہتے پس طاعت میں ساتھ ساتھ عجب کا بھی علاج ہو گیا۔ سبحان اللہ کیا اعتدال ہے حکماء کی تجویز کردہ خلوت میں یہ باتیں کہاں اور جب اپنے کو برکات میں اُن کا محتاج سمجھیگا تو اُس کو کبر نہو گا اور اُس کے لوازم میں سے ہی خلوت میں اُس کی وہ نیت نہوگی جو جہلاء کی ہوتی ہے کہ وہ اس لئے خلوت اختیار کرتے ہیں تاکہ وہ لوگوں کے ضرر سے بچیں بلکہ وہ نیت ہوگی جو محققین نے فرمایا ہے کہ خلوت میں یہ نیت رکھے کہ لوگ میرے ضرر سے بچیں غرض اوروں حقیر سمجھنے کا جو مرض خلوت سے پیدا ہو سکتا تھا اُس کا بھی علاج ہو گیا کہ جن کو یہ حقیر سمجھ کر الگ ہوا تھا وہی اہل برکت ہیں اُنہیں کی بدولت اسے برکت جماعت حاصل ہوئی نیز اسے اس پر بھی اب ناز نہو گا کہ میرے اعتکاف کی وجہ سے اور لوگوں کو برکت پہنچی کہ سب سبکدوش ہوئے کیونکہ یہ خیال کریگا کہ اصل میں اُن لوگوں کے آنے کی وجہ سے مجھے جماعت بلکہ اعتکاف کی بھی برکت حاصل ہوئی اور اس جماعت کے موقع ہونے سے مجھکو اعتکاف کی اجازت ہوئی پس میرا اعتکاف گو سبب اُن کی سبکدوشی کا ہوا مگر وہ سبکدوشی تو اس اعتکاف کا صرف اثر ہے اور ان کی جماعت میرے اعتکاف کا سبب ہے اور سبب مؤثر ہوتا ہے تو وہ اگر اثر میں میرے محتاج ہوئے تو میں مؤثر میں اُن کا محتاج ہوا اور اصل احتیاج مؤثر میں ہوتی ہے تو اصل میں تب بھی اُن کا محتاج ہوا اور یہ پورا علاج ہے کبر و عجب کا سبحان اللہ کیسی دوا ہے کہ پرہیز بھی ہے اور دوا بھی ہے۔ اسی طرح عٰکِفُوْنَ بھی دلالت کر رہا ہے ایک حکمت پر اس طرح سے کہ عکوف کے معنی حبس کے ہیں تو عٰکِفُوْنَ یہ بتلا رہا ہے کہ اس میں حبس نفس مقصود ہے۔ اس کا صلہ کبھی عَنْ کے ساتھ آتا ہے اور کبھی فِیْ یا عَلٰی کیساتھ فی اور علی میں تو کوئی فرق نہیں کیونکہ کسی چیز میں روکنا یا کسی چیز پر روکنا دونوں کا حاصل ایک ہی ہے البتہ جب عَنْ کے ساتھ صلہ آتا ہے تو اُس کے معنی مکروہ سے روک دینے کے ہوتے ہیں تو جس سے روکنا تھا اُس کا یہاں عٰکِفُوْنَ کے صلہ میں ذکر نہیں کیا مگر لَا تُبَاشِرُوْا سے اُس کا پتہ لگ گیا یہاں صلہ لائے فِی کے ساتھ مطلب یہ کہ نفس کو مقید کرو مساجد میں جو بیت اللہ ہیں خود خدا نے انہیں بیت اللہ فرمایا ہے فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ (ترجمہ ایسے گھروں میں (وہ جا کر عبادت کرتے ہیں) جن کی نسبت اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب کیا جائے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) چنانچہ خانہ کعبہ کو بھی بَیْتِیَ (ترجمہ میرا گھر ۱۲ محمد صابر غفرلہ) فرمایا۔ اس معنی کر اپنی طرف منسوب کیا کہ اُس میں اللہ کا ذکر اور اُس کی عبادت ہوتی ہے۔ نماز تو بہت بڑی چیز ہے اُسکی جگہ تو کیوں نہ منسوب الی اللہ ہوتی۔ حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے بندے جس جگہ ذکر کریں تدارس قرآن کریں وہ بھی بیوت اللہ میں داخل ہے چنانچہ ارشاد ہے

مَا اجتمع قوم فی بیت من بیوت اللّٰہ یتلون القرآن الحدیث (ترجمہ نہیں جمع ہوئی کوئی قوم کسی گھر میں اللہ تعالیٰ کے گھروں سے کہ تدارس کریں قرآن کا الخ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور ظاہر ہے کہ تدارس کے لئے کہیں مسجد کا اہتمام نہیں کیا گیا جیسا نماز کیلئے ہوا ہے اس سے صاف معلوم ہوا کہ مدرسہ بھی بیوت اللہ میں داخل ہے اور اگر اسے عام نہ بھی لیا جائے تب بھی مساجد تو ضرور اللہ کے گھر ہی ہیں۔ اب معنی عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ کے یہ ہوئے کہ عاکفون فی بیوت اللہ (ترجمہ محبوس ہوتے ہیں وہ اللہ کے گھروں میں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور بیوت اللہ میں محبوس ہونا کس کے واسطے ہے ظاہر ہے کہ اللہ کیلئے ہے پس حقیقت وہ ہوئی جس کو امیر خسرو نے بیان کر دیا ہے ؎

خسرو غریب است و گدا افتادہ در کوئے شما	باشد کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

(ترجمہ خسرو غریب و گدا آپ کے کوچہ میں پڑا ہوا ہے۔ خدا کیلئے غریبوں کی طرف بھی نظر فرمائیے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور جب اعتکاف کی یہ حقیقت ہے اور اس حقیقت کے لوازم سے ہے عنایت۔ تو عاکفون میں یہ بھی بتا دیا کہ جب تم ہمارے دروازہ پر آپڑو گے تو کیا ہم تمکو محروم کر دیں گے تو ایک حکمت اسمیں یہ بھی ہوئی اور ایک حکمت عاکفون میں اور بتلا دی جو گویا روح الروح ہے روح تو خلوت ہے اور خلوت کی روح ذکر اللہ ہے کیونکہ حقیقت مذکورہ خود دال ہے ذکر اللہ پر بوجہ اسکے کہ جس کے کوچہ میں سب کو چھوڑ کر جا پڑینگے کیا اس کو دل سے بھلا سکتے ہیں پس اسکی یاد ضروری ہوئی اور اسکے ساتھ اوروں کا چھوڑنا اور یہی حاصل ہے لا الٰہ الا اللہ کا تو عاکفون میں گویا یہ بھی بتلا دیا کہ اعتکاف میں نظر اسی پر مقصور رہے کہ لا الٰہ الا اللہ تو حقیقت میں اعتکاف فنائے محض ہے۔ تو جس نے اس نیت سے اعتکاف کیا تو وہ واقعی معتکف ہے ورنہ جو شخص بلا اسکے رہا اس کا اعتکاف بلا روح ہے پھر یہ رحمت دیکھئے کہ اعتکاف میں حاجتوں کو خدا نے منع نہیں کیا ان کے قضا کرنے کیلئے مساجد سے باہر نکلنے کی اجازت بھی دیدی پھر بھی اگر کسی سے نہ ہو سکے تو اس کا قصور ہے اور اس اجازت کی طرف لَا تُبَاشِرُوهُنَّ مشیر ہے کیونکہ نہی اس شئے سے ہوتی ہے جو پہلے سے محتمل ہو اور یہ ضروریات شرع سے معروف ہے کہ مسجد کے اندر مباشرت ناجائز ہے پس اگر اعتکاف میں خروج کسی طرح جائز نہ ہوتا تو پھر اس نہی کی حاجت نہ تھی اور نہی واقع ہوئی ہے پس یہ خود دال ہے اس پر کہ خروج بعض اوقات میں جائز ہے اور اسی خروج میں احتمال تھا مباشرت کا اس لئے اس سے منع فرمایا اتنا تو قرآن ہی سے معلوم ہو گیا آگے حدیث نے تفصیل کر دی کہ کس کس حاجت کیلئے خروج جائز ہے اور مباشرت کیلئے خروج کا ناجائز ہونا خود قرآن کا مدلول ہے اور دوسری حاجات طبعیہ و شرعیہ کیلئے خروج

جائز ہونا دوسرے دلائل شرعیہ سے جائز ہے اب ہا دونوں میں فرق سو بات یہ ہے کہ مباشرت میں چونکہ حاجت خفیف ہی اسلئے لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ سے مباشرت کی ممانعت کردی اور کھانے پینے کی حاجت شدید ہی اُسکے کرنیکی بھی اجازت دی مثلاً مسجد کے اندر کھانیکی اجازت ہی اور لانیکی بھی اجازت دی جبکہ کوئی لانیوالا نہو یا اُجرت گراں مانگتا ہو یا کسی سے درخواست کرنیمیں اُسکی زیادہ خوشامد کرنیکی ضرورت واقع ہو خصوص امام صاحب کے قول پر کیونکہ امام صاحبؒ فرماتے ہیں قادر بقدرت غیر قادر نہیں ۔ تیمم کے اندر بھی امام صاحب فرماتے ہیں کہ کسی رفیق سے پانی مانگنے کی ضرورت نہیں جب مانگنے میں ذلت ہو گو فتوٰی میں اسکا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ مدار جواز تیمم کا اسپر رکھا گیا ہی کہ غالب گمان یہ ہو کہ نہ دیگا ۔ اسی طرح اگر کسی کے ملنے والے پاس ہیں مگر اُن پر اسکی اطاعت واجب نہیں اور یہ شخص وضو کرنے پر قادر نہیں تو امام صاحب کے قول پر تیمم کرسکتا ہی کیونکہ اُسے قدرت نہیں کہتے گو فتوٰی یہاں بھی اُسی اوپر کی تفصیل سے ہی لیکن امام صاحب کی اصلی رائے وہی ہی اُنکی نظر اسپر گئی کہ کسی سے مانگنے اور درخواست کرنے غیرت ہی آتی ہے

حقا کہ با عقوبت دوزخ برابر است	رفتن بپائے مردی ہمسایہ در بہشت

(ترجمہ سچ ہے ہمسایہ کی سفارش و امداد سے جنت میں جانا عذاب دوزخ کے برابر ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

۱۳۲

یوں معلوم ہوتا ہی کہ امام صاحبؒ کے اندر وہ رنگ غالب تھا جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو تعلیم فرمایا تھا کہ اگر کوڑا بھی گھوڑے پر سے گر جائے تو کسی سے مت مانگو خود اُتر کر اُٹھاؤ ۔ تو اگر کوئی کھانا لانے میں نخرہ کرے یا اُجرت زیادہ مانگے تو خود جاکر لے آؤ اور حاجت کی رعایت یہانتک کیگئی ہے کہ اگر کوئی مثلاً بساطی ہے اور بساط اُسکی اتنی ہی ہے کہ اسی پر گذر ہے تو اُسے جائز ہے کہ وہ تجارت بھی مسجد میں کرلے گو اسباب مسجد میں نہ لائے اور فقہاء متاخرین نے اور بھی وسعت کی ہے کہ بعض چیز دیکھی ہوئی نہیں ہوتی اس لئے اُس کے حاضر کرنیکی ضرورت پڑتی ہی تو اُنہوں نے لکھا ہے کہ اگر چھوٹی سی چیز ہو جس سے نمازیوں کو تکلیف نہو اور مسجد مشغول نہو تو اُس کا مسجد میں بھی لانا جائز ہے ۔ ہاں صندوق لالا کر مت رکھدو بلکہ صندوق کو مارو بندوق البتہ اگر کوئی مختصر سی چیز ہو تو اُس کے اندر لے آؤ ۔ میرے ایک دوست تھے ۔ لکھنؤ میں وہ جواہرات کے سوداگر تھے میں نے اُن سے کہا کہ بھئی ہمیں بھی دکھاؤ جواہرات کیسے ہوتے ہیں وہ لائے تو ہزاروں روپیے کے جواہرات ۔ زمرد ۔ یاقوت ۔ لعل ۔ الماس اُنکے پاس تھے اتنی چھوٹی سی ڈبیہ میں رکھے ہوئے تھی کہ اُنکی جیب میں وہ ڈبیہ آجاتی تھی تو اگر کسی کی ایسی ہی تجارت ہو تو اُس کو سودا بھی مسجد کے اندر لے آنا جائز ہے بعض لوگ تو بڑا ذخیرہ مسجد کے اندر جمع کرلیتے ہیں میں نے ایک شاہ صاحب کو

لکھنؤ میں دیکھا کہ مسجد میں چھینکے باندھ رکھے ہیں تمام اپنا ضروری و غیر ضروری اسباب وہیں رکھا ہے۔ پھر خود تو رہتے ہی تھے انکی بیوی بھی وہیں رہتی تھیں۔ ایک زنانہ قطعہ کا دروازہ مسجد کی طرف لگا ہوا تھا جبتک نمازی رہتے تھے وہ اُسکے اندر رہتی تھیں اور جب نمازی چلے جاتے تھے تو شاہ صاحب مسجد کا دروازہ بند کرکے اُنہیں بھی اپنے پاس بلا لیتے تھے۔ بھائی یہ اللہ کا گھر ہے۔ اللہ والوں کا گھر نہیں ہے۔ اللہ کی چیزوں کو تم سے کس نے کہا کہ برتنے لگو مگر لوگوں کا وہ مذاق ہوگیا ہے کہ مسجد کی چیزیں برتتے اور لیتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔ ایک حکایت سُنی ہے کہ ایک شخص کا کواڑ اُتار کر چور لے گئے اُس ظالم نے کیا حرکت کی کہ مسجد کا کواڑ اُتار لیا لوگوں نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے کہنے لگا اُنہوں نے ہمارے کواڑ کی کیوں نہ حفاظت کی۔ مگر لوگوں کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اتنا ناز نہیں جتنا حق تعالیٰ پر ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی ہماری ناز برداری کرتے ہیں اس لئے جو جی چاہتا ہے کر لیتے ہیں۔ اللہ اکبر کیا رحمت ہے۔ بعض لوگ مسجد کے لوٹے ختم کے روز پانی پڑھوا کر لیجاتے ہیں۔ اب پانی پر اکتفا کرنے لگے ہیں۔ ورنہ پہلے تو اجوائن و سونف کی پڑیوں سے امام کے مصلے کو پنساری کی دوکان بنا دیتے تھے خیر اللہ کا فضل ہے کہ اب معدے لوگوں کے درست ہوگئے کہ سونف لانا چھوڑ دی مگر اب پانی پڑھوانے میں تو یہ آفت کرتے ہیں کہ مسجد کے لوٹے لیجاتے ہیں اگر مؤذن منع کرے تو بیچارہ بدمزاج بداخلاق مشہور ہو پھر اُس وقت تو یہ کہکر لیجاتے ہیں کہ کیا ہم کھا جائیں گے اُسکے بعد پھر وہ گھر ہی میں رہ جاتا ہے۔ بعض کیا کرتے ہیں کہ سفر میں جانے لگے ایک لوٹا مسجد سے اُٹھایا اور مؤذن کو پیسہ دیا اور چلدیے مسجد خانہ خدا ہے اُسمیں ایسا نہیں چاہیئے بہرحال مسجد میں اتنا اسباب رکھنا کہ بالکل گھر معلوم ہو نہیں چاہیئے۔ بس اتنا مختصر سامان رکھو کہ نمازیوں کو تکلیف نہو مسجد کا ادب اتنا تو کم از کم ضروری ہے جتنا صاحب کلکٹر کے اجلاس کا کرتے ہیں جب صاحب کلکٹر کے اجلاس پر کھیڑا لیجانے کی اجازت نہیں تو یہاں کیوں نہیں ایسا سمجھا جاتا بلکہ یہاں تو تمہیں ضروری چیزوں کے لانے کی بھی اجازت ہے سونے کی بھی اجازت ہے دنیا کی باتوں کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ باتوں کے قصد سے نہ آیا ہو آیا تو ہو نماز کے قصد سے اتفاقاً کوئی معاملہ پیش آگیا تو اُس کے متعلق گفتگو کرنا جائز ہے اسی طرح مسجد میں کھانا بھی جائز ہے۔ مگر جب کہ نماز کے قصد سے گیا ہو۔ اتفاق سے کہیں سے مٹھائی آگئی تو مسجد میں کھانا جائز ہے۔ کیا ٹھکانا ہے وسعت کا خدا کے معاملات کو دیکھو کس قدر سہل ہیں پھر بھی اگر ان سے کوئی تجاوز کرے تو پھر ایسے اعتکاف سے فائدہ کیا ایک حکمت اعتکاف میں یہ ہے کہ اس میں شب قدر کی تحری (ترجمہ ثواب ڈھونڈنا ۱۲ محمد بہا بخش غفرلہٗ) بھی ہے حدیث میں آتا ہے التمسوا فی الوتر من العشر الاواخر شب قدر کو طاق راتوں میں تلاش کرو۔ طاق راتیں کونسی ہیں اکیسویں

شب تئیسویں۲۳ شب پچیسویں۲۵ شب ستائیسویں۲۷ شب انتیسویں۲۹ شب۔ اکیسویں شب کونسی ہے۔
بیسواں روزہ گذر کے جو رات آئیگی وہ ہی اکیسویں شب۔ شریعت میں تاریخ رات سے شروع ہوتی ہے اور رات
پہلے ہوتی ہے دن بعد میں ہوتا ہے اسلئے اکیسویں تاریخ سے پہلے جو رات آئیگی وہ اکیسویں شب ہوگی جب
چاند دیکھتے ہو تو اوّل رات مہینے کی وہی ہوتی ہے جس میں چاند دیکھا اسکی صبح اوّل دن مہینہ کا ہوتا ہے
جیسا کہ حکماء کے نزدیک طلوع آفتاب سے تاریخ شروع ہوتی ہے اور ان نئے حکماء کے یہاں نصف شب سے
شروع ہوتی ہے۔ بہرحال اکیسویں شب وہی ہے جو بیسواں دن گذر کے آئے اسی طرح اور شبیں ہیں۔ یہ پانچ راتیں
ہیں جن میں احتمال ہے شب قدر کا سبحان اللہ عاکفون فی المساجد نے اُسکی تلاش کیلئے مسجد میں
پہنچا دیا۔ بھلا گھر میں اسکی کہاں فرصت اور اس حکمت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معتکف کو اپنا ضروری سامان مسجد میں
رکھنا جائز ہے مگر زیادہ بکھیڑا لانا مناسب نہیں کیونکہ اس سے تو وہ بھی گھر بنجائیگا پھر جس طرح گھر میں عبادت
و بیداری دشوار تھی وہی بات مسجد میں ہوگئی سب کا حاصل یہ ہوا کہ مسجد میں تو گھر کے فتنہ سے چھڑا کے لائے تھے
وہاں تمنے اتنا بکھیڑا اکٹھا کیا کہ وہ بھی گھر کی طرح ہوگئی۔ مسجد کو اس طرح صاف رکھو جیسا ہماری پھوپھی اُسکا
وصف کرتی تھیں۔ خدا اُن کی مغفرت کرے اُنکی عادت تھی کہ گھر کا تمام بکھیڑا پھیلا رہتا تھا دیگچی کہیں
ہے رکابی کہیں ہے چمچہ کہیں ہے۔ اگر کسی نے اعتراض کیا تو کہتی تھیں یہ گھر ہے مسجد کی طرح صاف صاف ۱۳۴
نہ ہونا چاہیے۔ تو تم مسجد کو بالکل صاف صاف رکھو۔ سو مسجد میں معتکف کو اتنا بکھیڑا نہ لیجانا چاہیے۔
بعضے آدمی ہوتے بھی ہیں بکھیڑیے۔ گو گناہ تو نہیں مگر خلاف ادب ہے مسجد میں آئے ہو گھر چھوڑ کے اگر یہاں
اسے بھی گھر بنا لیا تو مسجد میں آنے کا کیا فائدہ ہوا۔ بعضے بکھیڑیے کیا کرتے ہیں کہ مسجد میں اعتکاف کیلئے آتے
ہیں تو تنہا نہیں آتے۔ ایک پاندان بھی ساتھ ہے اُگالدان بھی ہے ایک چاء کا سماوار بھی ہے۔ تمباکو کا تھیلا
بھی ہے۔ جو نہیں کھاتے وہ بیچارے بدبو سے پریشان ہوتے ہیں۔ غرض اپنے پیچھے بہت سی علتیں لگا
لیتے ہیں اور سب کو گھر کی طرح مسجد میں بھی جمع کرتے ہیں۔ اور اگر کوئی دلیر ہیں تو وہ حقہ بھی لاتے ہیں خود
تو مسجد کے اندر بیٹھے ہیں حقہ باہر رکھا ہے اور گڑگڑ کرتے ہیں۔ حقہ کا قرنطینہ ہے کہ وہ باہر رہے۔ بعضے
سگرٹ پیتے ہیں اور دھواں باہر چھوڑتے جاتے ہیں بہرحال اس طرح آتے ہیں کہ خود ہی معتکف نہیں
ہوتے ایک آپ کا سماوار پاندان بھی آپکے پاس معتکف ہوتا ہے۔ حضرت اگر اس کنبہ کو بھی اعتکاف
کرانا ہے تو پھر گھر پر ہی اعتکاف کر لیا کیجیے۔ غرض مسجد میں بالکل آزاد ہو کے آنا چاہیے۔ ایک بستر
ایک چادر بلکہ آجکل تو گرمی ہے صرف ایک چادر کافی ہے۔ ایک چھوٹا سا تکیہ۔ کھانا پینا بلی سے بچانیکے لئے

ایک چھوٹا سا بکس یا ایک چھینکا۔ غرض نہایت مختصر سامان کے ساتھ مسجد میں آنا چاہیئے بلکہ اپنے گھر میں بھی نہایت مختصر سامان سے رہنا چاہیئے۔ تو مسجد تو پھر خانۂ خدا ہے۔ اس میں زیادہ بکھیڑا لانا مناسب نہیں۔ بہرحال مسجد میں معتکف کو اسلیئے لایا گیا کہ شب قدر کی تحری سہل ہو کیونکہ بہت سے آدمی ہونگے جب سب ایک ہی کام میں مشغول ہونگے تو دل بھی لگے گا اور اس میں بھی عجیب حکمت ہے کہ شب قدر کی تاریخ معین نہیں کی کیونکہ مقصود پانچ راتوں میں جگانا تھا۔ پھر سبحان اللہ اس میں یہ کیسا اعتدال ہے کہ متواتر پانچ راتوں میں نہیں جگایا ایک رات جگایا اور ایک رات سُلایا۔ اور پھر اس سونے میں بھی ثواب جاگنے کا دیا۔ اور یہ بات میں اپنی طرف سے گھڑ کے نہیں کہتا۔ حدیث سے ثابت ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص گھوڑا پالے اللہ کے راستہ میں تو اُسکی لید اُس کا پیشاب سب وزن ہو کر اُسکو نیکیاں ملیں گی۔ کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ میزان میں لید رکھدی جائیگی۔ میزان میں لید کے وزن کی کوئی چیز رکھدی جائیگی۔ تو جب اُسکے گھوڑے کی لید اور پیشاب میں بھی ثواب ہے چونکہ وہ گھوڑا ذریعہ ثواب تھا حالانکہ اسکے قصد سے ہوا تو یہاں یہ سونا جب ذریعہ ہے جاگنے کا اور وہ ذریعہ ہے عبادت کا اور ہوا بھی ہے اسی عبادت کے قصد سے تو اُس میں کیوں ثواب نہ ملیگا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شب قدر نہایت قابل قدر چیز ہے اُس میں جاگنا چاہیئے اور خدا کی عبادت کرنا چاہیئے اور کوئی ساری رات جاگنا ضروری نہیں جتنا جس سے ہوسکے جاگے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ عادت سے کسی قدر زیادہ جاگے اور اس عبادت شب قدر کی روح مشاہدہ ہے اس میں حق جل و علےٰ شانہ کی تجلی ہوتی ہے اور گو ہمیں اُن تجلیات کا دکھائی دینا ضرور نہیں مگر اسکی پہچان اس سے ہوتی ہے کہ اسمیں اور اور راتوں میں یہ فرق ہے کہ اس رات میں بہ نسبت اور راتوں کے عبادت میں زیادہ جی لگتا ہے قلب کو غفلت نہیں ہوتی اور کیوں ہو وصل کیساتھ ہجر جمع نہیں ہوتا ؎ شب قدر است طے شد نامۂ ہجر سَلٰمٌ ھِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ

(ترجمہ شب قدر میں نامہ ہجر لپیٹ دیا گیا ہے اسمیں سراپا سلامتی و برکت ہے طلوع فجر تک ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور اس رات کی یہ فضیلت ہے کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا میں کا ملائکہ رحمت کا نزول ہوتا ہے اور اسمیں دو احتمال ہیں یعنی یا تو اسمیں فضیلت اس وجہ سے آئی کہ اسمیں ملائکہ نازل ہوتے ہیں یا ملائکہ اس وجہ سے نازل ہوتے ہیں کہ اس میں پہلے سے فضیلت ہے۔ بہرحال جو بھی ہو ؎

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف	ور بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

اُس کا دامن ہاتھ آجائے وہ کھینچ لے تب بھی مقصود حاصل ہم کھینچ لیں تب بھی اسی طرح اسمیں بھی

بہرحال فضیلت ہے خواہ نزول ملائکہ کا وہ سبب ہو یا اُس کا سبب ہو۔ غرض اس سے کچھ بحث نہیں فضائل اسکے اندر ہیں اسی واسطے حدیث شریف میں آیا ہی کہ جو اس رات سی محروم رہگیا وہ بڑی دولت سے محروم رہ گیا۔ یہ دن سال بھر کے بعد آتے ہیں اُنکی قدر کرنا چاہیئے کیونکہ زندگی کا کیا بھروسہ۔ یوں تو ہر آن میں ان وجہ فضیلت ہی یہ اسلئے کہتا ہوں کہ اگر کسی سے یہ فوت ہوجائے تو اور ہی کسی رات میں کچھ کرلے گو وہ ویسی تو نہ ہوگی مگر کام بنجاویگا۔ ع انجواجہ چہ پرسی زشب قدر نشانی ٭ ہر شب شب قدر ست اگر قدر بدانی (ترجمہ شب قدر کی نشانی کو تم کیا دریافت کرتے ہو اگر قدر کرو تو ہر رات شب قدر ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) لیکن اسمیں پھر بھی خصوصیت ہی اور اوپر جو ذکر کیا گیا کہ اسمیں تجلی حق ہوتی ہے اسمیں بھی دو احتمال ہیں یا تو اس شب کی فضیلت کے سبب اسمیں تجلی ہوتی ہو اور یا خود تجلی کے سبب اسکی فضیلت ہوتی ہو اور حافظ شیرازی کے قول سے احتمال ثانی اقرب معلوم ہوتا ہی چنانچہ فرماتے ہیں ع آن شب قدرے کہ گویند اہل خلوت امشب است ٭ یارب این تاثیر دولت از کدامین کوکب است (ترجمہ وہ شب قدر کہ اہل خلوت کہتے ہیں آج کی رات ہی یارب اسمیں فضیلت کس کوکب کی وجہ سے آئی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یعنی یہ فضیلت شب قدر میں کس کوکب کی وجہ سے آئی کوکب سی مراد تجلی حضرت حق جل وعلا شانہ ہی منہ طہ بہرحال یہ دولت عزیز ہے بڑے فیوض وانوار وبرکات کا ہی۔ اسمیں جہانتک ہوسکے اعتکاف کرو اگر نہو سکے تو ان پانچ راتوں میں جاگ ہی لو۔ اگر تمام راتوں میں نہو سکے تو بعض میں جاگ لو بعض کے بھی بعض حصہ میں جاگ لو تب بھی کافی ہی اعتکاف کا وقت بیسویں تاریخ عصر کے بعد سی ہے بیسویں تاریخ تیس کے چاند کے حساب سے تو منگل کو ہوگی مگر باہر سے خبریں آرہی ہیں کہ انتیس کا چاند ہوا ہی گو ابھی محقق نہیں ہوا مگر احتیاط اسی میں ہی کہ پیر کی شام سی اعتکاف کرلیں اگر ایک دن زیادہ ہوجائیگا تو کونسا حرج ہوجائیگا۔ آگے حق تعالی فرماتے ہیں تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا یہ اللہ کے حدود ہیں ان سی تجاوز کرنا تو کیسا انکے پاس بھی مت پھٹکو۔ اور آگے فرماتے ہیں لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (ترجمہ اس امید پر کہ تم متقی بن جاؤ ۱۲ محمد صابر) اس سے معلوم ہوتا ہی کہ مقصود تقوی ہی سبحان اللہ! شروع میں كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (ترجمہ تم پر روزہ فرض کیا گیا ہی ۱۲ محمد صابر) میں بھی لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ فرمایا ہی اسمیں سے مجاہدہ کی طرف اشارہ تھا اور یہاں ختم پر بھی لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ فرمایا ہی جس سے اشارہ ہو گیا کہ اسکی روح بھی مجاہدہ تھا اور اسکی روح بھی مجاہدہ ہی کیونکہ اعتکاف کی روح خلوت ہی اور وہ مجاہدہ کا ایک جزو ہی۔ اب میں اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں حق تعالی سے دعا کیجیے کہ فہم اور عمل کی توفیق عطا فرماویں آمین۔ تمت روح الجواد۔

۱۳۶

ہفت اختر کا چوتھا وعظ

روح الافطار

اَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	مَاذَا	لِمَ	مَنْ ضَبَطَ	اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	اَشْتَاتٌ
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	کس طرح ہوا	کیا مضمون تھا	کیوں ہوا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	۲۳ رمضان ۱۳۳۳ھ جمعہ	۳ گھنٹہ	بیٹھ کر			عبد الحلیم کان اللہ لہ	۵۰۰	۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۱۳۷

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ وبارک وسلم اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ (ترجمہ عیسیٰ ابن مریم نے دعا کی اے اللہ اے ہمارے پروردگار ہم پر آسمان سے کھانا نازل فرمائیے کہ وہ ہمارے لئے یعنی ہم میں جو اول ہیں اور بعد ہیں سب کیلئے ایک خوشی کی بات ہو جائے اور آپکی طرف سے ایک نشان ہو جائے آپ ہمکو عطا فرمائیے اور آپ سب عطا کرنے والوں سے اچھے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یہ معلوم کر لینا چاہیئے کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے جس کے متعلق اب تک ہر جمعہ میں کچھ مضامین بیان کئے گئے ہیں کہ جن کا حاصل اُن عبادات کی ارواح و اسرار تھا جو مخصوص ہیں اس ماہ مبارک کیساتھ۔ اگر اس جمعہ کے بعد دوسرے جمعہ کا آنا متیقن ہوتا تو جو مضمون اس وقت بیان کرنا مقصود ہے اُسی جمعہ میں بیان کیا جاتا یعنی عید کے متعلق بیان

کرنا ہے اور عید کا ابھی ایک ہفتہ باقی ہے ہمارے یہاں چونکہ تیس کا چاند دکھا گیا اس لئے جمعہ کا آنا بھی محتمل ہے اور جہاں اُنتیس ۲۹ کا چاند دیکھا گیا وہاں تو یقیناً اب کا جمعہ رمضان کا نہ ہوگا۔ اس لئے عید کے متعلق آج ہی بیان کئے دیتا ہوں۔ اب تک اُن طاعات کی روح ذکر کیگئی ہے جو رمضان کے اندر ہیں۔ اب چونکہ رمضان ختم ہونے کو ہے لہذا آج اُس عبادت کے متعلق بیان ہوگا تاکہ جو غایت اُن طاعات کی روح معلوم کرنے سے ہے اُسی غایت کا لحاظ عید میں بھی کریں اور احکام شرعیہ عید کے اس وقت بیان نہیں کئے جائیں گے کہ بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ اب بھی اگر کسی کو یاد نہ رہے ہوں اور ضرورت ہو تو پوچھ لے۔ ہاں چاہے تبعاً و ضمناً بیان ہو جائیں تو مضائقہ نہیں اور مطلب اُس غایت کے لحاظ کرنے کا یہ ہے کہ عید صرف کھانے پینے ہی کا نام نہ سمجھیں بلکہ اُس میں علاوہ فرحت حسیہ صوریہ کے جو ایک فرحت روحانیہ شرعیہ الٰہیہ بھی ہے اُس کا بھی لحاظ کریں کہ جس کی طرف جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الْإِفْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ۔ جس کا بیان آتا ہی یعنی روزہ دار کو دو فرحتیں ہوتی ہیں ایک افطار کیوقت دوسری فرحت لقاء رب کے وقت جو آخرت میں ہوگی اور اس حدیث میں گو ظاہراً روزمرّہ کے افطار کا ذکر ہے لیکن قیاس کہئے یا دلالۃ النص کے اعتبار سے سمجھئے یا لفظ کا عموم لیجئے اُس میں دوسرے افطار پر بھی دلالت ہے یعنی افطار اکبر۔ سو اُس کا بھی یہی حکم ہے اس اعتبار سے اس افطار اکبر کے باب میں یہ بھی ارشاد ہوگا کہ اس افطار کے وقت بھی ایک فرحت ہوتی ہے باقی یہ کہ افطار کیوقت کس بات کی خوشی ہوتی ہے۔ سو ایک خوشی تو اہل ظاہر کو ہے کہ کھانا پینا ملا اور ایک خوشی افطار کے وقت اہل حقیقت کو ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت تمام ہوئی۔ یہ ہے وہ فرحت روحانیہ جس کا لحاظ فطر اکبر یعنی عید کے روز بھی کرنا چاہئے اور اسی پر کیا منحصر ہے شریعت میں تو تمام احکام کے متعلق مصالح دنیویہ و اخرویہ دونوں موضوع ہیں تاکہ جو جس کا مذاق ہے اپنے مذاق کے موافق خواہ دینی یا دنیوی مصلحت سمجھ کر ہر طرح اُس کا امتثال کر ہی لے۔ اہل صورت کا خیال صورت کی طرف جاتا ہے اہل معنی کا ذہن معنی کی طرف منتقل ہوتا ہے اور جو جامع ہیں اُن کو دونوں کا لحاظ

نیز جو اسکے بعد ہے اور اسی طرح پھر عید کی روح کے متعلق بیان ہوگا

۱۳۸

ہوتا ہے ؎

بہار عالم حسنش دل وجان تازہ میدارد	برنگ اصحاب صورت را بہ بو ارباب معنی را

(ترجمہ۔ اُسکے عالم حسن کی بہار ظاہر پرست لوگوں کے دل وجان کو اپنے حسن صوری سے اور حقیقت پرست لوگوں کے دل وجان کو اپنے حسن معنوی سے تروتازہ رکھتی ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہی شریعت مقدسہ کی کیفیت ہے کہ صورت و معنی دونوں کی جامع ہی یعنی مصالح دینیہ و مصالح دنیویہ دونوں کی رعایت ہی لیکن اصل مقصود ان میں مصالح دینیہ ہیں ہاں مصالح دنیویہ بھی اُس پر مرتب ہو جاتے ہیں۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا و آخرت کی خوب مثال بیان فرمائی۔ فرمایا کہ دنیا و آخرت مثل شخص اور اُس کے ظل کے ہیں کوئی سایہ کو پکڑنا چاہے ہاتھ نہیں آسکتا۔ اس کی یہی صورت ہی کہ اُس شخص کو پکڑلو جس کا یہ سایہ ہی۔ پھر دیکھو اگر تم اُس سایہ کو دھکے بھی دو تب بھی نہ جائیگا اور یوں تو ساری عمر برباد کردوگے کبھی ہاتھ نہ آئیگا اور اسی ظلیت سے ناشی ہے وہ واقعہ کہ سیّدنا حضرت غوث الاعظم رحمۃ اللہ علیہ نیز اور لطیف المزاج بزرگ جو لطیف و لذیذ کھانے کھایا کرتے تھے اور نہایت نفیس لباس پہنا کرتے تھے۔ مگر اُس کا اہتمام نہ تھا خود بخود حق تعالیٰ دے تو انکار بھی نہ تھا ع ہرچہ از دست میرسد نیکوست (ترجمہ جو کچھ محبوب حقیقی عطا کریں وہ اچھا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کیونکہ وہ حضرات تکنبل یعنی کنبل اوڑھنے والے نہ تھے وہ تکمل تھے یہ بات بھی کمال کے خلاف نہیں تھی تو نکتہ اس میں حضرت نے یہ فرمایا کہ نعمائے دنیا ظل ہیں (سایہ ۱۲ ص) نعمائے اُخریٰ کا اور نعمائے اُخریٰ (آخرت کی نعمتیں ۱۲ ص) کے متعلق ارشاد ہی وَفِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ط (ترجمہ اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہیے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اُن حضرات کو نعمائے دنیا (دنیا کی نعمتیں ۱۲ ص) میں عکس نظر آتا تھا نعمائے آخرت کا اور وہ لطف آتا تھا جو نعمائے آخرت میں ہوگا اُن لذتوں کے حاصل کرنے کیلئے یہاں کی لذت اختیار کرلیتے تھے ہمارے فقہاء بھی مثل صوفیہ کے حکماء ہیں بلکہ حقیقت میں یہی دو گروہ حکماء ہیں ایک صوفیہ دوسرے فقہاء تو صوفیہ نے بھی اسکو سمجھا کہ وہاں کی لذتوں کا نمونہ ہے اور فقہاء نے بھی اس کو سمجھا چنانچہ صاحب ہدایہ جن کی عادت ہی کہ ہر مسئلہ کی ایک دلیل نقلی بیان فرماتے ہیں اور ایک عقلی جہاں یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں کہ حریر چار انگل تو جائز ہے۔ اس سے زیادہ جائز نہیں۔ چار انگل اس

طور پر کہ سنجاف یا بیل عمامہ یا ٹوپی یا اور کسی کپڑے میں لگا لے تو کچھ حرج نہیں۔ اول اس کی دلیل نقلی ارشاد فرمائی۔ اسکے بعد حکمت عقلیہ یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ نمونہ ہی لباس اہل جنت کا کیونکہ لِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (ترجمہ جنت میں اُن کا لباس ریشمی ہوگا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تاکہ تھوڑا دیکھ کر وہ یاد آوے اور اس کے حاصل کرنے کی رغبت ہو اور اُس کا حصول موقوف ہے اعمال صالحہ پر لہذا جب اُس کی رغبت ہوگی تو اعمال صالحہ کی بھی رغبت ہوگی۔ سبحان اللہ حریر پہن رہے ہیں۔ اور سلوک طے کر رہے ہیں۔ غرض یہاں کی نعمتیں ظل ہیں نعمائے آخرت کا حضرت فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص کا سایہ اچھا معلوم ہوتا ہو تو اُس شخص پر قبضہ کر لو تو پھر وہ سایہ ایسا ہی کہ دھکے دینے سے بھی نہیں جائیگا۔ اسی طرح اگر دنیا چاہتے ہو تو آخرت اختیار کر لو۔ آخرت کیساتھ دنیا کی یہ حالت ہے کہ اَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ دنیا خاک میں ملتی اور ناک رگڑتی ہوئی آوے گی۔ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ کا مصداق دیکھا۔ مولانا محمد قاسم صاحب حجرہ میں تشریف رکھتے تھے۔ بڑے بڑے معزز لوگ نواب و رؤسا زیارت کو حاضر ہوتے تھے وہاں کسی سے پوچھا کب تشریف لائیں گے اُس نے کہا اب تھوڑی دیر میں نکلیں گے حجرہ کے آگے ایک چٹائی بچھی تھی جس پر کبھی جھاڑو نہیں ہوئی تھی سیروں گرد پڑی ہوئی تھی۔ وہاں بھلا کیوں جھاڑو ہوتی جن کا مذاق یہ تھا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ جو مسجدیں بہت با دبا کے جھاڑو دیتے ہیں ہمیں بھلا نہیں معلوم ہوتا۔ اتنا تو کرے کہ خدا کے سامنے خاکساری کی شکل تو بنا لے وہ سجدہ ہی کیا ہوا جس میں ماتھے اور ناک میں مٹی نہ بھرے۔ بس کچی زمین ہو مٹی ناک کو ماتھے کو ہاتھوں کو اور تمام مواضع سجدہ کو لگتی ہو۔ ہمارا تو اسی میں جی بھلا ہوتا ہے۔ تو جن کا یہ مذاق ہو اُن کی چٹائی پر کون جھاڑو دے وہ رؤسا اُسی چٹائی پر بیٹھ جاتے تھے اور کھلی آنکھوں نظر آتا تھا کہ اَتَتْهُ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ (ترجمہ اس کے پاس دنیا ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہ اہل دنیا خاک آلودہ ہوتے تھے حقیقت میں اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ ڈھکیلنے سے بھی نہیں نکلتی ع گر نستانی بستم میرسد (ترجمہ اگر خوشی سے نہ لو تو زبردستی پہنچتی ہے ۱۲۔ محمد صابر غفرلہ) دنیا کا آنا اہل دنیا کا آنا ہے بلکہ جو سچا دیندار ہیں وہ تو دنیا کو ہاتھوں سے بھی نکالتے ہیں زبان سے بھی نکالتے ہیں۔ دل سے بھی نکالتے ہیں مجذوب ۱۲

۱۴۰

ہاتھ سے تو اس طرح کہ کہیں گھونسے سے خبر لیتے ہیں۔ کبھی مارتے ہیں اور زبان سے یہ کہ بُرا بھلا کہتے ہیں۔ گالیاں دیتے ہیں۔ اور دل سے یہ کہ نفرت کرتے ہیں اُنہیں بُرا سمجھتے ہیں لیکن لطف یہ ہے کہ جہاں زبان سے کسی کو بُرا بھلا کہا یا مارا پیٹا وہاں اُس کا کام بن گیا۔ مولانا فضل الرحمن صاحب رح کے متعلق لوگوں کا خیال تھا کہ جب تک تیزی اور سختی کرتے تھے تو لوگوں کا کام بنجاتا تھا جب سے نرمی اور خوش اخلاقی برتنے لگے لوگوں کا کام ہونا بند ہوگیا۔ چنانچہ بعضے مجاذیب کے یہاں بھی کام ہوجانے کی یہ علامت ہے کہ دھکے دیدیے کام ہوگیا اور باوجود اتنی بدمزاجیوں کے لوگ پھر بھی اُن کے پاس جاتے ہیں۔ وہ دنیا کو نکالتے ہیں اور نہیں نکلتی اسی سے حضرت فرماتے تھے اگر کوئی طالب دنیا ہو تو تارک دنیا ہوجائے۔ کیونکہ اس کی وہ حالت ہے جو بیحیا فاحشہ عورتوں کی ہوتی ہے کہ اگر کوئی اُن کے پیچھے پھرے تو نخرے کرتی ہیں اور اگر کوئی اُن سے پھرے تو یہ اُسکے پیچھے پھرتی ہیں کہ شکار نکلنے نہ پائے۔ یہی کیفیت دنیا کی ہے کہ اگر اُس کے پیچھے پیچھے پھرو تو نخرے کرتی ہے اور ہاتھ نہیں لگتی اور اگر اسے چھوڑ دو تو پیچھے پیچھے آتی ہے

دید دنیا بصورت بکرے	عارفے خواب رفت در فکرے

ایک عارف نے دنیا کو کنواری لڑکی کی صورت میں خواب میں دیکھا

بکر چونی بایں ہمہ شوہر	کرد از وے سوال کاے دلبر

اُس سے پوچھا کہ اتنے تو تیرے خصم اور تو اب تک باکرہ ہی رہی

کہ مرا ہر کہ بود مرد نہ خواست	گفت یک حرف با تو گویم راست
زاں بکارت ہمیں بجاست مرا	وانکہ نامرد بود خواست مرا

اُس نے کہا بات یہ ہے جو مرد تھے اُنہوں نے منہ نہیں لگایا اور جنہوں نے منہ لگایا وہ نامرد تھے اس لئے میں ویسی ہی ہوں۔ بہرحال جو اس سے بھاگتے ہیں یہ اُنکے پیچھے پیچھے پھرتی ہے۔ لیکن للّٰہ اس کو کوئی تجارت اور دنیا کمانے کا طریقہ نہ سمجھے کہ بہت سہل ترکیب معلوم ہوئی بس دنیا کو چھوڑ دیں گے وہ خود حاصل ہوجائیگی۔ اس سے ہرگز دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جب تم دنیا کو اس نیت سے چھوڑو گے تو تم طالب دنیا ہوئے تارک دنیا کہاں ہوئے۔ یاد رکھو اگر ایسا کروگے تو روٹی بھی نہیں ملیگی یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک مولوی صاحب نے

وعظ میں بیان کیا کہ ایک دو تو دس ملیں۔ ایک احمق کہنے لگا کہ مولوی صاحب آپ نے تو بڑی
اچھی تجارت بتلائی کہ جس قدر اس میں نفع کہ نہ پانچ روپے سیکڑہ نہ دس روپے سیکڑہ نہ سو
روپے سیکڑہ ایک دم سے ہزار روپے سیکڑہ بس اب سے یہی کرینگے۔ میاں کے پاس ایک
روپیہ تھا جھٹ کسی فقیر کو دیدیا اور منتظر ہوئے کہ اب ملیں دس روپے اب ملیں۔ وہ نہ آج ملے نہ
کل۔ اپنے دل میں خیال کرنے لگا کہ مولوی صاحب بڑے جھوٹے تھے خواہ مخواہ میرا روپیہ
بھی کھوایا۔ اسی غم میں بیچارے کو پیچش ہو گئی۔ ہر وقت دستوں کا سلسلہ۔ بیچارہ جنگل جاوے
ہگ آوے ایک بار ایک کھیت کے کنارے بیٹھا ہگ رہا تھا۔ ہگ چکا تو استنجے کیلئے ڈھیلا اٹھایا
ایک ڈھیلے کے نیچے سے ایک بٹوا نکلا۔ کھول کر دیکھا تو پورے دس روپے تھے۔ بڑے خوش
ہوئے مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ مولوی صاحب تم سچ کہتے تھے کہ ایک کے دس
ملتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک روپیہ دیا تھا دس روپے مل گئے مگر کبھی مروڑے بڑے غضب
کے ہیں ان کی مجھے برداشت نہیں ہوتی۔ تم نے مجھ سے پہلے ہی کیوں نہ کہدیا کہ ایک کے دس
ملتے ہیں اور ساتھ ہی اسکے مروڑے ہوتے ہیں تاکہ کبھی میں ایسا نہ کرتا میرا تو ناک میں دم ہو گیا۔
معاف رکھو میں ایسی تجارت سے باز آیا۔ تو حضرت اسے تو گو نیت بخیر نہ تھی مگر مل گیا۔ مگر یاد رکھو
تمہیں سوائے مروڑوں کے کچھ نہیں ملیگا۔ اسی طرح کسی اور احمق نے ایک مولوی صاحب سے وعظ
میں سن لیا تھا کہ توکل میں سب کچھ ملتا ہے۔ بس سب چھوڑ چھاڑ جنگل میں سڑک کے کنارے جا
بیٹھا۔ سڑک کے کنارے ایک کنواں بھی تھا۔ مسافر آتے تھے کنویں پر بیٹھ کر اس کی طرف سے منہ پھیر کر
کھانا کھا کر یہ جا اور وہ جا یہ حضرت یونہی منہ تکتے رہ جاتے۔ اسی طرح تین چار دن گذر گئے۔ اب تو
میاں کے دم پر بنگئی کہ معلوم ہوتا ہے کہ میں یہیں اسی حالت میں مرونگا۔ اتفاقاً ایک اور شخص آیا
وہ بھی اسی طرح کھا پی کر چلنے لگا آپ کہتے ہیں اونہہ اونہہ (کھنکار کی آواز) اس نے مڑ کر انکی
طرف دیکھا رحم آگیا جو روٹیاں بچی تھیں انہیں دیکر چلا گیا انہوں نے کھائی جب ذرا جان آئی تو
آئے مولوی صاحب کے پاس اور کہا کہ مولوی صاحب آپنے یوں تو کہا کہ توکل میں اسباب ترک
کرنا پڑتے ہیں مگر یہ کہنا شاید آپ بھول گئے کہ کھنکارنا بھی پڑتا ہے۔ وہ تو کہئے تین چار دن
کے بعد میں نے اپنے اجتہاد سے معلوم کر لیا تھا ورنہ ہلاک ہی ہو جاتا۔ مہربانی فرما کر اب جہاں

۱۴۳

کہیں توکل کے متعلق بیان فرمائیگا یا ذکر کرے ضرور ضرور یہ بھی بیان فرما دیا کیجئے کہ کھنکار نا بھی پڑتا ہے۔ تو بات یہ ہی کہ اُنہوں نے کما بیٹنے کو توکل سمجھا ہے۔ گنگوہ کا ذکر ہے کہ ایک بزرگ نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ کچھ کام کرو جس سے آیندہ گذر کی صورت ہو اُنہوں نے کہا کہ آپ حضرت مولانا کو نہیں دیکھتے کہ وہ کچھ بھی کام نہیں کرتے اور پھر کیسی چین سے بسر ہوتی ہی اُنہوں نے کہا کہ اُن کیسا کمال بھی تو پیدا کرو۔ افسوس اُنکے کمال کی حرص نہوئی۔ پھر یہ کہ خدمت کرنیوالوں کی حرص نہوئی۔ بڑے ہی کم ہمت ہو کہ بدون کمال مخدوم بننا چاہتے ہو اور اُنکی مخدومیت تو منجانب اللہ ہے یہ تدبیر تھوڑا ہی ہی مخدومیت کی۔ ورنہ اگر اس نیت سے کرے کہ یہ تدبیر ہے معاش کی تو وہ توکل نہیں ہے۔ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ کوئی ایسا تعویذ بتا دو جس سے امراء مسخر ہو جاویں جب میں نے سمجھایا تو کہنے لگے کہ پھر کوئی ایسی تدبیر بتا دو کہ توکل ہی پیدا ہو جاوے تاکہ دنیا سے بیفکری ہو جائے۔ غرض مطلوب تو دنیا ہی ہے خواہ تحصیل کے ذریعہ سے حاصل ہو یا ترک کے ذریعہ حضرت منصور کا مذاق تو یہ تھا کہ بعض مخلصین پر بھی گرفت کرتے تھے ایک مرتبہ کسی سالک سے اُنہوں نے پوچھا کیا کر رہے ہو اُنہوں نے کہا مقام توکل کی تصحیح کر رہا ہوں۔ فرمایا افسوس اب تک پیٹ ہی کی فکر میں ہو۔ کیونکہ پیٹ کی فکر نہ ہونے کی فکر بھی پیٹ ہی کی فکر ہے۔ کیونکہ پیٹ کی فکر اطمینان کیلئے کرتے ہیں اور توکل سے بھی اطمینان حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہ بھی پیٹ ہی کی فکر ہوئی یہ تو بتلاؤ کہ اصلی کام یعنی مشاہدہ جمال میں کب لگوگے تو غرض دنیا کی نیت سے جو دین کا کام کروگے تو وہ بھی دنیا ہی ہو جائیگی۔ پھر وہ برکت کہاں۔ برکت تو اللہ کیواسطے کرنے میں ہے۔ جو لوگ اللہ واسطے دنیا کو چھوڑتے ہیں وہاں دنیا کی نیت تو کیا ہوگی ثمرات باطنیہ کی بھی نیت نہیں ہوتی۔ نہ کیفیات کا انتظار ہوتا ہے نہ احوال کی توقع ہوتی ہی اور اگر کسی کو ہے تو وہ عبدالحال ہے عبدالثمرات ہی۔ عبدالکیفیات ہی وہ عبداللہ نہیں ہی۔ کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اگر حال نہوتا وہ عبادت نہ کرتا۔ اور طلب حال کی دو صورتیں ہیں ایک تو دعا ہے کہ حال ہو اس کا کچھ حرج نہیں اور ایک یہ کہ اعمال ہی سے نیت یہ ہو کہ حال ہو یہ خلاف طریقت ہی چنانچہ اگر کوئی نماز پڑھکے دعا کرے کہ سو روپے مل جاویں تو اس میں تو کچھ حرج نہیں اور واقعی یہ نماز اللہ ہی کیلئے ہی۔ اور اگر خود نماز ہی سے یہ نیت ہو کہ سو روپے ملیں گے تو یہ نماز اللہ کے لیے نہیں ہے۔ یہ سو روپے

۱۴۳

کے لئے ہے۔ اسی طرح اگر اللہ کا نام اس نیت سے لیتا ہے کہ لذت ہو تو وہ عبد اللذات ہی خوب سمجھ لو۔ پس بعض لوگ تو طلب لذت کو مطلقاً بُرا نہیں سمجھتے اور بعضے مطلقاً بُرا سمجھتے ہیں۔ لیکن تحقیق یہ ہے کہ اعمال میں اس کی نیت رکھنا تو مذموم ہے لیکن مستقل طور پر دعا سے طلب کرنا جائز ہے گو وہ خلاف مصلحت واقع میں ہو اگر ایسا ہو گا حق تعالیٰ خود ہی عطا نہ فرماوینگے جیسے عموماً دعاؤں میں یہی عادت ہے لیکن مانگنے میں کچھ قبح نہیں پس خدا کا نام تو خدا ہی کیلئے لینا چاہیئے ؎

از خدا غیر خدا را خواستن　　　ظن افزونی است کلی کاستن

خدا کا نام دوسری چیز کے مانگنے کی نیت سے لینا تنزل ہے۔ اللہ کا نام تو اسواسطے ہے کہ اللہ راضی ہو۔ خلاصہ یہ کہ جب ذکر و عمل سے قصد ثمرات باطنہ بھی غیر محمود ہے تو قصد دنیا تو اس ذکر و عمل توکل و غیرہ سے کہاں محمود ہو گا۔ پس ترک دنیا وہ معتبر ہے جو واقع میں ترک ہو یہ نہیں کہ بظاہر ترک اور واقع میں طلب۔ ایک بغدادی صاحب کانپور آئے تھے اُن کے پاس غنا کا عمل تھا۔ ایک حکیم صاحب نے اُن سے اُس کے سکھانے کی درخواست کی۔ اصرار کے بعد اُنہوں نے سکھا کر اُس کی تعریف کی کہ اس سے اگر کبھی غنائے ظاہری بھی نہیں حاصل ہوا تو غنائے باطنی تو ضرور ہی حاصل ہو گیا ہے کبھی خالی نہیں گیا۔ وہ درود شریف کا عمل تھا۔ یہ سنکر بس حکیم صاحب پھیکے پڑ گئے کہ غنائے باطنی کا مطلب تو یہ ہے کہ دنیا نہ ملے گی مگر جی میں ٹھنڈک پڑ جائیگی۔ ایسے ظالم غنائے ظاہری تو غنائے باطنی ہی کیلئے مطلوب ہے۔ اگر وہ بغدادی صاحب یوں کہدیتے کہ پہلے غنائے باطنی حاصل ہو گا پھر غنائے ظاہری بھی حاصل ہو جائیگا تو شاید حکیم صاحب کچھ وقعت کرتے۔ تو حاصل یہ ہے کہ وہ ترک دنیا معتبر نہیں جس میں مقصود طلب دنیا ہو۔ واقعی ترک دنیا وہ ہے جس سے مقصود بھی ترک دنیا ہو۔ پس ایسے ترک سے دنیا سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہتی ہے۔ بہرحال ثابت ہو گیا کہ دنیا ظل ہے آخرت کا حدیث شریف میں ہے مَنْ جَعَلَ هُمُوْمَهٗ هَمًّا وَّاحِدًا هَمَّ الْاٰخِرَةِ كَفَاهُ اللّٰهُ هُمُوْمَهٗ كُلَّهَا یعنی جس نے اپنے تمام افکار کو ایک ہی فکر بنا لیا یعنی فکر آخرت اللہ تعالیٰ اُس کے تمام افکار کو کفایت فرماتا ہے وَمَنْ تَشَعَّبَتْ بِهٖ هُمُوْمُ الدُّنْيَا اور جس پر ہموم دنیا نے ہجوم کر دیا لَمْ يُبَالِ اللّٰهُ فِيْ اَيِّ اَوْدِيَةٍ هَلَكَ

خدا کو کچھ پرواہ نہیں کہ وہ اُس کے کس جنگل میں ہلاک ہوگا۔ بہرحال حدیث سے بھی ثابت ہوگیا کہ ترک دنیا کے بعد دنیا خود حاصل ہوجاتی ہے اور قرآن سے بھی ثابت ہے فرماتے ہیں وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا جو اللہ سے ڈرتا ہے اُس کیلئے اللہ تعالیٰ ایک رستہ نکال دیتے ہیں مگر اس کے یہ معنی نہ سمجھنا کہ نوکری کی ضرورت نہیں رہیگی۔ زراعت و تجارت کی حاجت نہیں رہیگی۔ اس کے معنی ایک مثال سے واضح ہوجائیں گے۔ زراعت تجارت ملازمت کی مثال زنبیل گدائی کی سی ہے حق تعالیٰ کا معاملہ اکثر یہ ہے کہ جو شخص جو زنبیل پھیلاتا ہے حق تعالیٰ اُسی میں عطا کرتے ہیں۔ ہاں بعض کو بے زنبیل لائے بھی دیتے ہیں۔ دیکھو دنیا میں بھی دینے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کھانا دیدیا مگر شرط یہ کہ اپنا برتن لاؤ۔ ایک یہ کہ کھانا مع برتن دیدیا۔ پس جس طرح زنبیل لانے پر کھانا ملنے میں معطی (ترجمہ عطا کرنے والا۔ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) سب اُس جواد ہی کو سمجھتے ہیں زنبیل کو کوئی موثر نہیں سمجھتا۔ چنانچہ اس صورت میں اگر کوئی زنبیل سے کھانا نکال کر کہنے لگے کہ یہ تو خود بخود میرے برتن میں سے نکلا کسی نے اس میں ڈالا نہیں تو یہ اُس کی حماقت ہے۔ اور اُسے کہا جائیگا ارے بے وقوف برتن میں کیا تھا۔ وہ تو محض ظرف ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے بھی کسی مصلحت سے قانون مقرر کردیا ہے کہ اپنا برتن لاؤ اور لے جاؤ۔ تو یہ تجارت و ملازمت وزراعت برتن ہیں۔ اب اگر کوئی کہنے لگے کہ خدا نے نہیں دیا وہ تو میری ملازمت یا تجارت یا زراعت سے پیدا ہوا تو جس طرح وہ بے وقوف ہے یہ بھی احمق ہے۔ اور یہ تو قارون کا مذہب ہے اور اُس نے اپنے مال کو کہا تھا کہ خدا نے نہیں دیا بلکہ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ عِنْدِيْ میرے پاس ایک ہنر ہے اُس کی بدولت مجھے یہ حاصل ہوا۔ بعضوں نے ہنر کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ کیمیاگر تھا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ بہت بڑا تاجر تھا بہرحال اپنے مال کو ہنر کی طرف منسوب کرتا تھا۔ تو یہ قارون کا مذہب ہے کہ علتِ حقیقیہ رزق کی نوکری یا زراعت یا تجارت کو قرار دے خوب سمجھ لو کہ یہ کاسۂ گدائی ہیں خدا کی عادت غالبہ یہ ہے کہ برتن لاؤ تو دیں گے تجارت کرو یا نوکری یا زراعت وہی دیتے ہیں اسباب تو نظر آتے ہیں اور وہ مسبب نظر نہیں آتا ؎

یار بیرون فتنۂ او در جہاں	عشق من پیدا و معشوقم نہاں

فتنہ غلبہ حال اور جوش میں کہہ گئے مراد تصرف اور درجہاں (ترجمہ اس کا تصرف جہان میں)

۱۴۵

محمد صابر غفرلہ) ہے یار، تو جہان سے باہر ہے۔ مگر اُس کا تصرف جہان کے اندر ہے اور وہ خود نظر نہیں آتا۔ اسی کو مولٰنا فرماتے ہیں ؎

ما ہمہ شیراں ولے شیرِ علم ۔۔۔ حملہ شاں از باد باشد دمبدم

(ترجمہ ہماری ایسی مثال ہے جیسے پرچم کا شیر ہوتا ہے ہوا چلنے سے حملہ کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے یعنی ہمارا تصرف تصرف حق کی وجہ سے ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

علم یا پرچم پرانے زمانے میں سانپ یا شیر کی تصویر بنا دیتے ہیں تاکہ جس وقت ہوا سے کپڑا ہلے تو وہ حملہ کرتا ہوا معلوم ہو اور اچھا لگے ؎

حملہ شاں پیدا و ناپیدا است باد ۔۔۔ آنکہ ناپیدا است ہرگز گم مباد

اُن کا حملہ نظر آتا ہے حملہ کرانے والی (یعنی ہوا) نظر نہیں آتی (آگے بطور دعا کے فرماتے ہیں جو چیز نظر نہیں آتی یعنی مؤثریت حق۔ وہ ہمارے دل سے کبھی کم نہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اسی طرح ہماری بھی حالت ہے کہ ؎

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست ۔۔۔ مے برد ہر جا کہ خاطر خواہِ اوست

اُنہوں ہی نے یہ حرکات پیدا کر رکھی ہیں (جس طرف چاہتے ہیں متحرک کر دیتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اُسکی علت حقیقیہ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں ؎

گر بعلم آئیم ما ایوان اوست ۔۔۔ ور بجہل آئیم ما زندان اوست

(ترجمہ یعنی اگر ہم جہل میں مبتلا رہیں تو یہ اُن کا زندان ہے یعنی حق تعالیٰ ہی کا تصرف ہے کہ محبس جہل سے نہیں نکلے اور اگر علم تک ہماری رسائی ہو جاوے تو یہ بھی اُن کا ہی ایوان ہے کہ درجہ علم اُنکے تصرف سے عطا ہوا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

گر بخواب آئیم مستانِ ویئیم ۔۔۔ ور بہ بیداری بدستانِ ویئیم

(ترجمہ یعنی اگر سو رہیں تو اُن ہی کے بیہوش کئے ہوئے ہیں اور اگر جاگ اُٹھیں تو بھی اُن ہی کی گفتگو میں ہیں یعنی یہ قوت بیانیہ اُن ہی کی عطا فرمائی ہوئی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہ تو متعلق حالات ہیں ایک حالت تردد و عدم تعین کسی شق کی ہے اُسے بھی خود ہی فرماتے ہیں ؎

در تردد ہر کہ او آشفتہ است ۔۔۔ حق بگوشش او معما گفتہ است

(ترجمہ یعنی جو شخص کسی تردد میں پریشان ہو رہا ہے گویا حق تعالیٰ نے اُس کے کان میں کوئی معما کہہ دیا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

۱۴۷

ایک اور بزرگ کہتے ہیں ؎

بگوشِ گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان است	بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان است

(ترجمہ گل سے کیا کہدیا ہے کہ خنداں ہو رہا ہے اور بلبل سے کیا فرما دیا ہے کہ نالاں ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی ۝ وہی ہنساتے ہیں اور وہی رُلاتے ہیں۔ اس کا ترجمہ عاشقانہ الفاظ میں یہ ہے ؎

بگوشِ گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان است	بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان است

واقعی یہ سب انہیں کے تصرفات ہیں۔ ہاں تو رازق نظر نہیں آتا رزق نظر آتا ہے۔ یہ حضرت یوں سمجھے کہ رازق کوئی ہے ہی نہیں۔ دیکھو مشین ٹکٹ کی ہے کہ دو پیسے ڈالنے سے پلیٹ فارم کا ٹکٹ نکل آتا ہے اب کوئی سمجھے کہ بغیر کسی کے ڈالے ہوئے مشین ہی سے ٹکٹ نکلتے ہیں۔ تم دو تین دن ٹھہر جاؤ اور تمہارے اس غلط خیال کی اطلاع ٹکٹ کلکٹر کو ہو جاوے اور وہ تمہاری اس غلطی کے رفع کرنے کیلئے ٹکٹ نہ ڈالے پھر دیکھیں ٹکٹ کیسے نکلتے ہیں۔ اگر یہی شجر الاٹکاٹ تھا (ٹکٹوں کا درخت ۱۲) تو اب اس میں سے ٹکٹ کہاں گئے معلوم ہوتا ہے کسی کے ڈالنے سے نکلتے ہیں۔ اسی طرح تم سمجھتے ہو کہ آنکھوں سے دکھائی اسلئے دیتا ہے کہ مجمع النور سے نور آنکھوں میں آتا ہے بتلاؤ اگر وہ نور کی نہر خشک ہو جاوے تو کہاں سے لاؤ گے نور۔ فرماتے ہیں قُلْ اَرَاَیْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُکُمْ غَوْرًا فَمَنْ یَّاْتِیْکُمْ بِمَآءٍ مَّعِیْنٍ ۝ یعنی تمہارا پانی اگر اتر جاوے تو کون اسے نکال سکتا ہے۔ ایک ملحد کی حکایت ہے جب اس نے یہ آیت سنی تو براہِ اعتراض کہا کہ فاتی بہ بالمعول والمعین یعنی ہم کدال اور مزدوروں کے ذریعہ سے نکال لیں گے لیکن عادات الہیہ ہے کہ ؎

حلمِ حق با تو مواساہا کند[۱]	چونکہ از حد بگذری رسوا کند

نہ معلوم کب کی گستاخیاں جمع تھیں دریائے انتقام جوش میں آگیا رات کو یہ حضرت سوئے ایک غیبی فرشتے نے آکر ایک طمانچہ مارا اور کہا قد ذھبنا بماء عینک فات بہ بالمعول والمعین ہم نے تمہاری آنکھوں کا پانی اتار دیا اسے تم لے آؤ کدال اور مزدوروں سے۔ بڑے مغرور تھے مجمع النور پر یہ نہ دیکھا کہ خود اس مجمع النور میں پیدا کس نے کیا ہے۔ ان فلسفیین و دہریین و منجمین

[۱] ترجمہ اللہ تعالیٰ کی بردباری تمہارے ساتھ مواسات یعنی رعایت کرتی ہے جب تمہاری گستاخیاں حد سے بڑھجاتی ہیں تو رسوا کردیتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ

کی ایسی مثال ہے کہ جیسے ایک چیونٹی کسی کاتب کے کاغذ پر چلی اُسپر حرف بنتے دیکھ کر کہنے لگی کیسے اچھے نقوش بن رہے ہیں۔ دوسری نے کہا یہ خود بخود نہیں بن رہے ہیں بلکہ ایک قلم ہی وہ بنارہا ہے تیسری نے کہا نہیں قلم نہیں بنارہا ہی بلکہ قلم ایک ہاتھ میں ہی وہ بنارہا ہے۔ چوتھی نے کہا نہیں نہیں وہ ہاتھ نہیں بناتا بلکہ وہ ہاتھ ایک کلائی میں لگا ہوا ہی وہ کلائی بنارہی ہی حتیٰ کہ ایک حقیقت تک پہنچ گئی کہ اُس نے کہا نہیں وہ ایک شخص کا ہاتھ ہے وہ شخص بنارہا ہی۔ تو فلاسفہ میں پہلی چیونٹی کی طرح حقیقت سے بالکل دور اور سب سے بدتر دہریین اہل سائنس ہیں۔ اسکے بعد دوسری چیونٹی کی طرح نجومی ہیں کہ یہ افلاک و نجوم کو متصرف سمجھتے ہیں اور عاقل اور حقیقت شناس ابراہیمی المشرب لوگ ہیں یعنی اہل ایمان ہیں کہ وہ متبع ہیں ابراہیم علیہ السلام کے چنانچہ خود حضور کو ارشاد ہی کہ ابراہیم علیہ السلام کا اتباع کیجیے اور ابراہیم علیہ السلام کا مشرب یہ تھا کہ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا۔ جب رات ہوئی ایک ستارہ کو دیکھا قَالَ هٰذَا رَبِّي تو کہا کہ میں نے فرض کیا کہ یہ رب ہی۔ یہ بطور مجارات خصم کے فرمایا فَلَمَّا اَفَلَ جب وہ چھپ گیا قَالَ لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ وہ خدا کیسا جس کو زوال ہو میں ایسے خدا کو پسند نہیں کرتا فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّي جب چاند کو دیکھا تو کہا فرض کرو کہ شاید یہ ہو رب۔ فَلَمَّا اَفَلَ جب وہ بھی ڈھلگیا قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ (ترجمہ فرمایا کہ اگر مجھکو میرا رب ہدایت نہ کرتا ہے تو میں گمراہ لوگوں میں شامل ہو جاؤں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) معلوم ہوا یہ بھی خدا نہیں فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ جب سورج کو دیکھا تو کہا یہ سب سے بڑا ہے اگر اس کی خدائی باطل کر دی تو سب کو پکڑ لیا۔ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (ترجمہ سو جب وہ بھی غروب ہو گیا آپنے فرمایا اے قوم! بیشک میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں میں اپنا رخ اُسکی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) حضرت اسی طرح ہر مومن کی نظر مصداق اس قول کا ہے "اول ما آخر ہر منتہی ست" (ترجمہ ہر منتہی کا آخر ہماری ابتدا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یعنی اول ہی قدم میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لَا قَادِرَ اِلَّا اللّٰهُ۔ لَا خَالِقَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (ترجمہ۔ بجز اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ بجز اللہ کے کوئی موجود نہیں۔ بجز اللہ کے کوئی قادر نہیں۔ بجز اللہ کے کوئی خالق

نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) حاصل ہوجاتا ہے۔ ہمیں پہلے ہی قدم میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلادیا۔ جہانتک یہ لوگ سینکڑوں ٹھوکروں میں بھی نہیں پہنچے۔ اب اہل ایمان سے زیادہ محقق کون ہوسکتا ہے۔ سو یہ مذہب دہریین کا ہے کہ ہمارے کسب میں قوت ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ اگر کسب ہی علت تامہ (سبب کامل ۱۲) ہے تو ہم ایک ایسے شخص کی سوانح عمری پیش کرسکتے ہیں جو چھ پیسے روز کی مزدوری کرتا تھا۔ اُپلے ڈھوتا تھا۔ ایک حالت اُسپر آئی کہ وہ لکھ پتی ہوگیا۔ ہم اُس سے پوچھتے ہیں کہ تمنے کیونکر ترقی کی۔ اُس نے اپنی تمام سوانح عمری بتانا شروع کی۔ کہ پہلے چھ پیسے روز کا مزدور تھا۔ پھر ترقی کرتے کرتے چھ آنے روز کا ہوا۔ پھر آٹھ آنے کا ہوا پھر نوکری کرلی پھر ٹھیکے لینا شروع کئے اُس میں اس اسطرح کرنیسے میں بیس برس کے اندر لکھ پتی بنگیا۔ اب اسکی تمام سوانحعمری لکھ لو اور کسی ایسے شخص کو جو اس سے دونا کماتا ہو اسی طرح عمل کراکے تم چالیس برس میں ہزار پتی ہی بناکے دکھلادو۔ ہرگز نہیں بنے گا۔ کیوں صاحب اگر تدبیر علت تامہ ہے تو معلول (ترجمہ وہ چیز جس کا کوئی سبب ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) تو علت (سبب ۱۲) کیساتھ دائر (پھرنیوالا ۱۲) ہوتا ہے یہ کیا کہ یہاں معلول متخلف (پیچھے رہنے والا ۱۲) ہوگیا اپنی علت سے حقیقت میں معطی (عطا کرنے والا) وہ ہیں مگر حکمت سے دیتے ہیں وہی دیتے ہیں وہی پکاتے ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ آگ پکاتی ہے اگر آگ پکاتی ہے تو اُس نے ابراہیم علیہ السلام کو کیوں نہ پکادیا۔ ایک بددین بادشاہ کی حکایت مولانا نے تحریر فرمائی ہے کہ وہ مسلمانوں کو بت کے سجدہ نہ کرنے پر آگ میں ڈالتا تھا۔ ایک عورت کو کہا کہ بت کو سجدہ کرو ورنہ تیرے بچے کو اس آگ میں ڈالدونگا۔ اُس نے سجدہ نہ کیا۔ پھر اُس کے بچے کو آگ میں ڈالدیا اور عورت لغزش کے قریب ہوگئی تو وہ بچہ آگ میں سے کہتا ہے ؎

خواست تا او سجدہ آرد پیش بت ۔۔۔ بانگ برزد طفل کانّی لم اَمُت

(ترجمہ اُس عورت نے چاہا کہ بت کے روبرو سجدہ کرلوں فوراً لڑکے نے پکارا کہ میں مرا نہیں ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اندر آ اسرار ابراہیم بین ۔۔۔ کو در آتش یافت ورد و یاسمین

کہ اے ماں تو بھی اندر چلی آ اور دیکھ تو کہ یہ آگ نہیں گلزار ابراہیمی ہے وہ بھی اندر کود پڑی اور کہنے لگی ؎

اندر آئید اے مسلمانان ہمہ ۔۔۔ غیر عذب دین عذاب است آن ہمہ

اے مسلمانو! اندر آکر خدا کی رحمت کا تماشا دیکھو۔ پھر تو جوق جوق تمام مسلمان اُسمیں

۱۴۹

گرنے لگے۔ یا تو سپاہی ڈھکیلتے تھے۔ اب لوگوں کو پکڑتے ہیں روکتے ہیں کوئی رکتا نہیں۔ رعایا میں ایک جوش تھا۔ بادشاہ ڈرا کہ سلطنت چلی۔ پھر بادشاہ نے جھلا کے آگ سے کہا کہ کیا تو آگ نہیں رہی آگ جواب دیتی ہے ؎

گفت آتش من ہماں آتشم	اندر آتا تو بہ بینی تابشم

آپ تشریف لائیے معلوم ہو جاویگا کہ آگ ہوں یا نہیں۔ ہوں تو آگ مگر ؎ تیغ حقم ہم بدستوری برم (ترجمہ اللہ تعالیٰ کی تلوار ہوں اجازت ہی سے کاٹ سکتی ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) مولانا اس سے نتیجہ نکالتے ہیں ؎

خاک و باد و آب و آتش بندہ اند	با من و تو مردہ با حق زندہ اند

(ترجمہ خاک ہوا پانی آگ یہ چاروں عنصر حق تعالیٰ کے بندے ہیں ہمارے تمہارے روبرو گو مردہ ہیں مگر حق تعالے کے روبرو زندہ ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

سب یہ حکم سنتے ہیں اسی کیموافق کرتے ہیں خدا تعالے نے آسمان و زمین سے فرمایا کہ اِئْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْهًا خوشی سے آتے ہو یا ہم زبردستی بلائیں۔ عرض کیا اَتَیْنَا طَائِعِیْنَ خوشی سے حاضر ہو گئے۔ تم سمجھتے ہو زمین میں جان نہیں۔ زمین میں تو ایسی جان ہے کہ ہم میں تم میں بھی نہیں کہ کھودنے کھانے کاٹنے سے دکھ ہو۔ بعضے جہلا کہا کرتے ہیں کہ زمین پر آہستہ چلو نہیں تو یہ بدلہ لیگی۔ یا تو یہ کہ بالکل جان نہیں یا ہے تو ایسی کہ وہ زور سے چلنے سے بدلہ لیگی۔ زمین میں جان اتنی ہی کہ جن چیزوں کا ادراک خدا نے اس کو دیا ہے ادراک کرتی ہی جن کا نہیں دیا نہیں کرتی۔ دیکھو مفلوج (ترجمہ جس کو فالج کی بیماری ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے بدن میں جان ہوتی ہی ورنہ عضو منقطع ہونے کے اصل عضو مقطوع کی طرح سڑتا کیوں نہیں۔ معلوم ہوا جان ہی مگر چاقو سے کاٹو تو تکلیف نہیں ہوتی۔ پس اگر زمین کے جان ہو اور تکلیف نہ ہو تو کوئی اشکال نہیں۔ بہرحال ان میں بھی اتنی جان ہی کہ خدا کو جانتی ہیں کُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (ترجمہ سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی تسبیح معلوم ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بلکہ انسانوں میں تو ذاکر بھی ہیں۔ غافل بھی ہیں۔ اور ان میں سب ذاکر ہی ہیں گو ذاکر انسانوں کے برابر نہ سہی مگر غافل انسانوں سے تو بہتر ہیں تو آگ خود فعل نہیں کرتی یہ بھی حق تعالیٰ کا فعل ہے کہ کھانا پکا دیا اور آگ کا تلبس محض ایک ظاہری اجازت ہی اسکی محققین کے نزدیک ایسی مثال ہی کہ جیسے جھنڈی ریل کے کھڑے ہونیکے اعتبار سے کہ سُرخ جھنڈی دکھائی اور ریل کھڑی ہو گئی۔ کیا جھنڈی ریل کو روک سکتی ہے۔ بلکہ آسانی کے واسطے

۱۵۰

ایک اصطلاح مقرر کی ہے کہ کہاں پہنچیں گے کہ روکو۔ بلکہ یہ محض ایک علامت ہے باقی روکتا تو ڈرائیور ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا ؎

عشق من پیدا و معشوقم نہاں — یار بیروں فتنہ او در جہاں

(ترجمہ یار تو جہان سے باہر مگر اس کا تصرف جہان کے اندر ہے اور وہ خود نظر نہیں آتا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

؎ چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں — کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں — مصلحت را تہمتے بر آہوئے چین بستہ اند

(ترجمہ یعنی مشک افشانی محبوب کے زلف کا کام ہے لیکن عشاق نے مصلحت کی وجہ سے چین کے ہرنوں کے سر منڈھ دی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

؎ کہاں میں اور کہاں وہ نکہتِ گل — نسیم صبح تیری مہربانی

بہرحال جیسے وہاں جھنڈی میں اثر نہیں یہاں بھی آگ میں اثر نہیں۔ جیسے وہاں اصطلاح ہے یہاں بھی اصطلاح ہے جس طرح وہ نشانی ہے کہ جب گاڑی رکوانا ہو دکھا دو ڈرائیور گاڑی روک دیگا۔ اسی طرح یہ بھی ایک نشانی ہے جب کھانا پکوانا ہو آگ رکھ دو بس وہ پکا دیں گے۔ یہ دعائے فعلی ہے دعائے قولی تو شاید ہر ایک سے نہو سکتی اس لئے اپنی رحمت سے دعائے فعلی مقرر کی جس میں سب کافر بھی محتاج ہیں۔ مگر ان اسباب میں پھنس کر بہت سے لوگ اپنے کو خدا کا محتاج ہی نہیں سمجھتے۔ چنانچہ میرے ایک دوست نماز روزہ کے پابند تھے اور دعا مانگا کرتے تھے تو انکے ایک عزیز صاحب کہتے ہیں ارے بھئی تو جو ہاتھ پسار پسار کر مانگے ہے کیا تجھے کچھ گھاٹا ہے؟ ہاں جب سب چیز گھر میں موجود ہے تو کیوں ناحق کا احسان خدا تعالیٰ کا لیتا ہے۔ یہ مسلمان ہیں خدا بچاوے ایسے جہل سے مگر سبحان اللہ وہ سب سنتے ہیں کیا رحمت ہے کہ پھر بھی کارکنوں کو حکم ہے کہ دو ؎

خدائے راست مسلم بزرگواری و حلم — کہ جرم بیند و ناں بر قرار میدارد

(ترجمہ یعنی حق تعالیٰ کی ہی بزرگواری اور بردباری مسلم ہے کہ گناہ دیکھتے ہیں اور رزق بند نہیں فرماتے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

مجھے ایک طالب علم کی حکایت یاد آئی کہ جب میں کانپور کے مدرسہ میں تھا تو میں نے کسی بات پر انکی روٹی بند کردی تھی تو مجھے انہوں نے ایک رقعہ لکھا اور اس میں یہ شعر لکھا ؎

خدائے راست مسلم بزرگواری حلم — کہ جرم بیند و ناں بر قرار میدارد

میں نے لکھا کہ نہیں تو تم نے خود ہی جواب دیدیا۔ مجھے سوچنے کی بھی تکلیف نہیں ہوئی کہ یہ تو خدا ہی کا کام ہے کہ باوجود جرم و قصور کے بھی رزق بند نہیں کرتا۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ ہے مقصود یہ ہے کہ اُن کی شان تو دیکھو کہ کیسی کیسی گستاخیاں سُنتے ہیں مگر پھر بھی حکم ہے کہ دو۔ بہرحال کوئی چیز موثر حقیقی نہیں ہے

نبارد ہوا تا نہ گوئی ببار * زمیں ناورد تا نہ گوئی بیار

(ترجمہ جبتک ہوا حق تعالیٰ کا حکم نہیں پاتی پانی نہیں برساتی اور جبتک زمین کو حکم نہیں کچھ نہیں اُگاتی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

پانی پیاس نہیں بجھاتا وہی بجھاتے ہیں۔ ورنہ وہی پانی ہے مستسقی [جلندر والا ۱۲ ص] کی پیاس کیوں نہیں بجھاتا بس اچھی طرح ثابت ہوگیا کہ موثر حقیقی حق تعالیٰ ہی ہیں۔ باقی ملازمت تجارت زراعت ذریعے ہیں حق تعالیٰ سے لینے کے اس واسطے توکل کے بھروسے نوکری مت چھوڑ دو۔ بلکہ یہ زنبیل رکھو اور خدا سے مانگو۔ باقی یہ جو میں نے کہا تھا کہ جو تارک دنیا ہوتا ہے دنیا اُسکے پیچھے پیچھے پھرتی ہے مطلب یہ ہے کہ جو خدا کی اطاعت کرتا ہے اُسے دنیا ضرور ملتی ہے خواہ معہ برتن یا بلا برتن۔ چنانچہ اہلِ اسباب کو روزانہ برتن لیجانا پڑتا ہے اور اہلِ توکل کو بدون برتن لیجائے ہوئے ملتا ہے اور اگر تمہیں بہت سے اہل اللہ کو دیکھ کر شبہ ہوتا ہو کہ اُنکے پاس تو دنیا نہیں ہے تو بات یہ ہے کہ دنیا سے مقصود کیا ہے مقصود یہ ہے کہ پریشانی نہو۔ سو اہل اللہ کو پریشانی نہیں ہوتی۔ یہ مشاہدہ بھی ہے اور ارشاد بھی ہے فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً (ترجمہ ہم اسکو بالطف زندگی عطا کرینگے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) پس ان کو پریشانی نہیں ہوتی خواہ روپیہ ہو یا نہو ہر وقت اطمینان ہے۔ ان کا تو مذاق ہی دوسرا ہو جاتا ہے۔ وہ کیا مذاق ہے وہ مذاق یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت بہلولؒ قبرستان میں ایک قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے کسی نے عرض کیا حضرت اناج بہت مہنگا ہوگیا ہے۔ مخلوق بہت تکلیف میں ہے فرمایا اُس سے کہو جسے بانٹنا پڑتا ہے۔ ہمیں تو جو کام بتلا رکھا ہے اُس کا کر لینا ضروری ہے۔ یہ تو انہیں اطلاع کرو جنہیں بانٹنا پڑے گا۔ یہ مذاق ہے کہ ہمیں کیا فکر۔ ایک اور بزرگ سے ایک مرتبہ یہ بہلول خود سائل ہوئے کہ حضرت کیسا مزاج ہے۔ فرمایا کیا پوچھتے ہو اُس شخص کے مزاج کو کہ کوئی واقعہ دنیا کا جس کی خواہش کے خلاف نہوتا ہو۔ ہماری وہ شان ہے کہ ہر بات ہمارے چاہنے کے موافق ہوتی ہے عرض کیا حضرت یہ بات تو سمجھ میں نہیں آئی۔ بھلا فلاسفہ اسے حل تو کریں بڑا عقل کا دعویٰ ہے۔ اُنہوں نے فرمایا بڑی آسان بات ہے۔ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کی خواہش کے

خلاف تو نہیں ہوتا۔ بس جس نے اپنی خواہش کو خدا کی خواہش میں فنا کردیا ہو تو جیسا کوئی واقعہ خدا کی خواہش کے خلاف نہیں اُسکی خواہش کے بھی خلاف نہیں۔ حضرت احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالےٰ نے عالم ارواح میں سب سے فرمایا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ جو جس کو مانگنا تھا اُس نے مانگا۔ جب میری باری آئی اور مجھ سے ارشاد ہو کہ مانگ کیا مانگتا ہے تو میں نے عرض کیا اُرید ان لا ارید واختار ان لا اختار میں یہی مانگتا ہوں کہ کچھ نہ مانگوں پھر فرماتے ہیں فاعطانی ما لا عین رأت ولا اذن سمعت وما خطر علی قلب بشر من اہل ہذا العصر پھر تو مجھے وہ کچھ دیا جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا نہ کسی بشر کے قلب میں گذرا اس عصر والوں میں سے۔ سو حاصل یہ ہے کہ جن کا یہ مذاق ہوا اُنہیں پریشانی کیوں ہو اور پریشانی نہ ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بیمار نہیں ہوتے یا اُن پر مقدمہ نہیں ہوتا یا اُنہیں فاقہ نہیں ہوتا۔ اگر بزرگی کے یہ معنی ہوتے تو ساری دنیا تسبیح لیکر بیٹھ جاتی حضرت ایسا تو بڑے بڑے انبیاء کیلئے بھی نہیں ہوا۔ اُن پر بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ ایک فرعون تھا کہ ساری عمر کبھی دردِ سر بھی نہیں ہوا۔ ایک جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ہیں کہ دو دو مہینے چولہا نہیں گرم ہوا۔ ہنڈیا نہیں چڑھی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ فرعون کو ظاہری تکالیف نہ ہونے سے فضیلت ہو گئی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ بیمار ہوتے ہیں تو انہیں یہ خیال نہیں ہوتا کہ ہائے بیماری بڑھ جائیگی تو کیا ہوگا۔ ہائے مقدمہ اگر ہائیکورٹ سے بھی ہار گئے تو پھر کیا ہوگا۔ ہائے کل کھانیکو نہیں تو دن کیونکر کٹے گا۔ یہ حالت اُن کی نہیں ہوتی۔ اُنہیں ہر حال میں سکون و اطمینان رہتا ہے بخلاف دنیا داروں کے کہ اُنکی کیفیت حق تعالیٰ فرماتے ہیں فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ط وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ه (ترجمہ سو انسان کو جب اس کا پروردگار آزماتا ہے یعنی اُسکو ظاہرا اکرام انعام دیتا ہے تو وہ بطور فخر کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر بڑھا دی اور جب اُسکو دوسری طرح آزماتا ہے یعنی اسکی روزی اس پر تنگ کر دیتا ہے تو وہ بطور شکایت کے کہتا ہے کہ میرے رب نے میری قدر گھٹا دی ۱۲ محمد صابر عفرلہ) انسان بھی عجیب چیز ہے۔ جب کھانیکو دیدیا تو سمجھتا ہے میں مقرب ہو گیا۔ اور جب تنگی ہو تو سمجھتا ہے میں مردود ہو گیا۔ میرے پاس ایک اسکول کے مدرس کا خط آیا۔ اُسمیں لکھا تھا کہ جتنی عبادت کرتا ہوں پریشانی بڑھتی جاتی ہے۔ تو گویا یہ عبادت روٹیاں

۱۵۳

ملنے کیلئے کرتے ہیں ؂

نان از برائے کنج عبادت گرفتہ اند	صاحبدلاں نہ کنج عبادت برائے نان

(ترجمہ اہل اللہ نے روٹی عبادت کی وجہ سے لی ہے نہ عبادت روٹی کیلئے کی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہ عبادت نہیں بلکہ بقول گاؤں والوں کے اابابت ہے۔ وہ لوگ عبادت کو اابابت کہتے ہیں۔ تو اابابت کے کیا معنی۔ کچھ بھی نہیں لفظ مہمل ہے۔ تو اسکے معنی عبادت مہملہ ہوئے۔ تو انکی عبادت مہمل ہے جو روٹی کے واسطے کرتے ہیں۔ بہرحال یہ تقریر اسکی تائید میں بڑھی کہ دنیا ظل ہے آخرت کا اسی طرح مصالح دنیا تابع ہیں مصالح آخرت کے۔ پس نماز جماعت کی یہ اصلی غرض نہیں کہ باہم اتفاق ہو۔ یہ تو عرض ہے۔ اصلی غرض تو یہ ہے کہ خدا راضی ہو۔ اسی طرح تمام احکام میں پس ساری مصلحت تو یہی ہے کہ خدا راضی ہو۔ آجکل کے خیرخواہان قوم روشن دماغ حضرات کا عجیب مذاق ہے کہ جو صاحب علم مصالح احکام بیان کرے اسکو تو سمجھتے ہیں کہ یہ کچھ جانتے ہیں اور جو نہ بیان کرے تو کہتے ہیں یہ خشک اور ٹھوس ہیں کچھ نہیں جانتے۔ یاد رکھو کہ وہ جانتے سب کچھ ہیں مگر ایک بات تو یہ ہے کہ ع آنراکہ خبر شد خبرش باز نیامد (ترجمہ یعنی جنکو اسرار وحکم کی خبر ہوگئی وہ کسی سے نہیں بیان کرتے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) دوسری بات یہ ہے کہ ع فی طلعۃ الشمس ما یغنیک عن زحل (ترجمہ آفتاب کے دیکھنے میں زحل کی طرف دیکھنے سے بے پرواہ ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اگر کوئی کہے تو آفتاب کو دیکھتا ہے زحل کو نہیں دیکھتا تو اس سے یہی کہا جائیگا کہ ہم قصداً اس کو نہیں دیکھتے۔ پس مصلحت رضائے حق کی ساتھ دوسرے مصالح کو وہ نسبت ہے جو آفتاب کیساتھ زحل کو ورنہ ان حضرات کے علوم کے سامنے ان مصالح حکمیہ میں کونسا غموض ہے انکے علوم کی تو یہ کیفیت ہے کہ ؂

بینی اندر خود علوم انبیا	بے کتاب و بے معید و اوستا

(ترجمہ یعنی ان کے قلوب پر انبیاء جیسے علوم بے کتاب و استاد کے فائض ہوتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

جس کی یہ شان ہو اس سے یہ مصالح کیا مخفی رہیں گے مگر بیان کا اس لئے اہتمام نہیں کرتے کہ ؂

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز	ورنہ در مجلس رنداں خبرے نیست کہ نیست

یعنی مصلحت نہیں ہے ظاہر کرنا ورنہ وہ ہر چیز کی مصلحت جانتے ہیں اور عدم اظہار میں مصلحت ہے

۱۵۴

کہ لوگ اُس کو مدارِ حکم سمجھ کر اُس میں شبہ پیدا ہونے سے اصل حکم میں شک کرنے لگتے ہیں۔ پس اس نکتہ کے سبب وہ جو جدا جدا مصلحت نہیں بیان کرتے آپ سمجھتے ہیں کہ نہیں جانتے۔ جانتے سب کچھ ہیں مگر اُن کی نظر ایسی چیز پر ہے جس میں یہ سب مصلحتیں کھپ گئیں جیسے مصلحتاً کہنا چاہیے جیسے شیخ سعدی کا گالا مشہور ہی۔ یہ کہیں سفر میں گئے تھے۔ سرائے میں جا کر بھٹیاری سے کھانا پکانے کو کہا اُس نے کہا میاں مجھے فرصت نہیں ہی دوسری بھٹیاری کی گالیاں مجھ پر چڑھی ہوئی ہیں وہ اُتارنا ہیں۔ اُنھوں نے کہا تم میری روٹی پکا دو میں تمہاری طرف سے لڑ لوں گا۔ وہ راضی ہو گئی اور اُس سے جا کر کہا یہ میرا نیجر ہے میری طرف سے تیری گالیوں کے جواب یہی دیگا۔ اُس نے بھی منظور کر لیا۔ باہم یہ شرط قرار پائی تھی کہ نئی گالیاں دینا ہونگی۔ اُس بھٹیاری کی باری تھی اُس نے گالیاں دینا شروع کیں۔ اُنھوں نے کہا کہ جتنی تجھ سے ہو سکیں دیے جا۔ میں اخیر میں سب کا جواب دونگا۔ وہ گالیاں دیتی رہی یہ تسبیح پڑھتے رہے۔ جب وہ گالیاں دیتے دیتے تھک گئی تو اب شیخ سعدی کی باری آئی۔ اُنھوں نے کہا سُن جتنی گالیاں تو نے اس وقت دی ہیں یا اس سے پہلے دے چکی ہے اور جتنی اور لوگ دنیا میں دے چکے ہیں یا آیندہ دینگے سب کا ایک گالا بنا کر تیرے حوالے کیا۔ یہاں بھی طالب علمی سے کام لیا کہ تمام احتمالاتِ عقلی پیش کر دیے۔ اب جب وہ کوئی گالی دیتی تو کہدیتے کہ یہ تو اُسی میں کی ہی اور لاؤ۔ یہ اوّل طے ہی تھا کہ نئی ہو۔ پس وہ عاجز ہو کر اپنا سا منھ لیکر چلی گئی تو جیسا وہ گالا تھا کہ دنیا بھر کی گالیاں اُس میں مدغم کئے ہوئے تھیں۔ اسی طرح ایک مصلحتا ہی کہ سارے جہان کی مصلحتیں اُس میں سمائی ہوئی ہیں اور وہ یہ ہی ؎

مصلحت دیدِ من آنست کہ یاران ہمہ کار		بگذارند و خمِ طرۂ یارے گیرند	

(ترجمہ مصلحت یہ ہی کہ سارے جہان کی مصلحتوں کو چھوڑ کر دوست محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہو جائیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

بس ایک کو لیلو ؏ یکے دان و یکے بین و یکے گو (ترجمہ یعنی ایک ہی جانو ایک ہی دیکھو ایک ہی کہو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) بس بڑی مصلحت یہ ہی کہ اُن کا حکم ہے اسکے کر لینے سے وہ راضی ہونگے بس اُسکے آگے ساری مصلحتیں گرد ہیں۔ مسلمان کا تو وہ مذہب ہونا چاہیئے کہ جیسا ایک غلام کو اُسکے آقا نے خریدا تھا اور اُس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہی اُس نے کہا جو حضور تجویز کریں۔ کیا کھاتے ہو جو حضور

۱۵۵

کھلائیں کیا بہنتے ہو جو حضور پہنائیں ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(ترجمہ یعنی اگر زندہ رکھیں تو آپکی عطا ہے اور اگر قتل کریں آپ کا عاشق ہوں دل آپ پر فریفتہ ہو گیا جو کچھ تصرف کریں ہر حال میں آپسے راضی ہوں ۱۲ محمد عابد)

بس عاشق کا یہ مذہب ہونا چاہیئے۔ عشاق کی نظر مصلحت پر نہیں ہوتی۔ کوئی شخص کسی عورت پر عاشق ہو جائے۔ وہ کہے پاندان اُٹھا لاؤ اور ہم پان لگائیں گے۔ یہ اُٹھا کر لیچلا کسی نے پوچھا پاندان کیوں لئے جاتے ہو۔ تو گوا سے مصلحت معلوم ہو کہ پان لگانے کیلئے منگایا ہے مگر یہی کہیگا کہ معشوقہ کا حکم۔ اُس نے کہا لیجاؤ اب ہم لگا چکے۔ لیچلا پوچھا کیوں لیچلے یہی کہیگا کہ حکم۔ اگر یہ نہ کہے اور مصلحت بیان کرے تو وہ عاشق نہیں حکیم ہے۔ مسلمان وہ ہے جس میں عشق و حکمت دونوں ہوں۔ ورنہ فلاسفۂ یونان اور ایک مسلمان میں کیا فرق۔ اگر عشق نہیں اور نری حکمت پر عملدرآمد ہے تو ایسے شخص کے ایمان کا بھروسہ نہیں۔ دیکھو شیطان عابد تھا عاشق نہ تھا۔ آٹھ لاکھ برس کی عبادت ذراسی حرکت میں خاک میں مل گئی اور ذراسی اس معنی کر کہتا ہوں کہ نہایت سہولت سے اُس سے صادر ہو گئی ورنہ فی نفسہ تو بہت بڑی حرکت تھی اور اتنی بڑی تھی کہ اتنی عبادت گئی اور ہمیشہ کیلئے شقی لعین جہنمی ہوا۔ وہ حرکت یہ تھی کہ حکم ہوا آدم کو سجدہ کرو تو کہتا ہے ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ط میں ایسے کو سجدہ کروں جو خاک سے مخلوق ہے خدا کے سامنے کمبخت نے نیچریت بگھاری کہ عقل کے خلاف ہی میں اسکو سجدہ کروں حکمت سے کام لیا عشق سے کام نہ لیا برباد ہوا۔ اسی کو مولانا عراقی کہتے ہیں ؎

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

نری پارسائی بدون محبت کے بڑی دور کا رستہ ہے عشق کا رستہ مجھے بتلا دیجئے۔ ورنہ بدون اسکے اعمال کی تو یہ حالت ہے ؎

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

(ترجمہ یعنی جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے سجدہ ریائی کر کے مجھکو بھی خراب کر دیا ۱۲ محمد ضیا غفرلہ

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند
کہ بروں در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

۱۵۶

(ترجمہ یعنی خانہ کعبہ کے طواف کیلئے گیا تو حرم کا راستہ مجھے نہ دیا تو نے دروازہ کے باہر کیا کیا ہے جو گھر کے اندر آتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

مگر اُس طریق میں لوہے کے چنے چبانا پڑتے ہیں ہلاکت پر آمادہ ہونا پڑتا ہے ؎

اگر مردِ عشقے کم خویش گیر　　وگرنہ رہِ عافیت پیش گیر

(ترجمہ یعنی اگر عاشق ہے تو محبوب کے عشق میں اپنے آپ کو فنا کر ورنہ اپنی آسایش کی راہ اختیار کر ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ایک موت کیا ہزار موت کی بھی پرواہ نہیں بلکہ اگر کسی اور پر بلا کو آتے دیکھتا ہے تو گھبرا کر کہتا ہے ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاکِ تیغت　　سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(ترجمہ یعنی دشمن کا ایسا نصیب نہ ہو کہ آپ کی تیغ کا کشتہ بنے دوستوں ہی کا سر سلامت رہے کہ ان پر آپ کے خنجر کے وار ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

سو یہ حالت ہوتی ہے طریق عشق میں۔ اگر یہ نہیں تو ایمان کا بھروسہ نہیں۔ خود جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین یعنی اُس وقت تک کوئی تم میں سے مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اُسکے نزدیک اُسکے باپ اُسکے بیٹے اور تمام آدمیوں سے زیادہ محبوب نہو جاؤں۔ اس زمانہ میں جو عاقل ہیں۔ عاقل تو کیا ہوتے نرے آکل ہیں (کھانیوالے ۱۲ ص) اس واسطے کہ یہ عقل کی باتیں کبھی نہیں کرتے ہمیشہ اکل کی (کھانے ۱۲ ص) باتیں کرتے ہیں۔ اور ہر وقت اسی کی دھن اسی کا چرچا اور اسی کا رونا ہے۔ پس اول تو وہاں عقل بھی نہیں اور اگر ہو بھی تو بدون محبت کس کام کی۔ اگر ان میں کچھ اعمال بھی ہیں۔ تو صرف ظاہر تک باقی قلب پر ذرا اثر نہیں۔ بعضے اُن میں قرآن بھی پڑھتے ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں صاحب باوجودیکہ عیسائی ہیں مگر تلاوت کرتے ہیں۔ خود میرے پاس ایک صاحب کا خط آیا لکھا تھا کہ میں باوجودیکہ شکل میں عیسائی ہوں مگر میں نماز بھی پڑھتا ہوں قرآن بھی پڑھتا ہوں۔ اپنی شکل پر فخر بھی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ باوجودیکہ میں زنانہ ہوں مگر میں رستم کیسا تھ لڑتا ہوں۔ باوجودیکہ میں ہیجڑا ہوں مگر تلوار ہاتھ میں لے لیتا ہوں۔ خدا جانے مجھ سے اس واہیات خرافات کے جتلانے سے کیا فائدہ۔ اگر تم شکل میں عیسائی ہو تو میں کیا کروں۔ تو غرض بہت لوگ اسپر فخر کرتے ہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں۔ تلاوت کرتے ہیں اور یہی دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں

۱۵۷

دیکھنا یہ ہے کہ قرآن پڑھتے ہیں تو قلب میں بھی کچھ دین کا اثر ہے۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جنکی نسبت جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں یقرؤن القرآن لایجاوز حناجرھم کہ قرآن پڑھتے ہیں مگر اس طرح کہ اُن کے گلوں سے نہیں اُترتا یعنی قلب پر اثر نہیں کرتا۔ اب ایسے شخص کا بددین ہوجانا کیا مشکل ہے اور وہ ایسے تو اب بھی ہیں کہ ع از مذہب من گبر و مسلمان گلہ دارند (ترجمہ میرے مذہب کے مسلمان اور آتش پرست دونوں شاکی ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور اُن کا دین خیالات کے بدلنے سے روزانہ اب بھی بدلتا رہتا ہے بقول کسی کے ؎

	بیزارم ازاں کہنہ خدائیکہ تو داری	ہر روز مرا تازہ خدائے دگری ہست	

(ترجمہ۔ تمہارے پرانے خدا سے بیزار ہوں ہر دم مجھے دوسرے تازہ خدا کی ضرورت ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

حضرات اس روشن دماغ کو لیکر کیا کریں جس کا یہ انجام ہوا اس سے تو وہ سادہ لوحی اچھی ہے جس کا انجام نیک ہو۔ کسی معقولی نے توحید پر سو دلیلیں قائم کی تھیں اور ہر ایک سے اپنے اظہار علم کے لئے توحید پر دلائل پوچھتا تھا۔ ایک مرتبہ گاؤں میں کسی چودھری سے پوچھا کہ توحید کی کیا دلیل ہے۔ وہ ایک لٹھ لیکر پیچھے ہوا کہ یہ ہے دلیل۔ اور واقعی ایسوں کیلئے یہی دلیل ہے دیکھا توحید کی تو صاحبو اوہ تاریک دماغ متعصب تنگ خیال جس کو خدا کی محبت ہی ہزار درجہ افضل ہے اُس روشن دماغ سے جسے خدا کی محبت نہو۔ کیونکہ قیامت کے دن اُس متعصب کو کہا جاویگا۔ کہ جنت میں لیجاؤ۔ اور اس روشن دماغ کو دوزخ میں لیجاؤ۔ اس کا نمونہ دنیا ہی میں دیکھ لو۔ ایک بہت بڑا قابل گریجویٹ ایم۔ اے پاس ہے مگر شورش برپا کرتا ہے اور ملک میں باغیانہ خیالات پیدا کرتا ہے اور ایک گنوار گاؤں کا چودھری بالکل جاہل مگر گورنمنٹ کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے ان دونوں کی پیشی ہوئی کسی حاکم کے اجلاس پر تو حاکم بعد تحقیقات کیا فیصلہ کریگا۔ یہی فیصلہ کریگا کہ لیجاؤ اس نالائق گریجویٹ کو جیل خانہ میں۔ اور اُس گنوار کیلئے عجب نہیں کہ جاگیر ہوجائے تو جب گورنمنٹ کے یہاں اطاعت و عدم اطاعت میں فرق ہے تو خدا کے یہاں کیوں نہو گا اُن کے باغیوں کو تو خردمند کہنا بھی جرم ہے ؎

	مبادا دل آں فرومایہ شاد	کہ از بہر دنیا دہد دین بباد	

(ترجمہ یعنی اس کمینہ کو کبھی خوشی نصیب نہو جو دنیا کیلئے اپنا دین برباد کرے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

۱۵۸

وہ لائق فائق خدا سے دور ہے اور یہ جاہل گنوار تاریک خیال خدا کے نزدیک ہے۔ تو اے مسلمانو! عشقی اسلام اختیار کرو قانونی اسلام کام نہیں آسکتا۔ اپنے دلمیں خدا کی محبت جماؤ۔ محبت میز۔ کرسی۔ کانٹے چھری۔ کوٹ۔ پتلون۔ بوٹ سوٹ سے پیدا نہیں ہوتی۔ یہ کاہے سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس سے پیدا ہوتی ہے ؎

قال را بگذار مرد حال شو		پیش مردے کاملے پامال شو	

(ترجمہ یعنی قال کو چھوڑ کر حال پیدا کرو۔ یہ اُسوقت پیدا ہوگا جب کسی اہل اللہ کے قدموں میں جاکر پڑ جاؤ ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

کسی کی جوتیاں سیدھی کرو اور آگ لگا دو اپنی وہمی تحقیقات کو ؎

جملہ اوراق وکتب درنار کن		سینہ را از نور حق گلزار کن	

(ترجمہ تمام اوراق اور کتابوں کو آگ لگا کر اپنے سینہ کو اللہ تعالیٰ کے نور سے گلزار کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

۱۵۹

اے صاحبو! وہ کبوتر جسے ہوائی بندوق کے چھرہ سے آسانی سے شکار کر لیا بہتر ہے اُس سور سے کہ جس کے شکار میں تمام کارتوس خالی ہوگئے اور پھر جب گھر میں آئے تو بال بچے فاقہ سے پڑے ہیں اور وہ اس قابل بھی نہیں کہ اُسے بال بچوں کو کھلا سکیں۔ اے صاحب! دین کے علوم کبوتر اور آپکی یہ تحقیقات سور کا شکار ہیں جس وقت آپ اُس بازار میں جائیں گے جہاں دوسرا سکہ چلتا ہے تو اُس وقت آپکو معلوم ہوگا کہ افسوس یہ ٹھیکرے ہم ناحق لائے ہیں گریاں حاصل کر لینے اور پاس کو منع نہیں کرتا۔ پاس کرو مگر خدا سے دور نہو۔ نماز روزہ ہی پر اکتفا نہ کرو اور آگے بڑھو۔ عشق و محبت پیدا کرو۔ ایک مقام پر جلسہ ہوا۔ نو تعلیم یافتہ جمع تھے۔ نماز کا وقت آیا۔ نماز کا اہتمام کیا گیا۔ ایک مہمان بھی تھے اُن سے کہا گیا کہ آپ بھی نماز پڑھ لیجئے اُنھوں نے کہا میں نماز کو لغو سمجھتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ اسکی تو اسلام نے تعلیم دی ہے۔ کہا میں اسلام کو بھی لغو سمجھتا ہوں۔ معاذ اللہ منہا۔ یہ مسلمان ہیں۔ اس کے بعد اُن میں کمیٹی ہوئی کہ اس خبیث کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ تو ایک صاحب نے کہا کہ اُس نے قصور خدا کا کیا ہے۔ خدا آپ انتقام لے لیگا ہم اپنے تعلقات کیوں قطع کریں۔ اُس خبیث کی تو شکایت نہیں۔ مگر اُس بے غیرت کی شکایت ہے کہ اُسے جوش کیوں نہیں آیا۔ اگر اُس کی ماں کو کوئی یوں کہدے کہ میں نے اُسے چکلے میں بیٹھے دیکھا تھا تو اس قدر جوش ہوگا کہ مارنے کیلئے تیار ہو جائیگا۔ افسوس دین کی اتنی بھی محبت

نہیں جتنی ماں کی ہے اگر یہی اسلام ہے تو سلام ہے ایسے اسلام کو قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُم بِهِ إِيمَانُكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (ترجمہ کہدو کہ یہ افعال بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان کر رہا ہے اگر تم ایمان والے ہو ۱۲ محمد صابر) کم از کم اتنا تو ہوتا کہ آگ ہو جاتے پھر چاہے ضبط کر لیتے زبان سے اُسے کچھ نہ کہتے مگر اُس سے تعلقات کو قطع کر دیتے ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد	فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

(ترجمہ یعنی ہزار رشتہ دار جو خدا تعالیٰ سے بیگانہ ہوں اُس ایک بیگانہ شخص پر قربان ہیں جو حق تعالیٰ کا عارف ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)
یوں کیوں نہ کہا گیا کہ اس بے ایمان کی صورت بھی نہ دیکھو۔ بات یہ ہے کہ ان کا اسلام عشقی نہیں ہے قانونی ہے جو کسی کام کا نہیں خدا سے محبت ہونی چاہیئے۔ اسی کو عراقی کہتے ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزد ار بمن نمائی	کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(ترجمہ نری پارسائی بدون محبت کے بڑی دور کا رستہ ہے عشق کا راستہ مجھے بتلا دیجئے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)
جب یہ مذاق ہو جائیگا کہ اسلام عشقی ہو جائیگا تو پھر یہ کیفیت ہو گی کہ پاندان کیوں اُٹھایا حکم۔ پانی کا گھڑا کیوں بھرا۔ حکم۔ خط کیوں بنوایا۔ حکم۔ حالانکہ معشوقہ نے مصلحت بھی ظاہر کر دی تھی کہ لبیں بڑھی ہوئی بُری معلوم ہوتی ہیں۔ مگر پھر بھی بجائے اُس حکم کے بیان کر چکے یہی کہتا ہے حکم۔ مرضی۔ کیونکہ عاشق کا یہی مذہب ہوتا ہے۔ بس مسلمان کا بھی یہی مذہب ہونا چاہیئے کہ نماز کیوں پڑھتے ہو حکم مرضی بکری کیوں کھاتے ہو سُور کیوں نہیں کھاتے۔ حکم۔ مرضی۔ یہ بڑے درجہ کا شخص ہے یہی حکیم ہے۔ اور وہ حکیم نہیں جو یہ کہے کہ نماز جماعت سے کیوں پڑھتے ہیں تاکہ اتفاق ہو کیونکہ ایسا شخص ہر وقت شیطان کے ہاتھ میں ہے۔ جب جی چاہے وہ اپنی راہ پر لا سکتا ہے مثلاً کسی وقت اسکو یہ سمجھا دیا کہ یہ قاعدہ ہے کہ جب مقصود حاصل ہو جاتا ہے تو ذریعہ متروک ہو جاتا ہے تو بہت قریب ہے یہ بات کہ جس روز اُن کی کوشش سے قوم میں اتفاق پیدا ہو گیا اُسی روز سے یہ جماعت کی نماز چھوڑ دیں گے کہ اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ تو یہ لوگ ہر وقت عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ ہیں یعنی آگ کے گڑھے کے کنارے کھڑے ہیں شیطان کے ذرا سے دھکے میں گر جائیں گے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ احکام میں مصلحتیں نہیں ہیں مصلحتیں ہیں اور اسقدر ہیں کہ ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتیں مگر وہ سب تابع ہیں اور رضا حق مقصود ہے۔ بہر حال

اس پر میں کہتا تھا کہ احکام میں مصالح دنیویہ و اُخرویہ دونوں ہیں مگر دنیویہ تابع ہیں اور اُخرویہ
متبوع۔ اسی طرح جتنے احکام ہیں اگر اُن میں کوئی لطیفہ بیان کیا جاوے تو لطیفہ طبعاً ہے اور
مقصود رضائے حق ہی ورنہ درجۂ اصالت میں ہمیں ضرورت نہیں کہ ہم احکام کی روح تلاش کریں مگر
تبعاً محض تنشیط (خوش ہونا ۱۲ ص) کیلئے عرض کیا جاتا ہے نہ کہ بطور مدار حکم کے۔ یہ تقریر اسلئے عرض کی کہ غلطی نہو۔ بہرحال رمضان
کے خاتمہ پر عید جو مقرر ہے۔ اسکی بھی ایک صورت ہے اور ایک روح۔ تو اسکی روح کیا ہے۔ ابھی اس حدیث کو
میں نے مع ترجمہ بیان کیا تھا للصائم فرحتان فرحة عند الافطار وفرحة عند لقاء ربہ
کہ ایک فرحت افطار کیوقت ہوتی ہے ایک فرحت لقاء رب کے وقت قیامت میں ہوگی۔ پھر افطار
کے وقت جو فرحت ہوتی ہے۔ اسکے بھی دو پہلو ہیں۔ ایک کو اہلِ معنی نے سمجھا ایک کو اہلِ ظاہر نے
سمجھا۔ اسی پر یہ مضمون چلا تھا۔ پس اہلِ ظاہر کو کھانے پینے کی فرحت ہوتی ہے۔ اہلِ معنی روزہ پورا
ہونے کی فرحت ہوتی ہے اور اس فرحت معنویہ سے اُس دوسری فرحت کا نمونہ جو فرحة عند لقاء
ربہ (ترجمہ لقاء رب کے وقت فرحت ۱۲ محمد صابر غفرلہ) آخرت میں ہوگی اُنکے پیش نظر ہو جاتا ہے کیونکہ
جب یہ فرحت ہوتی ہے عمل پورا ہونے سے اور جس وقت عمل پورا ہوتا ہے تو کیا ہوتا ہے۔ وہ ہوتا ہے
جو حدیثوں میں درباب فضیلت عید کے آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرشتوں کو جمع کرکے فرماتا ہے کہ اے
فرشتو کیا جزا ہے اُس اجیر کی جس نے اپنا عمل پورا کر لیا ہو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اُسکی جزا یہی
ہے کہ اُسے اُجرت پوری دیجاوے حق تعالیٰ فرماتا ہے پس اُنہوں نے روزے رکھے جو ہمارے
یہاں مقبول ہوگئے۔ تو تم گواہ رہنا کہ ہمنے سب کی مغفرت کر دی۔ پس ایک حدیث سے افطار کیوقت
فرحت اور ایک حدیث سے تمام عمل کیوقت مغفرت ثابت ہوئی اور یہ مقدمہ ظاہر اور اوپر مذکور ہو
چکا ہے کہ افطار کا وقت تمام عمل کا وقت ہے تو اس افطار کیوقت مغفرت کا ہونا ثابت ہوا اور
یہی مغفرت ہے جس کو خواہ جزا کہئے خواہ لقاء رب کہئے تو پھر افطار کیوقت فرحت لقاء رب بھی
معناً حاصل ہے جس کا ظہور اتم آخرت میں ہوگا اسی لئے اُس کو پہلے فرحت پر عطف کیا ہے پس
باعتبار ظہور کے اُدھار ہے پس یہی لقاء یا مشاہدہ روح ہے اس افطار کی اور ہر روز افطار صغیر ہے
اور عید افطار کبیر ہے۔ پس عید کی روح بھی مشاہدہ حق ہوا اور گو ظاہراً یہ اُدھار ہے مگر حقیقت میں
نقد ہے اور یہ ذوقی بات ہے کہ نقد ہے البتہ اگر ذوق نہ ہو تو خیر اُدھار ہی سمجھو گے کہ جب وہاں جائیں گے

۱۶۱

تو لقاء رب یا مغفرت میسر ہوگی اور اگر ذوق ہی تو سب نقد ہی اور اگر ذوق پیدا کرنا ہو تو ذوق پیدا ہوتا ہے محبت اور اہل محبت کی صحبت سے اور اُنکی خدمت میں رہنے سے جب ذوق پیدا ہوگا اُس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ وہ جزاء نقد ہے اور وہ نقد کس طرح ہی۔ بات یہ ہی کہ حق جل و علیٰ شانہ نے دو آنکھیں پیدا کی ہیں ایک ظاہر کی ایک باطن کی۔ اُنھیں باطن کی آنکھ سے ان آیات کے معنی معلوم ہوتے ہیں وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ (ترجمہ اور ہم انسان کے اسقدر قریب ہیں کہ اسکی رگ گردن سے بھی زیادہ ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (ترجمہ بلاشبہ حق تعالیٰ صبر کرنیوالوں کے ساتھ رہتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اِنَّ اللّٰهَ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ (ترجمہ بلاشبہ حق تعالیٰ نیکی کرنیوالوں کے نزدیک ہیں محمد صابر غفرلہ) اس معیت و قرب کے صاف معنی معلوم ہوتے ہیں کہ لقاء رب یہاں بھی حاصل ہے اور یہ کیسے یقین دلاؤں کہ اُنہیں یہ بات حاصل ہی یہ ذوقی بات ہی اسکے بھی علامات ہیں اُنسے معلوم ہو جاتا ہی۔ دیکھو اگر کسی نے شراب نہ پی ہو اور بناوٹ سے جھومتا ہو تو جھومیگا مگر ویسا نہیں جھومیگا جیسا واقعی شراب پینے والا جھومتا ہی۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے قرب لقاء و مشاہدہ کا بھی ایک خاصہ ہے اور جن لوگوں نے یہ شراب پی ہی اُن کی بھی ایک علامت ہی اور وہ کیا ہی قلب کا سکون۔ اطمینان۔ ماسوا سے ذہول۔ اور قاعدہ عقلی ہے کہ بغیر مقصود کے حاصل کئے سکون نہیں ہوتا اگر انہیں قرب حق نہ ہوتا تو اُن کو یہ سکون کیسے ہوتا۔ پس معلوم ہوا کہ اُنہوں نے کچھ دیکھا ہی کچھ پایا ہے۔ وہ خالی نہیں ہیں۔ اب رہی یہ بات کہ وہ سکون کیسا ہے اور اطمینان کیا ہے۔ سو دیکھ لو سب کو نظر آتا ہی ؎

۱۶۲

موحد چہ بر پائے ریزی زرش　　چہ فولاد ہندی نہی بر سرش

(ترجمہ موحد اور عارف کے قدموں کے نیچے خواہ زر بکھیریں یا اُس کے سر پر تلوار رکھدیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اُمید و ہراسش نباشد زکس　　ہمین است و بنیاد توحید و بس

(ترجمہ۔ اُمید و خوف اُس کو بجز خدا کے کسی سے نہیں ہوتا توحید کی بنیاد بس اسی پر ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

کسی چیز سے اُنہیں پریشانی نہیں ہوتی۔ اور یہ مطلب نہیں کہ پریشانی طبعی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ پریشانی عقلی نہیں ہوتی۔ کیونکہ پریشانی طبعی تو انبیاء تک کو ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام باوجودیکہ نبی ہیں مگر جس وقت کوہ طور تشریف لیگئے اور حق تعالیٰ نے

پوچھا وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ط اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے قَالَ هِيَ عَصَايَ ۔ انہوں
نے عرض کیا عصا ہے ۔ آگے .... قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَىٰ ط یعنی حکم ہوا کہ اچھا اسے ڈالدو ۔
فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ اور انہوں نے ڈال دیا تو وہ سانپ بن گیا ۔ قَالَ خُذْهَا
وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ ط جب سانپ کی شکل دیکھی تو بھاگے ۔ فرماتے ہیں
لَا تَخَفْ ۔ اے موسیٰ تم ڈرو مت ۔ ہاتھ ڈالو یہ ویسا ہی ہوجائیگا ۔ سو سانپ سے طبعاً ڈر گئے
پس پریشانی طبعی کا مضائقہ نہیں ۔ ایک اور بزرگ کی حکایت ہے کہ بادشاہ نے اُن کے
دھمکانے کو کہا تھا کوئی ہے ۔ تو انہوں نے بھی بادشاہ کے دھمکانے کو کہا کوئی ہے اُنکی
کرامت سے ایک شیر نکل آیا ۔ بادشاہ اُس شیر کو دیکھ کر بھاگا ۔ یہ بزرگ بھی اُس کے ساتھ
بھاگے ۔ تو یہ طبعی بات ہے میں اس کی نفی نہیں کرتا ۔ میں اُس کی نفی کرتا ہوں جس میں اُدھیڑ
بُن ہو ۔ جس میں حواس باختہ ہوجائیں ۔ جس میں سوچ ہو کہ اب کیا ہوگا ۔ یہ مقدمہ قایم ہوگیا ہے
اب کیا ہوگا میرے بچوں کا کیا حال ہوگا ۔ میری بیوی کیسی پریشان ہوگی ۔ بس ان حضرات
میں یہ نہیں ہوتا ۔ وہ راضی برضائے حق رہتے ہیں ۔ جو کچھ ہوگا اُن کے نزدیک بہتر ہے ۱۶۳
اُن کا خیال تو یہ ہوتا ہے ۔ ع ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود (ترجمہ جو کچھ محبوب حقیقی کرتے ہیں وہ
بہتر ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہم تو سرکاری گھنٹے ہیں ۔ اگر بڑھا دیا تو کیا گھٹا دیا تو کیا ۔ ہماری حالت
کیوں نکلتی ہے ۔ اگر گھڑی شکایت کرے کہ مجھے کوکتے ہیں ۔ تو یہی جواب ہے کہ ہم مالک ہیں
جو چاہتے ہیں کرتے ہیں تو ہے کون بلا ۔ پس جس طرح یہ گھڑی ہے وہ گھڑا ہے ۔ کوکنے والے
نے کوک دیا ہے ۔ چل پھر رہے ہیں ۔ اب سمجھ گئے جو کچھ ہم کرتے ہیں وہ اُن کے کوکنے سے کرتے
ہیں ۔ کوک اگر ہمیں ہیں ہو تو فرماتے ہیں فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُومَ وَأَنْتُمْ حِينَئِذٍ تَنْظُرُونَ
(الی) تَرْجِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ط جس وقت روح حلقوم تک پہنچ جاتی ہے اور تم دیکھتے
ہوتے ہو تو تم اُس روح کو لوٹا کیوں نہیں لیتے ۔ تم اتنا تو کر ہی نہیں سکتے کہ نکلنے کے بعد تو کیا جس
وقت نکلنے کے لئے حلقوم تک آئے تو اُسے لوٹا لو ۔ بعض دفعہ گلے میں کھانا اٹک جاتا ہے
تو یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ دوسروں کے تصرف سے تو نکلتا ہے ۔ تو بھلا ہم کون ہیں ۔ ایک
مشین ہیں صانع کے ہاتھ میں اور وہ صانع رحیم و حکیم ہیں ۔ پس ہرچہ آں خسرو کند شیریں بود

(ترجمہ جو کچھ بادشاہ حقیقی کرتے ہیں وہ بہتر ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور یہ بات محبت کی وجہ سے اُن حضرات کو مستحضر رہتی ہی اس واسطے پریشانی نہیں ہوتی۔ حتی کہ اہلِ سلوک جس کو بعد فراق سمجھتے ہیں دوری ۱۲ اُسکی نسبت بھی یہ مذاق رکھتے ہیں ؎

أرید وصاله ویرید هجری		فاترك ما أرید لما یرید

(ترجمہ میں محبوب کے وصال کا خواہاں ہوں وہ ہجر کے خواہاں سو میں نے اپنی خواہش کو ان کی خواہش کیوجہ ترک کردیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور اس سب کا سبب محبت ہی پس یہ ہے لقاء رب و رضائے حق جو اصلی مقصود ہے اور یہ سکون اسکی علامت ہی جس سے ہم بھی اہل قرب کو پہچان سکتے ہیں جیسے فرض کرو کہ ہمنے کسی کو شراب پیتے نہ دیکھا ہو مگر بُو سے تو معلوم کرلیتے ہیں کہ اُس نے شراب پی ہے تو اُنھوں نے بھی شراب وصل پی ہے اور ان آثار سے ہمیں بھی معلوم ہوسکتا ہے۔ دوسرے آثار قرب کے ان میں اور بھی ہیں وہ یہ کہ جنت میں جو قرب ہوگا تو اُسوقت کیا ہوگا کہ اُن اہل قرب کو کسی سے کینہ نہوگا سوان اہل اللہ کو دنیا ہی میں دیکھ لو کہ انہیں بھی یہ بات حاصل ہی چنانچہ اُن کا مشرب ہی کہ ؎

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن　　　آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

(ترجمہ یعنی ہمارے طریق میں کسی سے کینہ رکھنا کفر ہے سینہ کو آئینہ کی طرح حسد و کینہ سے صاف رکھنا ہمارا دستور ہی ۱۲ محمد صابر)

اور جنت میں کیا ہوگا بے تکلف جس طرح سانس آتی ہے اُس طرح ذکر اللہ جاری ہوگا حدیث میں ہے یلھمون التسبیح کالنفس۔ (ترجمہ الہام کیا جائیگا اُن کو تسبیح کا سانس کی طرح ۱۲ محمد صابر غفرلہ) دیکھ لیجئے یہ بھی ذکر اللہ میں اسی طرح مشغول ہوتے ہیں کہ نہ تکان ہی نہ پریشانی ہے۔ یہ سب علامات ہیں اہلِ جنت کے۔ بس معلوم ہوتا ہی کہ دنیا کے اندر ان کو لقاء رب حاصل ہی مگر اتنا فرق ہے کہ یہ لقاء ضعیف ہی جنت میں جو ہوگی وہ قوی ہی یہ خفی ہے وہ جلی ہے۔ یہ معنوی ہی وہ صوری ہی۔ مگر عاشق کے لئے یہی بہت ہی ؎

مرا از زلف تو موئے بسند است　　　ہوس را رہ مدہ بوئے بسند است

اگر محبوب نہ ملے تو اُس کا ایک بال ہی بہت اگر بال نہ سہی تو خوشبو ہی سہی بلکہ اگر خوشبو نہ سہی تو نام ہی سہی ؎

دید مجنوں را یکے صحرا نورد　　　در بیابان غمش بنشستہ فرد

ریگ کاغذ بود انگشتان قلم　　　می نوشتی نامہ بہر کسے رقم

گفت اے مجنون شیدا چیست ایں　　　می نویسی نامہ بہر کیست ایں

۱۶۴

مجنوں کو کسی نے جنگل میں دیکھا کہ تنہا بیٹھا ہوا اپنی انگلی سے ریت پر کچھ لکھ رہا ہے۔ پوچھا کسے خط لکھ رہے ہو کہا کہ ؎

گفت مشق نام لیلےٰ می کنم	خاطرِ خود را تسلی می کنم

میں اپنی محبوبہ کے نام کی مشق کر رہا ہوں ؎ (ترجمہ اپنے دل کو تسلی دیتا ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

مرا از زلفِ تو موئے بسند است	ہوس را رہ مدہ بوئے بسند است

(ترجمہ یعنی اگر محبوب نہ ملے تو اُس کا ایک بال ہی کافی ہے اگر بال بھی نہ ملے تو خوشبو ہی بہت ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ابھی ایک تو وصال عریاں ہے کہ معشوق بالکل ہم آغوش ہو اور ایک یہ کہ صرف انگلی پکڑ لی یہ بھی تو بہت بڑی بات ہے۔ گو بیکلی بڑھ جاتی ہے۔ اگر یہ کہو کہ بیکلی کیسے یہ تو سکون کے منافی ہے تو بات یہ ہے کہ سکون سے مطلق سکون مراد نہیں بلکہ سکون عن غیر اللہ (ترجمہ غیر اللہ سے سکون ۱۲ محمد صابر غفرلہ) مراد ہے۔ سو سکون عن غیر اللہ ہو جاتا ہے۔ باقی سکون عن اللہ (ترجمہ اللہ تعالیٰ سے سکون ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تو کبھی نہیں ہوتا وہ تو جوں جوں آگے بڑھتے ہیں طلب بڑھتی ہی جاتی ہے اور بیکلی سوا ہوتی جاتی ہے مگر اس میں انہیں وہ لطف ہے کہ اس بیکلی پر ہزاروں سکون قربان میں نے بچپن میں ایک مثنوی لکھی تھی اس کا مصرع یاد آگیا ع عشق معشوق است مر عشاق را عاشق کو جیسے معشوق سے محبت ہوتی ہے محبت سے بھی محبت ہوتی ہے۔ اگر عاشق سے کہا جاوے کہ لاؤ ایسی ترکیب کریں کہ تمہاری محبت زائل ہو جائے۔ تو مر جاوے گا جان دینا گوارا کرے گا مگر اسے کبھی گوارا نہیں کرے گا۔ مجنوں کو جب اُس کے باپ نے دیکھا کہ لیلیٰ کی محبت میں اُس کی بُری حالت ہے۔ تو خانہ کعبہ لیکر آیا اور کہا کہ اے قیس دعا کر اللّٰھم ازل عنی حب لیلیٰ (ترجمہ یارب میرے دل سے لیلےٰ کی محبت زائل کر دے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) باپ تو یہ کہے اور وہ کہتا ہے اللّٰھم زدنی حب لیلیٰ (یارب مجھے لیلیٰ کی محبت زیادہ دیجئے ۱۲ ص) باپ نے کہا اس سے توبہ کر اُس نے جوش میں آکر یہ شعر پڑھا ؎

الٰہی تبت من کل المعاصی	ولکن حب لیلیٰ لا اتوب

سارے گناہوں سے توبہ ہے مگر اے اللہ میں لیلےٰ کی محبت سے توبہ نہ کرونگا اور یہ (لا اتوب ترجمہ توبہ نہیں کرتا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یا تو غلبہ سکر میں کہا اور یا اس لئے کہ وہ سچی محبت تھی اُس میں لوث معصیت کا نہ تھا۔ یہ لوگ مسلمان تھے۔ اور تتمہ اس کے قصہ کا یہ ہے (مثنوی ۱۲ ص)

کہ اُسکے باپ نے جب اُسکی حالت زیادہ خراب دیکھی تو لیلےٰ کے باپ کو جو اُس کا حقیقی چچا ہے پیغام نکاح بھیجا تو لیلےٰ کے باپ نے جواب دیا کہ مجھے عذر نہیں۔ اس سے زیادہ لیلےٰ کا اور کون حق دار ہوگا۔ لیکن یہ نکاح ہوتے ہی فوراً مرجائیگا۔ اس لئے بہتر ہے کہ اسے یوں ہی رہنے دو۔ کیونکہ اس کی وہ حالت تھی ؎

من شمع جانگدازم و تو صبح دلکشائی　　سوزم گرت نہ بینم میرم چو رخ نمائی

میں شمع ہوں تو صبح ہے اگر تجھے دیکھ لوں تب بھی موت ہی کہ لوگ بجھا دیں گے اور اگر نہ دیکھوں تب بھی ہلاکت ہی کہ جل جاؤنگا ؎

نزدیک آں چنانم و دور آں چنانکہ گفتم　　نے تاب وصل دارم نے طاقت جدائی

(ترجمہ اس محبوب کی نزدیکی ایسی ہی اور جدائی ایسی جیسا اوپر کے شعر میں ذکر کیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

نہ جدائی کی طاقت نہ وصل کی تاب۔ یہ حالت ہوتی ہی عشاق کی۔ الغرض نکاح نہیں ہوا۔ اسکے بعد اتفاق سے لیلےٰ پہلے مرگئی۔ اس کو بھی علم ہوا۔ اُس کی قبر معلوم کرنا چاہی۔ لوگوں نے اُس کی ہلاکت کے خیال سے نہیں بتائی۔ اُس نے خود جابجا کی قبروں کی مٹی سونگھ کر پتا لگالیا اور یہ شعر کہا اور اسی کو بار بار پڑھ پڑھکر جان دیدی ؎

۱۶۶

اراد والیخفوا قبرہا عن محبہا　　وطیب تراب القبر دل علی القبر

کہ لوگوں نے تو یہ چاہا تھا کہ لیلےٰ کی قبر کو اُسکے عاشق سے مخفی رکھیں لیکن اُسکی خاک قبر کی خوشبو نے اُسکو پتہ بتاہی دیا ۱۲ جامع) یہ ادنیٰ سا شخص تھا ادنیٰ سی محبت تھی۔ مگر کیا رنگ دکھایا۔ اور مجنوں نے اس محبت کی ترقی ہی چاہی۔ تو وجہ اُس کی یہ ہے کہ محبت خود بھی محبوب ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس بیکلی میں بھی لطف آتا ہے اور اس بیکلی میں اور سکون میں منافات نہیں ہوتی۔ کیونکہ جہاں سکون کا حکم کیا وہاں سکون عن غیر الحق (ترجمہ غیر اللہ سے سکون محمد صابر غفرلہ) مراد ہے۔ اسکی ایسی ہی مثال ہے کہ تین طلاق رجعی کسی عورت کو دے کر دوسری سے نکاح کرنیکا ارادہ ہے اور ابھی نکاح نہیں ہوا تو اُس سے تو سکون ہی جب طلاق دیدی اور اُسکے لئے بےچینی ہے جس سے نکاح چاہتا ہے۔ یہی جنت میں بھی ہوگا۔ اور جنت میں کہ مقام قرب ہے یہ ہوگا حق تعالیٰ سے فرداً فرداً باتیں ہونگی۔ گو حق تعالیٰ سے یہاں بھی باتیں ہوتی ہیں۔

کیونکہ قرآن کی تلاوت حق تعالیٰ سے باتیں ہی ہیں۔ مگر یہ محجوباً ہیں۔ کیونکہ اس کے خطاب عام ہیں اور جنت میں خاص خطاب ہوگا۔ سو اہل اللہ کو دنیا میں یہ بھی ہونے لگتا ہے۔ یعنی اُنکے قلب میں الہامات جو ہوتے ہیں وہ حق تعالیٰ کا خطاب خاص ہے۔ جاننے والے کہتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کوئی بول رہا ہے مگر شرط یہ ہے کہ یہ کلیات شرعیہ کے خلاف نہو ورنہ وہ الہام رحمانی والقاء ربانی نہیں بلکہ حدیث النفس ووسوسۂ شیطانی ہے۔ انکا الہام یہانتک بڑھ جاتا ہے کہ ہر وقت الہام ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کھانے پینے اور ہدیہ لینے میں بھی کہ یہ مت کھاؤ یہ مت پیو یہ ہدیہ مت قبول کرو۔ پھر وہ انکار کرتا ہے ہدیہ کے قبول کرنے سے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ فلاں کا لیلیا فلاں کا کیوں نہ لیا مگر ؂

درنیابد حال پختہ ہیچ خام	پس سخن کوتاہ باید والسلام

(ترجمہ یعنی ناقص کامل کی حالت کو نہیں سمجھ سکتا پس کلام کوتاہ کرنا چاہیے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اس ترتیب کے شخص کو حضور ارشاد فرماتے ہیں استفت قلبك ولوا فتاك المفتون (ترجمہ اپنے دل سے بھی فتویٰ لو اگرچہ مفتیوں نے تمہیں فتویٰ دیدیا ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) المفتون فرمایا مفتون نہیں فرمایا۔ یعنی مفتون دنیا۔ سو اسکو فرماتے ہیں دل سے پوچھے۔ کیونکہ خدا کا نور اُسے عطا ہوتا ہے اسی کو مولانا فرماتے ہیں ؂

پنبہ اندر گوش حس دوں کنید	تا خطاب ارجعی را بشنوید

(ترجمہ یہ کان حوانی درجہ کے حواس میں سے ہے اسمیں روئی رکھ لو۔ تاکہ خطاب ارجعی کو سُننے کے قابل ہو جاؤ یعنی گوش ظاہری سے کام مت لو اور اسکو تعلقات دنیا کی طرف متوجہ مت کرو ۱۱ محمد صابر غفرلہ)

چشم بند و لب بہ بند و گوش بند	گر نہ بینی نور حق بر من بخند

(ترجمہ ظاہری چشم و لب اور کان کو بند کرو اسپر بھی اگر خدا کا نور نہ دیکھو تو مجھپر ہنسنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

تو بات کیا ہے جتنا ذہول ادھر سے ہوتا جاتا ہے اُتنی ہی بیداری اُدھر سے بڑھتی جاتی ہے۔ پھر اپنی استعداد کیموافق مکالمۃ بھی ہوتی ہے۔ تو واقعی ان سب سے سکون حاصل ہو جاتا ہے غرض جبتک وہ زندہ ہیں اُن کو دنیا میں بھی وہ عیش ہے کہ کسی بادشاہ کو بھی نصیب نہیں۔ ایک بادشاہ نے بطور اعتراض کسی بزرگ کو اپنی اور اُن کی معاشرت کا موازنہ لکھکر بھیجا تھا

۱۶۷

وہ بزرگ اُسے جواب دیتے ہیں ؎

خوردن تو مرغ مسمن و مے ۔۔۔ خوردن ما نانک جویں ما

(ترجمہ تمہارا فربہ مرغ کھانا اور ہمارا جو کی روٹی کھانا ایک دم کیلئے ہی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

پوشش تو اطلس و دیبا حریر ۔۔۔ بخیہ زدہ خرقہ پشمین ما

ہمنے سب کمایا آگے فرماتے ہیں ؎ لیک ہمین ہست کہ می بگذرد ٭ راحت تو محنت دوشیں ما۔
مگر ذرا ٹھیرے رہو کل اس کا حال معلوم ہوگا کہ تمہاری راحت اچھی تھی یا ہماری محنت ؎

باش کہ تا طبل قیامت زنند ۔۔۔ آں تو نیک آید و یا این ما

(ترجمہ یعنی ذرا صبر کرو قیامت میں معلوم ہو جائیگا کہ وہ تمہاری راحت اچھی تھی یا ہماری محنت ۱۲ محمد صابر)

تو ان حضرات کو کچھ تو حاصل ہے جس کی بدولت دولت و سلطنت کی بھی پرواہ نہیں
ایک مقدمہ تو یہ ملائیے کہ خلق الانسان ضعیفاً انسان ضعیف البنیان ہے دوسرا
مقدمہ یہ ملائیے کہ امر طبعی ہے کہ انسان ادھار پر (ادھار یعنی نسیہ) کبھی راضی نہیں ہوتا اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو اور
ہمیشہ نقد کو ترجیح دیتا ہے اگرچہ کتنا ہی کم ہو تو ان دونوں کے ملانے سے یہ نکلتا ہے کہ انہیں
کچھ نقد ملا ضرور ہے ورنہ یہ راضی کیونکر ہوئے انہیں وہ چیز ملی ہے کہ میں نام نہیں بتلا سکتا۔
وہ ذوقی چیز ہے ؎

بفراغ دل زمانے نظرے بماہروئے ۔۔۔ بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

ایک ساعت ایک لمحہ محبوب کو اطمینان سے دیکھنا دن بھر کی دارو گیر شاہی سے بہتر ہے
تو یہ ہے وہ دولت جسکی بدولت اسقدر مستغنی ہیں سیدنا حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ملک سنجر والی
نیمروز نے عریضہ لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپکو کچھ معافی و جاگیر دیدوں تاکہ آپ بھی میری طرح
عیش و عشرت کیساتھ زندگی بسر کریں۔ حضرت نے اُسکے جواب میں یہ قطعہ فرمایا ؎
چوں چتر سنجری رخ بختم سیاہ باد ۔۔۔ در دل اگر بود ہوس ملک سنجرم
چتر سنجری کی طرح میرا منہ کالا ہو اگر میرے دلمیں ملک سنجر کا وسوسہ بھی ہو۔ اور
وسوسہ کیوں نہیں اس لئے نہیں ہے کہ ؎

زانگہ کہ یافتم خبر از ملک نیم شب ۔۔۔ من ملک نیمروز بیک جو نمی خرم

۱۶۸

ف ؎ تیرا لباس ریشم و اطلس کا ہے ہمارا خرقہ پشمین بخیہ زدہ ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ

مجھے جیسے نیم شب کی سلطنت حاصل ہے نیمروز کی سلطنت میری نظر میں ایک جو کے
برابر بھی نہیں سبحان اللہ کیا رعایت ہے کہ وہ ملک نیمروز تھا (یہ فارس کے ملک کا نام ہے)
تو آپنے اپنے کو ملک نیم شب لکھا اور وہ نیم شب کی سلطنت کیا ہے ؎

چہ خوش وقتے و خرم روزگارے	کہ یارے برخورد از وصل یارے

(ترجمہ وہ کیا اچھا وقت اور اچھا زمانہ ہے کہ اس میں کوئی محب اپنے محبوب کے وصل سے متمتع ہو ۱۲ محمد صابر)

اور صرف خلوت میں برخورد اُن کو حاصل ہے اس واسطے کہ اہل اللہ کو دیکھا ہے کہ اُس وقت
اگر کوئی اُنکی خدمت بھی کرے تو ناک منہ چڑھاتے ہیں۔ اُس وقت یہ بھی گوارا نہیں ہوتا کہ
کوئی استنجے کیلئے ڈھیلے یا وضو کیلئے پانی بھی دے سب کام اپنے ہاتھ سے اچھا معلوم
ہوتا ہے بعضے بے ذوق اُس وقت بھی خدمت لینے سے باز نہیں آتے اور بغیر "ارے فلانے پانی
لا۔ ڈھیلے لا" کے چین نہیں آتا۔ اُس وقت تو یہ حالت ہوتی ہے کہ یہ کون ہوتا ہے دخل دینے والا
اگر انہیں کسی کے ساتھ خلوت نہیں تو غیر کا آنا ناگوار کیوں ہے۔ یہ غیرت دلیل اسکی ہے کہ کسی کو
آغوش میں لیلیا ہے۔ ضرور کسی سے راز کی باتیں ہو رہی ہیں۔ پس غیرت آتی ہے اور اسقدر آتی ہے
کہ اپنی ان آنکھوں سے بھی آنے لگتی ہے۔ کیونکہ آنکھیں جزو ہیں اور جزو کل کے مغایر ہے
پس غیر سے غیرت کا آنا طبعی بات ہے۔ یہیں عارف شیرازی کے اس شعر کے معنی بھی حل ہو گئے
ورنہ پہلے شاعری معلوم ہوتی تھی ؎

بخدا کہ رشکم آید ز دو چشم روشن خود	کہ نظر دریغ باشد بچنیں لطیف روئے

(ترجمہ بخدا مجھکو اپنی دونوں آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ وہ محبوب کے چہرۂ انور کو دیکھتی ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہ شعر اب سمجھ میں آگیا اور قلندر صاحبؒ کا شعر بھی حل ہو گیا ؎

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم	گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

(ترجمہ یعنی مجھکو آنکھوں پر رشک آتا ہے کہ اُنکو محبوب کے چہرۂ انور کو نہ دیکھنے دوں اور کانوں کو بھی آپکی باتیں نہ سننے دوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

کان کے سننے آنکھوں کے دیکھنے سے بھی غیرت آتی ہے۔ اگر کوئی کہے کہ جنت میں تو اسی آنکھ سے
خدا کا دیدار ہو گا۔ صوفیہ نے کوئی بات ایسی نہیں چھوڑی جسے حل نہ کیا ہو گو وہ بعض امور پر دلیل
نہ قائم کریں مگر اطمینان تو ہو جاتا ہے۔ اُنہوں نے اس اشکال کو بھی حل کیا ہے وہ فرماتے ہیں

١٦٩

کہ قیامت میں بصیرت وبصارت میں مغایرت نہیں رہیگی۔ دونوں ایک ہوجائیں گے۔ اسی آنکھ میں بصیرت وبصارت دونوں جمع ہوجائیں گی۔ پس ظاہر میں نورانی یہ عین ظاہرہ ہی جوکہ جزو ہی اور باطناً رائی عین باطنہ ہی جوکہ اس شخص کا عین ہے اور جزو نہیں۔ اور غیرت مغائر سے تھی سو یہ مغائر نہیں۔ واقعی صوفیہ خوب سمجھتے ہیں۔ بہرحال وہ وقت خلوت کا ہے۔ غیر سے کیوں نہ غیرت آوے اور ان آنکھونکو بھی غیر کیوں نہ سمجھا جاوے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ان آنکھوں کے جانیکی پرواہ بھی نہیں کی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اخیر میں نگاہ جاتی رہی تھی لوگوں نے بہت اصرار کیا کہ حضرت آنکھیں بنوالیں۔ مولانا نے لوگوں کے سمجھانیکے لئے فرمایا کہ بھئی آنکھ بنے گی تو ڈاکٹر کہیگا کہ پڑے رہو۔ میری جماعت جاتی رہیگی۔ میں نہیں بنواتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو معذور ہیں۔ فرمایا بتلاؤ میرا کونسا کام اٹکا ہوا ہے چلتا بھی ہوں پھرتا بھی ہوں اٹھتا بھی ہوں بیٹھتا بھی ہوں۔ میں کہاں سے معذور ہوں بلکہ وہ تو آنکھ کو حاجب سمجھتے ہیں۔ کیونکہ اگر آنکھ ہوگی کوئی آئیگا تو دیکھ کر لحاظ ہوگا۔ خواہ مخواہ کھڑا بھی ہونا پڑیگا۔ پھر چاروں طرف نگاہ بھی پڑتی ہے۔ دل بٹا رہتا ہے۔ اگر آنکھ نہیں تو دل یکسو رہتا ہے۔ اور ایک زاہد کی حکایت مولانا نے تحریر فرمائی ہو

زاہدے را گفت یارے در عمل　　کم گری تا چشم را ناید خلل

کہ کسی نے ایک زاہد سے کہا کہ کم رویا کرو تاکہ آنکھیں نہ جاتی رہیں ؎

گفت زاہد از دو بیروں نیست حال　　چشم بیند یا نہ بیند آں جمال

زاہد نے کہا سنو! آنکھ یا تو وہ جمال دیکھے گی یا نہیں دیکھے گی اور دونوں کا مقتضا یہ ہی کہ انکی پرواہ نہ کی جاوے کیونکہ ؎

گر بہ بیند نور حق را چہ غم است　　در وصال حق دو دیدہ کے کم است

اگر وہ جمال دیکھے گی تو دو آنکھونکی کیا پرواہ ہے ع متاع جان جاناں جان دینے پر بھی سستی ہی

ورنہ بیند نور حق را گو برو　　ایں چنیں چشم شقی گو کور شو ؎

اور اگر جمال نظر نہ آوے تو ایسی کمبخت آنکھوں کو لیکر کیا کرونگا۔ ان کا اندھا ہونا ہی بہتر ہے۔ غرض آنکھونکی پرواہ نہ کرنا یہ بھی کسی بہت بڑی چیز کے ملنے کی وجہ سے ہے۔ ورنہ یہ حالت ہوتی ہے کہ پانی بھی اترنے لگتا ہے تو ہائے ہائے کرنے لگتے ہیں۔ بہرحال لوگوں نے حضرت

۱۷۰

سے عرض کیا کہ بنوا لیجئے مگر حضرت کا ایک ذوق تھا نہ بنوائیں۔ عرض کیا کہ حضرت دانت بنوا لیجئے۔ فرمایا بھائی اب تو نرم بوٹیاں گرم روٹیاں ملتی ہیں۔ دانت بننے کے بعد یہ نہیں ملیں گی۔ تو میں دانت بنوا کر کیوں اپنا نقصان کروں۔ سبحان اللہ کتنا خوش ہیں۔ ورنہ یہ ظرافت بدون بڑی خوشی کے کبھی نہیں سوجھ سکتی۔ حضرت وہی بات ہے کہ کچھ مل گیا ہے جس پر آنکھ دانت سب قربان ہیں۔ جس کی جیب سے پیسہ گر کے اشرفی آگئی ہو اُسے پیسہ کا کیا غم۔ اسی طرح اگر ادھر کی آنکھیں جاتی رہیں اُدھر کی صحت حاصل ہو جائے تو کیا غم۔ اگر کسی کے پاس ایک ہی پیسہ ہو تو وہ ہائے ہائے ضرور کریگا۔ اشرفی والے کو ایک کیا سو پیسوں کی بھی پروا نہ ہوگی۔ حضرت یہ فرحت یہ انشراح یہ بشاشت یہ سکون و اطمینان نعم البدل ملنے ہی کی علامت ہے۔ غرض جو لقاء رب وہاں ہوگا وہ انہیں یہیں حاصل ہے۔ بہر حال ان دونوں حدیثوں سے جیسا کہ اُس کی تقریر مذکور ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ کمال عمل یعنی افطار کیوقت قرب ہوتا ہے۔ اور افطار دو ہیں صغیر و کبیر۔ افطار صغیر تو یہی ہے جو روزمرہ مغرب کے وقت ہوتا ہے۔ افطار کبیرہ وہ ہے جو رمضان کے خاتمہ پر آتا ہے یہ ایک دن کا افطار ہے وہ تیس دن کا ہے۔ اور حدیث میں افطار صغیر کا ذکر صراحتاً ہے۔ اور افطار کبیر کا اشارۃً۔ اگر صغیر پر جزا صغیر ہے تو کبیر پر کبیر ہونی چاہیئے۔ غرض ان دونوں حدیثوں کے مجموعہ نے تبلا دیا کہ عید کی کیا حقیقت ہے۔ یعنی عید کی حقیقت ہے مشاہدہ۔ گو حدیث میں لقاء رب کا لفظ ہے۔ مگر مشاہدہ و لقاء رب ایک ہی ہیں اور اس لفظ کے اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اُن عبادات کی روح کا لقب جو کہ روزے کے متعلق نہیں مجاہدہ تھا اسلیئے لفظ مشاہدہ اختیار کیا تاکہ مجاہدہ کا قافیہ بھی ہو جائے ورنہ حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ اسی روح کو ایک عارف سمجھ کر کہتے ہیں ؎

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست
مے بہ میخانہ بجوش آمد و مے باید خواست

روزہ سے مراد اصطلاح میں مجاہدہ ہے اور عید سے مراد مشاہدہ ہے اس عنوان سے تعبیر کرنا اس طرف مشیر ہے یعنی اب مشاہدہ کا وقت آیا ہے اب تک مرجھائے ہوئے تھے اب سب کے دل شاداں ہیں۔ اب کھڑے ہوئے ہیں شراب پینے کو آج اُنکا عمل پورا ہو گیا ہے۔ وہ اس شکر کے جوش میں زبان حال کہتے ہیں کہ ؎

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدیم بدوست
آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

(ترجمہ اللہ تعالےٰ کا شکر ہے کہ ہم خیریت سے دوست تک پہنچ گئے ہماری اس ہمت مردانہ پر آفرین ہے ۱۲ محمد صابر عفی عنہ)

حاشیہ: خوش طبعی ۱۲ ص۔ اچھا بدلہ ۱۲ ص

آج اپنی سمت پر آفریں کر رہی ہیں کہ خیر ہے دوست تک پہنچ گئے سبحان اللہ یہ معنی ہیں لہا بر غایت کے اور کہتے ہیں مے بیخانہ بجوش آمد۔ شراب جوش میں آرہی ہے۔ وہ شراب نجس نہیں وہ شراب صرف طاہر بھی نہیں بلکہ شراب طہور ہے یعنی صرف پاک شراب نہیں بلکہ ناپاک کو پاک کرنیوالی شراب ہے اسی لئے قرآن مجید میں شراب طاہر نہیں فرمایا۔ شراب طہور فرمایا۔ کیا رحمت ہے۔ دیکھئے یہاں تو نہ کھانا نہ پینا۔ جیسے روزہ مطہر ہے (پاک کرنیوالا ۱۲ ص) اور وہاں کا کھانا پانی بھی مطہر ہے۔ وہ شراب جوش میں آرہی ہے وہ جوش میں کیسی آرہی ہے۔ ایک حدیث میں ہے چار شخصوں کیلئے جنت مشتاق ہے۔ الحدیث یعنی اس میں جوش ہے اس کا تقاضا ہے کہ مجھے فلاں شخص کو دیدیا جاوے جب ایسا انعام ہے تو پھر مانگنا چاہئے یہ معنی ہیں مے باید خواست کے۔ تو عارف شیرازی نے پہلے مصرعہ میں بتلا دیا کہ عید کی حقیقت مشاہدہ ہے اور دوسرے مصرعہ میں بتلا دیا کہ رحمت کا جوش ہے۔ مانگنا چاہئے رحمت صوری کا بھی اور رحمت معنوی کا بھی۔ پس عید میں دونوں طرح کی دعوت ہے ظاہری بھی باطنی بھی۔ جیسے فرحت عند الافطار (ترجمہ افطار کیوقت فرحت ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے دو پہلو تھے۔ اس فرحت عند الافطار الاکبر (ترجمہ افطار اکبر کے وقت فرحت ۱۲ محمد صابر غفرلہ) میں بھی دو ہی ہیں۔ ایک تو دعوت ظاہری یعنی چھوہارے سوّیاں۔ اور سوّیاں تخصیص کے ساتھ نہیں۔ بلا تخصیص اگر ہوں تو مضائقہ نہیں۔ حدیث سے صرف تمر کے کھانیکا استحباب ثابت ہے۔ پس یہ ضیافت حق کا دن ہے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ دعوت کا قبول نہ کرنا گناہ ہے۔ یہ دعوت اس کا پورا مصداق ہے چنانچہ اس دن اگر کوئی روزہ رکھیگا تو گنہگار ہوگا۔ بھلا خدا دعوت کرے اور قبول نہ کرو۔ نہیں کھانا پڑیگا۔ یہ افطار اکبر کا دن ہے ع گر نستانی بستم بیر سد (ترجمہ اگر خوشی سے نہ مانوگے زبردستی ماننا پڑیگی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور ایک باطنی دعوت ہے۔ وہ باطنی دعوت کیا ہے جسے مانگنا چاہئے وہ یہ ہے ؎

شربت الخمر کاساً بعد کاس	فلا نفد الشراب ولا رویت

(ترجمہ میں شراب کے پیالے پر پیالے چڑھا گیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

نہ شراب ہی ختم ہوئی نہ جی ہی بھرا کاس اصل میں خاص شراب کے پیالے کو کہتے ہیں اور وہ شراب غیر منقطع کیا ہے وہ یہ ہے ؎

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں	بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی

۱۷۲

(ترجمہ یعنی نہ محبوب کے حسن کی انتہا ہے نہ سعدی کے کلام کی جیسے جلندر والا مرجاتا ہے اور دریا باقی رہ جاتا ہے۔ ایسے محبوب کے حسن کا بیان باقی رہ گیا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

یعنی وہ حسن شراب ہے اس میں کہاں غایت ہے کہاں انتہا ہے۔ اس میں تو یہ ہے کہ جتنا آگے بڑھے اور طلب بڑھتی جاتی ہے ؎

اے برادر بے نہایت درگہیست	ہر چہ بروئے میرسی بروئے مائیست

(ترجمہ اے برادر بے نہایت درگاہ ہے جس درجہ پر پہنچو اس پر مت ٹھیرو بلکہ آگے کو ترقی کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اور اس کو سیر فی اللہ کہتے ہیں یہ کبھی ختم نہیں ہوتی ؎

نہ گردد قطع ہرگز جادہ عشق از دویدنہا	کہ مے بالد بخود ایں راہ چوں تاک از بریدنہا

عشق کا راستہ دوڑنے سے قطع نہیں ہوتا جس طرح درخت انگور کہ جتنا قطع کرو اور بڑھتا ہے یہ سیر فی اللہ کہلاتی ہے جیسا ابھی مذکور بھی ہوا تھا سیر الی اللہ البتہ ختم ہو جاتی اور یہ ختم نہیں ہوتی ورنہ اس کلام میں اور کسی پر واصل کا حکم کرنے میں تعارض ہوگا کیونکہ واصل کے تو معنی یہی ہیں کہ اس کو وصول ہو گیا اور سیر ختم ہو گئی اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واصل کی بھی سیر ختم نہیں ہوئی سو بعد اس تقسیم کے نہیں کوئی تعارض نہیں کیونکہ جو سیر ختم ہوئی ہے وہ الی اللہ ہے اور جو کبھی ختم نہیں ہوگی وہ فی اللہ ہے۔ بہر حال یہ شراب تجلیات حق ہیں جو کبھی علم کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں کبھی کسی اور صورت میں ظاہر ہوتی ہیں۔ اسی کی نسبت کہتے ہیں ؎

روزہ یکسو شد و عید آمد و دلہا برخاست	مے بمیخانہ بجوش آمد و مے باید خواست

(ترجمہ یعنی مجاہدہ پورا ہو گیا اب مشاہدہ کا وقت آیا سب کے دل شاداں ہیں رحمت کا جوش ہے مانگنا چاہئے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

تو یہ ہے عید کی حقیقت یعنی مشاہدۂ حق جس میں عوت حسنیہ بھی ہے اور عوت حسیہ بھی پس اگر ہماری عید مشاہدہ سے خالی ہے تو عید بے روح ہے۔ یہ تقریر تو حدیث سے مستنبط تھی اور اسی کے قریب یہ آیت بھی ہے جس کو میں نے اول میں تلاوت کیا تھا یعنی رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا الآیۃ اے اللہ ہم پر مائدہ نازل کر کہ وہ ہمارے لئے عید ہو جاوے اور اس آیت سے بعض نے عید میلاد النبی پر بھی استدلال کیا ہے مگر چونکہ اس کا جواب وعظ السرور میں بیان ہو چکا ہے اس لئے اس وقت اس کے متعلق بیان کرنا مقصود نہیں ہے۔ اس وقت اس سے صرف یہ

۱۷۴

استنباط کرنا ہے کہ عیسے علیہ السلام نے عید کو نزول مائدہ پر مرتب کیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عید کا مقتضا ایک درجہ میں اقتران ہے عید اور نزول مائدہ کا۔ چنانچہ امت عیسیٰ علیہ السلام کو مائدہ کے نزول کی عید ملی۔ پس اس امت کو عید عطا ہونے سے بھی باقتضائے مذکور معلوم ہوتا ہے کہ ان کو بھی ایک مائدہ ملا ہے جس کی ایک صورت ہے کھانا پینا خوشی کرنا اور ایک معنی ہے مشا ہدہ۔ پس اس طرح سے یہ آیت دال ہے روح عید پر مگر بنی اسرائیل کے مائدہ میں اور ہمارے مائدہ میں یہ فرق ہے کہ اُن کو محض مائدہ صوری ملا تھا جس میں احتمال ردو نکس (لوٹنا ۱۲ ص) کا تھا اور چونکہ ہمارا مائدہ مقرون ہے مائدہ معنوی کے ساتھ اسلئے اُس میں کوئی ردو نکس رجوع وسقوط و حور نہیں ہو سکتا چنانچہ بنی اسرائیل کو اسی لئے ارشاد ہوا تھا قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ فَمَنْ یَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّیْۤ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّاۤ اُعَذِّبُهٗۤ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ۔ کہ ہم مائدہ نازل تو کردیں گے۔ لیکن اسکے بعد جو کوئی ناشکری کریگا۔ اُسکو ایسا سخت عذاب ہو گا کہ کبھی کسی کو نہ ہوا ہو گا اور نہ ہو گا۔ چنانچہ اُنہوں نے ناشکری کی اور عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ الحمد للہ ہمکو دو مائدے عطا ہوئے ایک جسمانی ایک روحانی۔ یا ایک صوری ایک معنوی یا ایک ظاہری ایک باطنی۔ تاکہ اگر مائدہ جسمانی سے ہم ناشکری کرنا چاہیں تو روحانی ہمکو سنبھالے رہے اور ناشکری نہ کرنے دے۔ اور وہ روحانی مائدہ کیا چیز ہے۔ وہ محبت و معرفت ہے حق تعالیٰ کی۔ جس کا دوسرا عنوان مشاہدہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ یہ ظاہری نعمت کی بھی ناشکری نکرنے دیگی بیان اس کا یہ ہے کہ محبت کا خاصہ ہے کہ محبوب کے ادنیٰ احسان کی بھی محب کی نظر میں بڑی قدر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات تو سب اعلیٰ و اعظم ہی ہیں۔ پس یہ ایسی چیز ہے کہ وہ اُس مائدہ کے شکر کو اسقدر بڑھوا دیگی کہ جو عبد الدرہم (دنیا دار ۱۲ ص) سے لاکھوں روپے پر بھی نہ ہو گا۔ اور اسقدر قدر ہوگی کہ عبد الدینار کو ایک لاکھ دینار کی بھی نہ ہوگی۔ واللہ۔ اللہ کے بندوں کو اگر کوئی ایک پیسہ بھی محبت سے دے تو انہیں اسقدر حظ ہو گا کہ جو روپے پیسہ کے پرستاروں کو سو روپے میں بھی نہو گا۔ اس ایک پیسہ کی قدر کسی سے محبت ہو تو جانو۔ فرض کرو کہ ایک شخص آیا اُس نے آکر ایک پیسہ دیا کہ یہ تمہاری محبوبہ نے دیا ہے تو کس قدر حظ ہو گا۔ ایک پیسہ تو کوئی بڑی چیز نہیں وہ حظ

۱۷۴

اس بات سے ہوگا کہ مجھے یاد تو کیا اور بڑی وفادار اور بے تکلف ہی کہ ایک پیسہ بھیجنے سے شرمائی نہیں۔ تو جو اہل اللہ ہیں اُنہیں اسی بات کا حظ ہوتا ہے کہ یہ محبوب کا بھیجا ہوا ہی۔ اگرچہ ایک پیسہ ہی۔ میں کہتا ہوں بادشاہ جارج پنجم اگر آپ کو کوئی چیز دیں جو اتنی قیمتی ہو کہ اشرفی کی اشرفی کے برابر ہو۔ کہ کھالو۔ تو آپ کو کھاکر نہایت حظ ہوگا اور آپ فخر کرینگے۔ اُس کے بعد پھر کوئی چیز دیں جو اس قدر ارزاں ہو کہ دھیلے کی چار تولہ آتی ہو تب بھی آپ کو حظ ویسا ہی ہوگا اس لئے کہ عطیہ شاہی ہونے میں تو دونوں یکساں ہیں۔ اسی طرح اہل اللہ کو ایک پیسہ اور سو روپے میں اس حیثیت سے برابر حظ ہوتا ہے۔ تو جسے خدا کی نعمت کی قدر نہیں وہ ایک پیسہ کی ناقدری کرتا ہے۔ اسی طرح کھانوں میں وہ شخص تین پانچ کرتا ہے جسے خدا کی نعمت کی قدر نہیں۔ اگر جارج پنجم کے سامنے کسی معمولی سی چیز سے تین پانچ کرو تو میں جانوں کہ یہی تمہاری فطرت ہی ایسی ہے مگر وہاں تو تم سر آنکھوں پر رکھ کر کھالو گے۔ تو بات یہ ہی کہ جارج پنجم کی نسبت سمجھتے ہیں کہ وہ دیکھ رہے ہیں اگر ذرا بھی رُکے تو اُن کو بے رغبتی کی اطلاع ہوگی۔ تو صاحبو! کیا خدا نہیں دیکھتا۔ افسوس جارج پنجم کے یہاں کے کھانے کی تو یہ قدر اور خدا کے یہاں کے کھانے کی کچھ بھی قدر نہیں۔ یہاں سے اس کا بھی راز معلوم ہوگیا ہوگا کہ جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم گری ہوئی چیز اُٹھاکر کھالیتے تھے۔ اگر جارج پنجم کا دیا ہوا مرو تھوڑا کھانیکے بعد گر پڑے تو آپ اُٹھاکر مٹی بھی نہیں پونچھیں گے مع مٹی کے فوراً کھاجائیں گے۔ پس حضورؐ بھی کھانا بادشاہ کے سامنے کھاتے تھے۔ ہم اندھے ہیں ہمیں نظر نہیں آتا تو اس وجہ سے آپ گری ہوئی چیز اُٹھاکر کھالیتے تھے کہ بادشاہ کی دی ہوئی ہے۔ جناب ملا محمود صاحب مدرس دیوبند کو میں نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا گذری اُنہوں نے فرمایا بہت اچھی گذری مغفرت ہوگئی۔ میں نے پوچھا اُنہوں نے کیوں بخشدیا۔ کہا کہ ایک دن کھچڑی میں نمک پھیکا تھا میں نے سر جھکا کر چپکے سے کھالی کچھ اُسکے عیب نہیں بیان کئے۔ حق تعالےٰ نے فرمایا کہ ہمکو یہ بات پسند آئی اور بخشدیا۔ سبحان اللہ بخشش ہوئی تو اس واسطے کہ کھچڑی کھائی تھی۔ ہاں ہاں کچھ تعجب نکرو وہاں ایسا ہی ہے۔ اب تم یہ نہ کرنا کہ یہ تو بڑی سہل بات ہے بس ہم بھی ایسی ہی کھچڑی ایک دفعہ کھالیں گے ہماری بھی مغفرت ہوجائے گی۔

۱۷۵

بھی سب کام کرو کچھڑی بھی کھاؤ نماز بھی پڑھو روزہ بھی رکھو۔ پھر وہ چاہے کچھڑی سے مغفرت کر دیں۔ چاہے نماز روزہ سے کر دیں۔ غرض اہل محبت کو تھوڑی سی چیز میں بھی اس لئے لطف آتا ہے کہ خدا کی دی ہوئی ہے۔ اور جو پیٹ کے کتے ہیں وہ تو اسی سے خوش ہونگے کہ بہت سا پلاؤ ملے یہ کثیف الطبع ہیں کہ انہیں پیٹ ہی کی فکر رہتی ہے۔ کثیف الطبع پر ایک لطیفہ یاد آ گیا کہ ایک بادشاہ نے سنا کہ دکھن کی عورتیں بڑی بدتمیز ہوتی ہیں۔ چار عورتیں چار سمت کی جمع کیں ان میں ایک دکن کی تھی۔ صبح کے بالکل اوّل وقت میں بادشاہ نے سب سے پوچھا کہ کیا وقت ہے۔ چاروں نے کہا کہ صبح ہو گئی۔ بادشاہ نے ہر ایک سے پوچھا کیسے معلوم ہوا۔ ایک نے کہا کہ صبح کیوقت نسیم چلتی ہے۔ اس کی ٹھنڈک سے میری نتھ کے موتی ٹھنڈے ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہو گئی۔ دوسری نے کہا کہ صبح کیوقت شمع کی روشنی میں تغیر آ جاتا ہے اس وقت شمع کی روشنی متغیر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہو گئی۔ تیسری نے کہا کہ صبح کیوقت منہ کے پان کا مزہ بدل جاتا ہے اس وقت میرے منہ کے پان کا مزہ بدل گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہو گئی۔ دکھن کی عورت سے پوچھا کہ تمکو کیسے معلوم ہوا کہ صبح ہو گئی تو آپ کہتی ہیں کہ گوہ آ رہا ہے اس سے معلوم ہوا کہ صبح ہو گئی۔ واقعی وہ تینوں بڑی لطیف المزاج تھیں اور یہ نہایت کثیف المزاج تھی کہ استدلال بھی کیا تو گوہ سے تو بعضے لوگ ایسے پیٹ کے بندے ہوتے ہیں کہ ہر موقع پر کھانے اور ہگنے ہی کا خیال رہتا ہے۔ باقی جو پیٹ کے بندے نہیں ہوتے وہ تھوڑی چیز بھی ملے گی تو قدر کریں گے کہ خدا کی دی ہوئی ہے اور اس مقتضٰی یہ بھی تھا کہ جو چیز ملے کھانا پڑے۔ مگر کیا ٹھکانا ہے حضرت حق تعالیٰ کی رحمت کا کہ اس کے متعلق حکم شرعی نہایت سہل مقرر فرمایا جس کو جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فعل سے ظاہر فرما دیا کہ ان اشتھی شیئًا اکلہ وان لم یشتہ ترکہ جی چاہا کھا لیا نہ جی چاہا نہ کھایا۔ مگر کبھی مذمت نہیں کی۔ اور بادشاہ اگر ایک چیز دے تو آپ ایسا نہیں کر سکتے کہ جی چاہا کھا لیا نہ جی چاہا نہ کھایا وہ تو کھانا پڑیگا۔ پس یہ کتنی بڑی رحمت ہے۔ قدردانی نعمت پر ایک حکایت یاد آ گئی۔ حضرت لقمان علیہ السّلام کے آقا نے اُن سے کہا کہ کھیت سے ککڑی توڑ کر لاؤ۔ یہ لائے اُس نے کاٹ کر ایک قاش انہیں دی۔ یہ

۱۷۶

کھا گئے۔ اُس نے یہ سمجھا کہ اچھی ہوگی جب تو کھا گئے۔ اُس نے بھی کھائی۔ جیسے ہی منھ پر رکھی تو معلوم ہوا کڑوی زہر ہے۔ کہا تم نے کہا کیوں نہیں۔ کہا جس کے ہاتھ سے ہزاروں شیرینیاں کھائی ہیں ایک تلخی کو کیا زبان پر لاتا اور اُن شیرینیوں کو بھول جاتا۔ یہ حالت ہوتی ہے محبین کی کہ تلخ کو بھی شیرینی سمجھتے ہیں مگر اُس طرف سے اس کی تکلیف نہیں۔ وہ دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں کہ اگر کسی بادشاہ نے آپ کو امرود دیا۔ آپ نے پھینکدیا کہ مجھے تو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ حکم ہوگا ابھی کھاؤ بڑے گستاخ ہو۔ تو حق تعالیٰ کا یہ حق بدرجۂ اولیٰ تھا کہ وہ ایسے قانون مقرر کر دیتے۔ مگر نہیں ایسا نہیں کیا۔ سبحان اللہ کیا رحمت ہے کہ اگر جی چاہے کھالو نہ جی چاہے نہ کھاؤ۔ مگر مذمت نہ کرو۔ اور اس میں سب سے بڑھکر جناب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمت پر تعجب ہے کہ ان اشتھی شیئًا اکلہ وان لم یشتہ ترکہ (ترجمہ جی چاہا کھالیا نہ جی چاہا نہ کھایا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) آپ باوجود غلبۂ عشق کے کہ مقتضی اکل کو ہر حال میں تھا ضعفار کی رعایت کیلئے ترک پر کیسے قادر ہوئے۔ اللہ اکبر کیا شفقت ہے آپنے اپنے عشق کو مغلوب کرکے مصلحت امت کو غالب کیا کہ عمل کرکے دکھلا دیا

بر کفِ جام شریعت بر کفِ سندان عشق ہر ہوسناکے ندانہ جام و سندان باختن

(ترجمہ یعنی ایک طرف شریعت کا خیال ہے دوسری طرف عشق کا۔ شریعت و عشق دونوں کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور آپ کی تو بڑی شان ہے آپ کے اولیاء امت بکثرت اس ہمت کے گذرے ہیں۔ حضرت عبدالحق ردولوی فرماتے ہیں کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردان اند کہ دریا ہا فرو برند و آروغ نزنند۔ منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ میں چیخ اُٹھا۔ یہاں تو مرد ہیں کہ دریا کے دریا پی جائیں اور ڈکار تک نہ لیں۔ واقعی یہ حضرات سمندر کے سمندر پی جائیں اور اُف نہ کریں۔ جب آپکے خدام کی یہ حالت ہے تو آپ کے اندر تو دریائے عشق موجزن تھا اور کیسا دریا ؎

بحر ہیست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست	آنجا جز اینکہ جان بسپارند چارہ نیست

(ترجمہ یعنی بحر عشق ایک ایسا بحر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اسمیں بجز جان دینے چارہ نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اتنے بڑے دریا کو ضبط کرنے ہماری مصلحت کا خیال - مگر افسوس ہماری یہ حالت کہ صرف اتنا ہی نہیں کہ نہ کھائیں - نہیں اس سے اسقدر آگے بڑھے کہ ہانڈی اُٹھا کر پھینک دی - بھلا احمق سے پوچھے ہانڈی کا کیا قصور؟ کیا اُس نے سالن پکایا تھا - اگر پھینکنا تھا تو بیگم صاحب کو پھینکا ہوتا جنہوں نے سالن پکایا ہے - اس قسم کی حرکتیں ہم لوگوں کی ہیں - مگر جو مائدہ باطنی پائے گا وہ مائدہ ظاہری پر کفران نہ کریگا - جیسا کہ عیسےٰ علیہ السلام کی امت نے مائدہ باطنی نہ پانے کی وجہ سے کفران کیا تھا - پس اصلی عید اس مائدہ باطنی یعنی مشاہدہ کا عطا ہونا ہے - اسی کو ہمارے حضرت حاجی صاحب نے ایک قطعہ میں ظاہر بھی کر دیا ہے ؎

قطعہ

عید گاہِ ما غریباں کوئے تو	انبساطِ عید دیدن روئے تو

(ترجمہ - ہم غریبوں کی عید گاہ اے محبوب آپکا کوچہ ہے اور عید کی خوشی آپ کا مشاہدہ ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

صد ہلالِ عید قربانت کنم	اے ہلالِ عید ما ابروئے تو

(ترجمہ عید کے سو چاند آپ پر قربان کریں - اے محبوب آپکا چہرۂ انور ہمارا عید کا چاند ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

۱۷۸

گویا یہ قطعہ سارے وعظ کا میزان الکل ہے - اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ عید حقیقی بھی ہمیں میسر ہو اور اُس کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اب دو چار روز رہ گئے ہیں اب بھی کچھ مجاہدہ کر لو - انشاء اللہ مشاہدہ کی قابلیت کہ عید حقیقی ہے میسر ہو سکتی ہے - اور جب معلوم ہو گیا کہ عید یہ ہے تو آپ اب اس شاعر کی بھی تکذیب کر سکتے ہیں - جس کا یہ مصرع مشہور ہے ؏ ہر روز عید نیست کہ حلوا خورد کسے (ترجمہ ہر روز عید نہیں ہوتی کہ کوئی شخص حلوہ کھایا کرے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور آپ ہر روز عید منا سکتے ہیں - کیونکہ وہ عید حقیقی کیا ہے حق تعالیٰ کی محبت اور وہ ہر وقت میسر ہو سکتی ہے اور اس سے آپ دوسرے ایک مصرعہ کا دعویٰ کر سکتے ہیں ؏ ہر شب شب برات ہے ہر روز روز عید - خوب سمجھ لو - اور اس سے یہ نہیں نکلتا کہ آپ اپنی طرف سے کسی روز عید کر لیں - بلکہ اس سے تو اسکے خلاف ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب ہر روز عید ہے تو ہمیں تخصیص کرنے کی کیا ضرورت ہے یہ تخصیص بدعت اور بے دلیل ہے - وعظ السرور میں اسکے متعلق مفصل بحث ہے - اور راز اس تخصیص کے اختیاری نہ

ہونیکا یہ ہے کہ گو ہر یوم محبت وطاعت کا عید اور وقتِ تجلی ہے۔ مگر جو عیدین شارع کی جانب سے مقرر ہیں اُن میں تجلی اعظم ہے پس اگر آپکے پاس کوئی دلیل ہو کسی دن میں تجلی اعظم ہونیکی تب آپ بھی مقرر کر سکتے ہیں اور یوں بے دلیل تو محض واہیات خرافات بدعت وضلالت ہے مگر بالمعنی الاعم ہر روز عید ہے بلکہ ہر وقت عید ہے حتیٰ کہ مرنیکا وقت جواروں کیلئے وعید ہے اُس میں بھی آپ کیلئے عید ہے۔ چنانچہ عارف شیرازی فرماتے ہیں ؎

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بروم ‎ ‎ ‎ راحتِ جاں طلبم وازپئے جاناں بروم

(ترجمہ یعنی وہ دن مبارک ہی جس روز ہم اس دنیا فانی سے کوچ کریں راحت جان طلب کریں اور محبوب حقیقی کیلئے ہم جائیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

نذر کردم کہ گر ایں غم بسر آید روزے ‎ ‎ ‎ تا درِ میکدہ شاداں وغزل خواں بروم

(ترجمہ میں نے نذر کی ہے کہ جس دن یہ غم تمام ہوجائے یعنی موت کا وقت آئے تو محبوب کے دربار تک خوش وخرم اور شعر پڑھتا ہوا جاؤں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

۱۷۵ تو عارف وعاشق خوشی مناتا ہے کہ وہ دن کب آئیگا جب میں زندان سے نجات پاؤنگا یہ مضامین فوائد ہوئے عید کے متعلق اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ فہم اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ تمت۔

عرض داشت

مضمون ذیل قبل جمعہ حضرت مولانا دامت برکاتہم نے حسب معمول قدیم جلسہ سالانہ مدرسہ امداد العلوم تھانہ بھون میں جو عرصہ سے زیر تربیت حضور ممدوح جاری ہی بیان فرمایا تھا۔ چونکہ قرآن مجید کی ترغیب میں نہایت مفید اور موثر اور اپنے طرز میں نیا مضمون ہے اس لئے غائبین اخوان ملت کے استفادہ کیلئے مثل مواعظ ضبط کرکے اسے بھی شائع کیا جاتا ہی گو تنگی وقت کے سبب ناتمام بیان ہو سکا۔ امید ہے کہ قارئین کے نفع و دلچسپی سے خالی نہ ہوگا (جامع کان اللہ لہ)

نور الصدور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صاحبو! بیان مقصود تو بعد نماز کے ہوگا اس وقت ایک ضرورت سے ایک مختصر بیان اکتفا کرونگا سب کو معلوم ہوگا کہ مدرسہ میں یہ معمول ہی کہ جب بچے حفظ قرآن سے فارغ ہوتے ہیں انہیں ایک چھوٹا سا عمامہ دیا جاتا ہے تاکہ برکت بھی ہو اور انہیں اس سند کا لحاظ بھی ہے اور کوئی کام خلاف وضع نہ کریں۔ نیز دوسرے بچوں کو بھی ترغیب ہو کہ ہم بھی اس شرف کو حاصل کریں بحمداللہ تین بچے اس سال بھی فارغ ہوئے ہیں۔ سو اس وقت وہ تھوڑا سا قرآن مجید بھی سنائیں گے۔ اور ان کی حسب معمول رسم دستار بندی بھی ادا کی جائیگی خیر یہ تو تمہید تھی۔

اسوقت کہنا یہ ہی کہ قرآن مجید ایسی ہی چیز ہے کہ اس کیلئے اس قدر اہتمام کیا جائے۔ اور یہی ضرورت ہی اس رسم و عادت کی وجہ یہ ہی کہ جو لوگ نئی تعلیم سے متاثر ہیں وہ تو قرآن مجید سے بالکل غیر متاثر ہیں۔ اُن کے نزدیک تو قرآن مجید کی تعلیم میں وقت صرف کرنا اضاعت اوقات (ضائع کرنا ۱۲ صا) ہے۔ افسوس کی بات ہی کہ ہمارے پاس اتنی بڑی دولت موجود ہی اور ہمیں اس کی قدر نہیں

اہل یورپ سے کوئی پوچھے کہ اُنکے نزدیک قرآن مجید کی کتنی عظمت ہے اور مسلمانوں کے قلب پر اسکا کچھ بھی اثر نہیں اہل یورپ کا یہ قول ہے کہ قرآن مجید جبتک مسلمانوں کے پاس ہے اُنکی ہستی دنیا سے مٹ نہیں سکتی۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ قرآن مجید میں کیا ہے؟ واقعی ع الفضل ما شہدت بہ الاعداء (ترجمہ فضیلت وہی ہے کہ جس کی دشمن بھی گواہی دیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) دوسری قومیں تو اُسے مسلمانوں کی روح تسلیم کرتی ہیں اور حیرت ہے کہ تم جسم بلکہ ناخن بلکہ پورا لئے کپڑے بھی نہ سمجھو! افسوس اتنی بھی قدر نہیں تمہیں تو اپنی روح سمجھ کر اسکی بڑی حفاظت کرنا چاہیئے تھی۔ اور یہ کوئی حفاظت نہیں کہ اُسے چوم لیا یا سر پر رکھ لیا یا مضبوط جلدیں بندھوا کر نفیس جزدانوں میں رکھدیا۔ یہ حفاظت نہیں اُسکی حفاظت یہی ہے کہ جس کام کیلئے ہے اُسکے واسطے حفاظت کرو۔ کسی کے پاس ایک دوشالہ تھا اور ایک روپیہ کا سوختہ خریدا ہوا کوٹھڑی میں رکھا تھا۔ اُس نے یہ دوشالہ بھی اسی میں ڈالدیا تاکہ کوئی چرا نہ لیجاوے اور چولھے میں رکھنے کیواسطے کام آوے۔ حفاظت تو یہ بھی ہے مگر رکھا کہاں ہے سوختہ میں اور کیوں رکھا ہے۔ جلانے کیلئے۔ صاحبو! اسے حفاظت کہوگے۔ حفاظت کے معنی تو یہ ہیں کہ ایسی حفاظت کرنا چاہیئے کہ اُس حفاظت کو اُس کام میں دخل ہو جس کیلئے وہ موضوع ہے کیا قرآن کی یہی حفاظت ہے اور کیا قرآن اسی واسطے تھا کہ کسی کو بیماری ہو تو اُس کے ورقوں کی ہوا دیدو۔ یا تیجے میں رسم کے طور پر پڑھوالو۔ یا فال دیکھو۔ بچوں کا نام نکالو۔ جانتے بھی ہو قرآن مجید کیوں نازل ہوا۔ خود جناب باری ارشاد فرماتے ہیں۔ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ مُبٰرَكٌ لِّیَدَّبَّرُوْۤا اٰیٰتِهٖ وَ لِیَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ہمنے قرآن کو اس واسطے نازل کیا ہے کہ فکر کریں اور ذکر کریں۔ فکر سے مراد علم ہے اور ذکر سے مراد عمل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ قرآن علم و عمل کیلئے نازل ہوا ہے۔ اب بتاؤ تم نے قرآن سے کیا کام لیا۔ خیر عمل تو کٹھن ہے علم میں بھی دو درجے ہیں ایک الفاظ کا دوسرے معانی کا۔ معانی کا مرتبہ بھی جانے دیجئے کہ وہ دشوار ہے مگر الفاظ قرآن میں تو کوئی مسلمان ایسا نہ ہوتا کہ نہ جانتا ہو سب کو پورا قرآن یاد ہونا چاہیئے تھا پاؤ پاؤ پارہ ہی تو یاد نہیں اور جو الحمد قل ہو اللہ یاد بھی ہے تو وہ بھی صحیح یاد نہیں اگر کہو کہ بھئی صحیح کرلو۔ تو کہتے ہیں ہم بوڑھے اب کیا پڑھیں گے اور کیا صحیح کرینگے۔ ابھی اگر منادی ہو جاوے کہ جو قرآن کے حروف صحیح کریگا۔ اُسے فی حرف پانچ روپے ملیں گے۔ تو پھر دیکھو یہی بوڑھے طوطے سب سے پہلے انہیں کی زبان ٹوٹنے لگیگی اور اس اُمید پر کوشش کرینگے کہ ص ص صحیح کریں

کہ شاید پانچ روپے مل جاویں اور یہاں تو یہ ہے کہ اس منادی کے بعد اگر تم نے کوشش
کی مگر تم سے حروف صحیح نہیں ہوسکے تو وہ منادی کرنے والا کبھی انعام نہ دیگا۔ مگر خدا کے یہاں
کوشش کرنیوالوں کو بھی وہی انعام واکرام مل جاتا ہے جو کوشش میں کامیاب ہونیوالوں کو
ملتا ہے تو یہ فرق بھی ہے کہ حروف نہ بھی صحیح ہوں۔ تب بھی انعام مل جاتا ہے تو حیرت کی بات ہے کہ
آپ کو اس پر بھی قرآن مجید کے حروف صحیح کرنے کی طرف رغبت نہ ہو اور اوّل تو یہی کوشش
کرنی چاہیئے کہ قرآن حفظ ہو اس واسطے کہ یہ قرآن مجید کیلئے بڑی حفاظت کی صورت ہے اور
یہ امتیاز ہے۔ بفضلہ تعالیٰ اس قوم کا دیگر اقوام سے۔ اور قوموں کی کتابیں اوّل تو اصلی حالت
پر ہیں نہیں اور جیسی کچھ ہیں بھی اُن کا کوئی حافظ نہیں۔ اگر ایک دم سے تمام نسخے اُنکے تلف
ہو جائیں تو کوئی اُن کے جمع کرنے کی صورت نہیں۔ بخلاف قرآن مجید کے کہ اسکی ایسی
حفاظت کی گئی ہے کہ اگر اس کے تمام نسخے بھی خدانخواستہ مسلمانوں سے علیحدہ کرلیے جائیں
تو بھی اس کے لاکھوں نسخے چھوٹے چھوٹے بچے لکھوا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک آیت میں اس پر
دلالت بھی ہے۔ ارشاد ہے بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ۔ اس میں
ھُوَ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے۔ یعنی قرآن مجید آیات بینات ہیں۔ باوجودیکہ قرآن ایک چیز
ہے۔ مگر خبر میں فرمایا آیات بینات یعنی بہت سی نشانیاں ہیں۔ پس جمع کے صیغے سے تعبیر فرمانا
یا تو اس وجہ سے ہے کہ قرآن مجید مشتمل ہے بہت سی آیتوں کو اور یا اس لئے کہ وہ بہت سے
معجزوں کو مشتمل ہے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اسے حفظ کرلیتے
ہیں۔ تو اس واسطے آیات بینات فرمایا کہ کئی نشانیاں ہیں اور ہیں کہاں فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ
اُوْتُوا الْعِلْمَ ط اُن لوگوں کے سینوں میں ہیں جن کو علم عطا ہوا ہے۔ چونکہ علم کے دو مرتبے ہیں
علم الفاظ۔ علم معانی۔ اسی لئے اس کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر پر علماء مراد ہیں۔
دوسری تفسیر پر حفاظ۔ تو میں اس وقت وہ تفسیر اختیار کرتا ہوں جس میں حفاظ کی مدح ہے۔ کہ
انہیں اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ (ترجمہ وہ لوگ ہیں جن کو علم عطا ہوا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے لقب سے
یاد فرمایا ہے تو اس میں اس تفسیر کے موافق اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے انہیں اہل علم فرمایا ہے۔
تو جیسے علماء کی دستار بندی ہوتی ہے ایک تفسیر پر یہ بھی علماء ہیں۔ ان کی بھی ہونی چاہیئے

۱۸۲

تو اے مسلمانو اس فضیلت کو حاصل کرنا چاہیئے۔ اسی فضیلت کی رغبت کیواسطے ہر سال یہ رسم
ادا کی جاتی ہے۔ اور حفاظ سے بھی کہتا ہوں کہ اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْجَهْلَ (ترجمہ وہ لوگ ہیں جن کو جہل عطا
ہوا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) نہ بن جانا۔ اس کو اتنی محنت سے حاصل کیا ہے تو چھوڑنا نہ چاہیئے۔ اس کے
صفات و مخارج کی درستی کا بھی لحاظ رکھو اور برابر تلاوت کرتے رہو۔ تلاوت سب عبادتوں سے
افضل ہے۔ بہت سی حدیثیں اس باب میں وارد ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اسکے ایک ایک
حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ فقط الحمد کہہ لو پچاس نیکیاں مل گئیں۔ تو دیکھیئے
قرآن میں کس قدر حروف ہیں۔ اگر پورے قرآن کی تلاوت کریں گے تو کس قدر نیکیاں ملیں گی
اور فرماتے ہیں کہ خدا کسی کی طرف اس قدر متوجہ نہیں ہوتا جتنا قرآن پڑھنے والے نبی کی طرف
متوجہ ہوتا ہے اور نبی ہیں یہ قید لگانا دال ہے علت توجہ کی طرف کہ وہ قرآن کا پڑھنا ہو اگرچہ
تالی امتی ہو۔ اسی واسطے میں جس ذاکر کو دیکھتا ہوں کہ تلاوت سے رغبت ہے تو اوراذکار
چھڑا دیتا ہوں یا کم کرا دیتا ہوں اور تلاوت کی تعلیم کرتا ہوں یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ جب قرآن
کی تلاوت اس قدر افضل ہے تو پھر اس کو چھوڑ کر ذکر و شغل کی تعلیم کیوں دی جاتی ہے کیونکہ
بات یہ ہے کہ جو تلاوت قرآن کے شرائط ہیں بعض اوقات اُن میں کمی ہوتی ہے۔ تو ذکر و شغل میں
اس لیئے لگاتے ہیں تاکہ تلاوت کے قابل ہو جائے۔ دیکھو تم کھانا کھانے سے پہلے ہاتھ دہوتے
ہو کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ کھانا چھوڑ کے ہاتھ کیوں دھوتے ہو۔ ارے نادان کھانا چھوڑتے
کب ہیں تو کھانا ہی کھانے کیلیئے ہے۔ گو ضروری نہیں کھانا اُس پر موقوف نہیں مگر کھانیکا لطف
بغیر اسکے نہیں آتا۔ تو قرآن کے واسطے جیسے قلب کی ضرورت ہے ویسا قلب بنانے کیلیئے
مجاہدات کی ضرورت ہے اسی واسطے صحابہ میں تلاوت و نماز کی کثرت تھی ذکر و شغل وہاں
نہ تھا۔ اس واسطے کہ فیض صحبت حضور سے اُن کے قلب نہایت شفاف تھے۔ مگر ذکر و شغل
اس زمانہ میں ضروری ہے۔ تاکہ قابلیت پیدا ہو جائے۔ اس کو نہایت واضح مثال سے
سمجھیئے۔ ایک شخص مسجد میں آیا۔ جھٹ کھڑا ہو کر اللہ اکبر کہہ اور نماز کی نیت باندھ لی۔ اسے
بھائی وضو کر۔ کیا وضو نماز سے زیادہ ضروری ہے۔ اگر وضو ایسی اچھی چیز ہے کہ نماز چھڑا کے
اس کے کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ تو بس پھر وضو ہی کثرت سے کر لیا کرینگے۔ اسے احمق جب

۱۸۳

وضو کر لینا تو نماز میں لگ جانا۔ لیکن نماز سے پہلے نماز کے صحیح ہونے کے لئے تو وضو ضروری ہے۔ اسی طرح آپ کو بھی جب وہ درجہ حاصل ہوجائے تو ذکر میں کمی کرکے تلاوت میں لگ جائیگا۔ میں ذکر سے بہت زیادہ ضروری تلاوت کو سمجھتا ہوں۔ مگر تلاوت کی درستی کے لئے پہلے ذکر و شغل تعلیم کرتا ہوں جس طرح نماز سے پہلے وضو کی تعلیم کی جاتی ہے۔ اور جہاں کہیں دیکھتا ہوں اب قلب اُس درجہ کا ہوگیا۔ بس ذکر میں کمی کراکے تلاوت کی تاکید کرتا ہوں میں نے ایک دوست کو لکھا تھا کہ ذکر و شغل کم کردو رمضان میں تلاوت زیادہ بہتر ہی غرض یہ سب وظائف سے بہتر ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا دریافت کیا کہ سب سے زیادہ کونسی عبادت موجب قرب ہی ارشاد ہوا تِلَاوَةُ الْقُرْاٰن (ترجمہ قرآن پاک کا پڑھنا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) عرض کیا بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ سمجھ کر یا بے سمجھے۔ ارشاد ہوا۔ بِفَهْمٍ اَوْ بِلَا فَهْمٍ خواہ سمجھ کر ہو یا بلا سمجھے دونوں طرح موجب قرب ہی۔ اے صاحب کسی شاعر کا دیوان کوئی پڑھتا ہو اُس شاعر سے پوچھو کہ اُس کے دل میں اُس شخص کی نسبت کیا خیال پیدا ہوگا سمجھے گا کہ اسکو مجھ سے بڑی محبت ہی جو میرا کلام پڑھ رہا ہے۔ سمجھ کر پڑھنے والے پر تو شبہ خود غرضی کا بھی ہے کہ اپنے مزہ کیلئے پڑھ رہا ہے اور بے سمجھے پڑھنے والا نری محبت سے پڑھتا ہے کیونکہ اُسے مضمون کا مزہ تو آتا ہی نہیں۔ میں کہتا ہوں شاید ان بے سمجھے پڑھنے والوں پر حق تعالیٰ کی نظر عنایت اس حیثیت سے زیادہ ہو۔ گو سمجھ کر پڑھنے والوں کیلئے اور بہت سی حیثیتیں ہیں حق تعالیٰ کی نظر عنایت کی۔ غرض خود بھی پڑھو اور اپنے بچوں کو بھی پڑھاؤ۔ یہ تو قولی ترغیب تھی عملی ترغیب یہ ہی کہ بچوں سے پڑھوا کر سنوایا جاتا ہی اور انکی دستار بندی بھی کی جاتی ہے تاکہ اور بچوں کو بھی حرص ہو اور اُن کے ماں باپ کو بھی اس اعزاز کی وجہ سے توجہ ہو۔ کیونکہ اعزاز کے خیال سے بھی آدمی بہت سے کام کرتا ہے۔ اب حق تعالےٰ سے دعا کرو کہ ایسی رغبت و فہم اور اپنے کلام کے حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

۱۸۷

ہفت اختر کا چھٹا وعظ

روح العج والثج

أَیْنَ	مَتٰی	کَمْ	کَیْفَ	لِمَ	مَاذَا	مَنْ ضَبَطَ	اَلْمُسْتَمِعُوْنَ	أَشْتَات
کہاں ہوا	کب ہوا	کتنی دیر ہوا	کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر	سبب وعظ	کیا مضمون تھا	کس نے لکھا	سامعین کی تخمینی تعداد	متفرقات
جامع مسجد تھانہ بھون	شوال ۱۳۳۳ھ یوم جمعہ	تین گھنٹے ۵ منٹ	بیٹھ کر			عبدالحلیم کان اللہ لہ	۲۰۰	

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

185

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ ہ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ہ لِّیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَھُمْ مِّنْ بَھِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ ج فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ ہ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَھُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَھُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ہ (ترجمہ) یعنی جبکہ ہم نے ابراہیم کو خانہ کعبہ کی جگہ بتلادی اور حکم دیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا اور میرے اس گھر کو طواف کرنے والوں کے اور قیام اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کیلئے پاک رکھنا اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو وہ تمہارے پاس حج کو چلے آویں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز رستوں سے پہنچی ہونگی تاکہ اپنے دینی اور دنیوی فوائد کیلئے آموجود ہوں اور ایام مقررہ میں

ان مخصوص چوپایوں پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیں جو اُن کو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں سو ان قربانی کے جانوروں میں سے تم کو بھی اجازت ہے کہ کھایا کرو اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلایا کرو پھر لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور خانہ کعبہ کا طواف کریں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ان آیات میں حق جل شانہ نے حج اور قربانی کے متعلق مقصوداً اور بعض اقسام انفاق مالی کے متعلق تبعاً مضمون ذکر فرمایا ہے اور ان میں اول حکایت ہے ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ السلام کے خطاب کی (خرچ کرنا ۱۲ اصلاح) پھر اُس سے انتقال کر کے خطاب ہے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حاصل ہے اِن آیات کا وجہ ان آیات کے اختیار کرنے کی یہ ہے کہ میرا معمول ہے کہ جب جیسا موقعہ اور جیسی ضرورت دیکھتا ہوں اُسکے متعلق کچھ بیان کر دیتا ہوں اور یہ کام تو مصنف کا ہے کہ جو ضروریات واقع یا متوقع ہوں سب کے لحاظ سے وہ مضامین کو جمع کر دے لیکن کسی خطاب کرنیوالے کا جسکو وعظ کہتے ہیں منصب صرف اسی قدر ہے کہ وہ جس وقت جو حکم مناسب ہو اُسکے متعلق بیان کرے اس لئے میرا معمول ہے کہ بعد رمضان وعید کے حج کے متعلق مضامین کا بیان ذکر کیا کرتا ہوں اس وجہ سے کہ بعد رمضان شوال کا مہینہ ہے اور یہ شہر حج میں سے ہے جس کو ایک آیت میں حق جل وعلی نے خود ذکر فرمایا ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ (ترجمہ حج کا زمانہ چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور اُسکی تفسیر شوال و ذیقعدہ و ذی الحجہ سے کیگئی ہے تو گویا شوال سے مہینہ حج کا شروع ہوتا ہے نہ اس معنی کر کہ اس ماہ میں حج کر سکتے ہیں بلکہ اس معنی کر کہ بعد شوال کے بلاکراہت حج شروع ہو سکتا ہے۔ شروع سے مراد احرام ہے۔ ہر چند کہ شوال سے پہلے بھی احرام صحیح ہے مگر اُس میں کراہت ہے اور اگر شوال سے شروع کیا جائے تو بلاکراہت صحیح ہے اور احرام چونکہ شرائط حج میں سے ایسا ہے جیسے تکبیر شرائط صلوٰۃ میں سے یعنی ایسی شرط جو مشابہ ارکان کے ہے اس معنی کر شوال و ذیقعدہ کو بھی اشہر حج میں سے قرار دیا گیا اور ذی الحجہ کا تو اشہر حج میں سے ہونا ظاہر ہی ہے اس واسطے کہ بڑے بڑے ارکان حج کے اسی میں واقع ہوتے ہیں۔ اسوجہ سے میری عادت اسکے متعلق شوال کے شروع میں بیان کرنیکی ہے۔ اب کے بھی اسکے ذکر کرنے کا پہلے سے ارادہ تھا اور اسکے ساتھ یہ بھی ارادہ تھا کہ ایام قربانی میں قربانی کے متعلق کچھ مضامین ذکر کئے جائیں گے اور جس طرح اب کے رمضان میں روزہ۔ تراویح۔ اعتکاف۔ شب قدر اور عید کے متعلق خاص طرز پر مضامین بیان کئے گئے کہ اُس کے قبل کبھی اُس طرز پر بیان نہیں ہوتے تھے خیال یہ تھا کہ شوال میں حج کے متعلق اور ذی الحجہ میں قربانی کے متعلق اُسی طرز خاص پر کچھ

مضمون بیان کیا جائے تاکہ یہ سب مضامین ایک طرز پر ایک مجموعہ میں شائع ہو جائیں۔ اسی واسطے میں نے اپنے اُن دوست کو جنھوں نے ایکبے رمضان کے مواعظ ضبط کئے ہیں اس وعظ کے لکھنے کیلئے بھی ٹھرالیا ہے اور ذی الحجہ میں بھی آنیکو کہہ دیا تھا تاکہ وہ وعظ جو قربانی کے متعلق ہوگا وہ بھی ضبط ہو جائے۔ لیکن اس وقت میرا یہ خیال ہی کہ اُس زمانہ تک کیوں انتظار کیا جائے اُس زمانہ میں اگر موقع ہوا قربانی کے احکام فرعیہ بیان کردیے جائیں گے باقی مضامین مقصودہ ابھی بیان کردیے جاویں پس اُس پہلے خیال میں اتنی ترمیم ہوگئی۔ اس لئے قصد ہے کہ دونوں کے متعلق اسی وقت بیان کردوں۔ اسی واسطے ایسی آیت اختیار کی کہ جس میں دونوں مذکور ہوں۔ گو قربانی کی زیادہ خصوصیات ان ایام کے ساتھ نہیں جیسا کہ حج کی ہیں۔ اسی طرح ان آیات میں بھی مقصود بالذات حج کا ذکر ہے اور قربانی کا تبعاً لیکن تاہم نفس فضائل میں قربانی وحج دونوں شریک ہیں۔ اس واسطے مناسب معلوم ہوا کہ دونوں کو ساتھ ساتھ بیان کیا جائے۔ پھر اُس کے بعد مجھ کو یہ خیال ہوا کہ رمضان کے مواعظ میں روزہ تراویح اعتکاف شبقدر پھر اخیر میں عید کے متعلق مضامین مذکور ہوتے تھے۔ مگر یہ سب عبادات بدنیہ کے متعلق تھے اور عبادت کی تین قسمیں بدنیہ محضہ۔ مالیہ محضہ مرکبہ بدنیہ اور مالیہ سے اور اس وقت حج وقربانی کے متعلق بیان کروں گا کہ یہ دونوں مرکب ہیں بدنیہ ومالیہ سے۔ اب ایک قسم رہگئی وہ کونسی جو مالیہ محضہ ہی مثل زکوۃ کے اور اسکے بیان کی اب تک نوبت نہیں آئی۔ اس لئے مناسب ہوا کہ یہ کیوں رہ جائے۔ اسکو بھی بمناسبت حیثیت مالیت حج وقربانی کے بیان کردیا جائے جس کے اندر صدقہ فطر۔ زکوۃ خمس۔ عشر وغیرہ سب داخل ہو جائیں
(پانچواں حصہ ۱۲ — دسواں حصہ ۱۲)
اور اُسی طرز خاص پر اُس کا بھی ذکر کیا جائے۔ اس لئے آج اسکو بھی شامل کیا جائیگا۔ اس بنا پر آجکے بیان میں تین قسم کے مضمون مذکور ہونگے ایک عبادت مالیہ محض اور ایک مرکب بدنی ومالی سے۔ پھر اسکی دو قسمیں ہونگی۔ ایک حج دوسری قربانی۔ کل تین ہوگئے اور عبادات بدنیہ محضہ کے متعلق رمضان میں مذکور ہو چکے ہیں۔ اس طرح سے سب اقسام بیان ہو جاوینگے۔ حاصل یہ کہ اسوقت حج[۱] وقربانی[۲] وانفاق[۳] مالی کے متعلق بیان ہوگا۔ اسی واسطے سوچکر میں نے ایسی آیت اختیار کی ہے۔ کہ اُس میں تیسری قسم بھی تبعاً مذکور ہے اسی واسطے میں نے اوّل جملہ میں کہا تھا کہ ان آیات میں انفاق مالی کے متعلق تبعاً ذکر ہی غرض تین قسم کی عبادت کے متعلق مضمون مذکور ہوگا۔ حج[۱]۔ قربانی[۲]۔ انفاق[۳] مالی۔

۱۸۷

چنانچہ عنقریب معلوم ہو جائیگا۔ بہرحال ایک تو وجہ یہ ہوئی حج و قربانی کے جمع کرنیکی۔ دوسری مناسبت
دونوں کے جمع کی یہ ہے کہ جیساکہ بعض اعتبارات سے یعنی احرام کے اعتبار سے حج کی ابتدا شوال
سے اور معظم ارکان کے وقوع کے اعتبار سے انتہا ذی الحجہ میں ہے۔ اسی طرح قربانی کے بھی بعض اعتبارات
ذی الحجہ سے پہلے ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ تسمین ضحایا مامور بہ ہے جو عادۃً ذی الحجہ کے قبل سے خرید کرنے
میں ممکن ہے یعنی قربانی کے جانور پہلے سے خرید کر موٹا تازہ کرنا۔ تو گویا پہلے سے سامان اس کا مطلوب
و مندوب ہے پس قربانی میں بھی تسمین (ترجمہ یعنی قربانی کا جانور موٹا کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) پہلے سے ہوگی جیساکہ
حج میں احرام پہلے سے ہوتا ہے اور بعض حجاج کے اعتبار سے سفر بھی پہلے سے ہوتا ہے خصوصاً ہمارے
بلاد میں کہ عموماً شوال میں اور بعضے اخیر درجہ میں ذیقعدہ میں سفر کرتے ہیں اور یہ اتفاق عجیب اور لطیفہ
ہے کہ سفر کے اعتبار سے بھی حج شوال ہی سے شروع ہو جاتا ہے اسی وجہ سے شوال میں اس کا بیان
اکثر کیا کرتا ہوں تاکہ جو حج کو جانیوالے ہوں تیاری کرلیں۔ اور گو امسال محض اس بنا پر بیان کرنا مجھے
بے مناسب نہیں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ میرے ذہن میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ راستہ حج کا بند ہے
اگر بند نہیں تو مخدوش ضرور ہے۔ تو ایسی حالت میں پھر ترغیب کی کیا غایت۔ مگر معتبر ذرائع سے معلوم ۱۸۸
ہوا کہ جانیوالے جا رہے ہیں نہ راستہ بند ہے نہ خدشہ ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے سے کچھ تفاوت ہے مگر خدشہ غالب
نہیں اور ایسے ضعیف خدشہ کا کیا اعتبار ایسا خدشہ تو گھر سے بازار تک جانے میں بھی ہے کہ شاید
کوئی دیوار راستہ میں اوپر گر پڑے۔ غرض خدشہ نہیں بلکہ اطمینان ہے۔ اگر قلب میں قوت اور ہمت ہے
دیکھئے حکام نے بھی اجازت دیدی ہے اگر خدشہ قوی ہوتا تو حکام اجازت نہ دیتے باقی خیرخواہی و
احتیاطاً کہہ دیا ہے یہ بھی ظاہر کردیا کہ ہم ذمہ دار نہیں۔ آگے قلوب مختلف ہیں۔ بعضوں کو یہ خیال ہوا کہ جب
حکام ذمہ دار نہیں تو خدا جانے کیا پیش آئیگا۔ لیکن ہمت ہو تو کچھ بھی نہیں کیونکہ جب ذمہ دار تھے ادھر
ذمہ داری نہ ہوتی تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔ یعنی حکام ذمہ دار ہوئے لیکن خدا ذمہ دار نہیں ہوا اور سمندر میں طوفان
آیا جہاز غرق ہونے لگا۔ تو تنہا حکام کی ذمہ داری کیا کر سکتی ہے۔ تو ذمہ دار حکام کا اتنا ہی فرض تھا کہ
اصلی واقعہ بیان کردیں۔ ہمیں ان کا ممنون ہونا چاہئے کہ انہوں نے ضعیف اندیشہ کو بھی ہم سے چھپایا
نہیں اب تم اپنے قلوب میں ہمت و اطمینان پیدا کرو اور قواعد شرعیہ سے معلوم کرلو کہ اس وقت جانا کیسا
ہے قاعدہ شرعی یہ ہے کہ جب سلامت غالب ہو اور خطرہ مغلوب ہو تو حج فرض ہے چنانچہ آجکل یہی مسئلہ ہے

غالب ہے اور لوگ برابر جا رہے ہیں۔ اب رہی اسکی تفصیل کہ کہاں ٹکٹ ملیگا کب جہاز چھوٹیگا سو میں نے
اسکی کاوش نہیں کی۔ آپ تحقیق کر لیجئے۔ اگر بمبئی میں کسی سے ملاقات ہو تو اُس سے دریافت کر لیجئے
اور اس سے اعلیٰ درجہ تحقیق کا یہ ہے کہ خود بمبئی جا کر معلوم کر لیجئے تاکہ شک و شبہ بھی نہ رہے اور وہ ایسی
جگہ بھی نہیں جہاں جانا دشوار ہو کیونکہ یہاں تو آپ کو باسی خبر مل سکتی ہے اور وہاں بالکل تازہ خبریں
ملیں گی۔ اور اگر وہاں نہ جا سکیں اور نہ کسی سے جان پہچان ہو تو پھر ایک نیک شخص کا پتہ میں بتلائے
دیتا ہوں۔ حاجی احمد جان صاحب سوداگر شاہی بازار سہارنپور یہی پتہ ہے اُن سے پوچھ لیں اور میں یہ پتہ اس
لئے بتائے دیتا ہوں کہ اگر کسی کو شوق و ہمت ہو تو وہ متردد اور پریشان نہو اور ان باتوں کو اُن سے
معلوم کر کے چل کھڑا ہو۔ لو اب میں نے یہ تدبیر ایسی بتلا دی کہ گویا تمام واقعات بتلا دیئے۔ یہ تو میں کہتا
نہیں کہ ایسا توکل کرو کہ سمندر کی سیدھ باندھ کر چل کھڑے ہو بلکہ اسباب سے کام لو۔ مگر اس میں غلو نکرو
ورنہ اس طرح تو دنیا کا بھی کوئی کام نہیں چل سکتا۔ کھانا بھی نہیں کھا سکتے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی نے
زہر ملا دیا ہو۔ تو اس قسم کے احتمالات خود ہی مردود ہیں ہاں جو احتمال ناشی عن الدلیل (ترجمہ دلیل سے
پیدا ہو (محمد صابر غفرلہ)) ہو وہ معتبر ہے لیکن دلیل جلیل ہو دلیل نہو کوئی معتد بہ دلیل ہو تو اُسپر عمل کرنے میں
مضائقہ نہیں بہرحال چونکہ یہ عالم اسباب ہے اس لئے اعتدال کے ساتھ اسباب کے اختیار کرنے کا
بھی حکم ہے چنانچہ حج کے اندر بھی ارشاد ہے وتزودوا یعنی زاد راہ بھی لو کہ ضعفاء کیلئے واجب
بھی ہے۔ اس واسطے کہ روپیہ ہوگا تو طمانینت رہیگی۔ ورنہ قلب میں پریشانی ہوگی پھر کیا نشاط ہوگا
اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تدابیر سے کام لینا مامور بہ ہے۔ اسی واسطے میں بتلاتا ہوں کہ اول بمبئی جاؤ
اور اگر بمبئی نہ جا سکو وہاں کسی سے خطوط کے ذریعہ سے دریافت کرا لو اور اگر کسی سے جان پہچان نہو تو
پھر سہارنپور میں حاجی احمد جان صاحب سے دریافت کر لو مگر مہربانی کر کے ٹکٹ جواب کے
لئے رکھدینا گو اگر ٹکٹ نہ بھی ہوگا تب بھی وہ جواب دیں گے مگر یہ واہیات بات ہے کہ اپنی غرض کے
لئے خواہ مخواہ ایسی تکلیف دینا جو خود اٹھا سکتے ہو۔ بہرحال یہ تدبیر میں نے بتلا دی ہے اور کسی سے
واقعات جزئیہ سفر کے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اب وہ مانع تو رفع ہو گیا کہ جب حج ممکن ہی نہیں تو
اسکے متعلق کچھ بیان کرنا اور ترغیب دینا کیا ضرور جب ثابت ہو گیا کہ ممکن ہے تو مناسب ہوا کہ اُسکے متعلق کچھ بیان کیا
جائے تاکہ ہمت و رغبت ہو اور جنکے ذمہ حج فرض ہو وہ چل کھڑے ہوں۔ بہرحال ہمارا ابتدائے سفر شوال ہی ہوتا ہے۔

۱۸۹

ایک وجہ تشارک (شریک ہونے ۱۲ ص) کی یہ بھی ہے کہ قربانی بھی ایام حج میں ہوتی ہے تو اس اعتبار سے بھی قربانی و حج ساتھ ساتھ ہیں جیسا کہ قرآن و رمضان کہ دونوں میں ایک خاص مناسبت ہے گو بعض قربانی ان ایام میں واجب ہے اور بعض مستحب خصوصاً حجاج کیواسطے ان ایام حج میں اور حرم میں اسکی اور زیادہ فضیلت ہے۔ غرض چونکہ دونوں میں مناسبتیں متعددہ تھیں اس وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ ساتھ ساتھ دونوں کو بیان کیا جائے اور میں نے جو حج اور قربانی کو مرکب مالی و بدنی سے کہا ہے سو فقہا نے حج کو تو تصریحاً مرکب ٹھیرایا ہے یعنی حج کے اندر بذل نفس بھی ہے یعنی سفر کرنا اور ارکان بھی بدن ہی سے ادا ہوتے ہیں تو بدنی ہونا تو ظاہر ہے۔ رہا مالی ہونا سو مالی اس معنی کر تو ہے نہیں کہ بدون بذل مال کے حج ہی نہو سکے کیونکہ ہم ایسا شخص فرض کرتے ہیں جو مکی ہے اور مفلس ہے اس نے قران و تمتع (شرح ۱۲ ص) بھی اسلئے نہیں کیا کہ وہ حنفی ہے یا ہم اسے شافعی فرض کرتے ہیں کہ اس نے قران و تمتع بھی کر لیا لیکن اس نے بجائے دم قران و تمتع کے تین روزے رکھ لئے یا یہ صورت ہی قران و تمتع کی نہ فرض کرو کیونکہ بدل کو مبدل منہ ہی کا حکم ملتا ہے تو حکماً گویا اس نے بذل مال کر لیا پس فرض کرو کہ اس نے افراد ہی کیا اور تمام ارکان پیادہ ہی ادا کئے تو دیکھئے ٹکا بھی نہیں خرچ ہوا اور نہ واجب ہوا اور حج ادا ہو گیا تو حج اس معنی کر تو مالی نہوا کہ بدون مال کے اس کا تحقق ہی نہو البتہ اس معنی کر مالی ہے کہ غالباً تلبس مال کا ہوتا ہے چنانچہ حجاج میں اکثر باہر کے ہوتے ہیں اور ان میں بھی بکثرت سفر کر کے سوار ہو کر زاد راہ لیکر حج کو آتے ہیں تو گویا اکثر تلبس اس کا عادۃً و غالباً ضرور مال کے ساتھ ہوتا ہے گو باہر کے آنیوالوں میں بہت سے باہمت مفلس لوگ پیادہ بھی آتے ہیں۔ مگر بہ نسبت اہل تمول کے ایسے لوگ کم ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں بھی ان تہیدستوں کا مذکور ہے وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا الآیۃ کہ اے ابراہیم آپ لوگوں کو حج کیلئے ندا کر دیجئے لوگ آپ کے پاس حج کیلئے پیادہ بھی آئیں گے اور اونٹ پر بھی سوار ہو کر آئیں گے۔ گو پیادہ حج کرنیکا حکم تو نہیں مگر یہ خبر بلا نکیر ہے اس سے مرضی عند الحق (تعالیٰ) (ترجمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ۱۲ محمد صابر عفی عنہ) ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ظاہر بات ہے کہ پیادہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اسکے پاس زاد راہ ہے دوسرے یہ کہ زاد راہ نہیں احتمال ثانی تو باطل ہے کیونکہ شریعت اسے پسند نہیں کرتی کہ زاد راہ ہو اور پھر پیادہ سفر کرے کہ یہ بخل ہے۔ کیونکہ ایسے کنجوس کی مدح کیا ہوگی جو خود بھی نفع نہ اٹھائے اور

۱۹۰

اور دوسروں کو بھی نفع سے باز رکھے کیونکہ سواری میں کچھ خرچ ہوتا تو دوسروں کو بھی کچھ نفع ہو
جاتا تو اس سے اشارۃً یہ بھی نکل آیا کہ بلا زاد راہ بھی حج کرنا جائز ہے جیسا کہ بلا راحلہ (سواری ۱۲ اصل) جائز ہے
جس پر عَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ (ترجمہ دُبلی اُونٹنیوں پر ۱۲ محمد صابر غفرلہ) دال ہے۔ اب بعض لوگوں کا اُن پر طعن کرنا
جنھوں نے جانبازی کی اور غلبۂ شوق میں پیدل ہی چل کھڑے ہوئے کہ یہ ایسے بیہودہ لوگ ہیں جو
خود بھی پریشان ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی پریشانی میں ڈالتے ہیں یہ طعن ناشی ہے جہل سے۔
صاحبو معلوم ہوتا ہے تم نے عشاق کو دیکھا ہی نہیں خود جیسے کم ہمت ہو دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے
ہو۔ دو چار لنڈگاڑے فقیر تم نے دیکھے ہوں گے بس اس سے حکم کلی لگا دیا۔ کسی عطار ہی پر اُلٹ
پلٹ کے نظر پڑتی رہی اس سے حکیم محمود خاں کے وجود کے منکر ہو گئے یاد رکھو ہر زمانہ میں اللہ
کے بندے ایسے ایسے رہے ہیں جو آپ کی نظر میں مسکین پریشان ہیں۔ مگر حقیقت میں وہ وہ لوگ ہیں جن کی
نسبت کسی بزرگ کا الہام ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں اولیائی تحت قبائی لا یعرفہم سوائی
کہ میرے دوست میرے دامن قبا کے نیچے چھپے ہوئے ہیں جنہیں میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا۔
تو آپ کو کیا خبر ہے ع

۱۹۱

اے ترا خارے بپا نشکستہ کے دانی کہ چیست	حال شیرانے کہ شمشیر بلا بر سر خورند

(ترجمہ تمہارے پاؤں میں کانٹا بھی نہیں لگا ہے تم ان لوگوں کی حالت کو کیا سمجھ سکتے ہو جنکے سروں پر بلاؤ مصیبت کی تلوار چل رہی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

تم پر جب وہ کیفیت ہی نہیں تو تم کو کیا معلوم۔ ایسے ایسے لوگ ہیں کہ جن کی ذات کو پہچانتے
ہو مگر صفات کو نہیں جانتے جیسے حق تعالیٰ اپنی نسبت فرماتے ہیں وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ
الْوَرِیْدِ ط کہ ہم تو تم سے باعتبار علم کے نہایت قریب ہیں اور تم ہم سے باعتبار معرفت کے نہایت
دور۔ اسی طرح اللہ کے بندے ایسے ایسے ہیں کہ ذات کے اعتبار سے تم سے بہت نزدیک ہیں
مگر صفات کے اعتبار سے تم اُن سے بہت ہی بعید ہو۔ ایک شخص بیان کرتے تھے کہ سفر حج
میں ایک شخص نہایت آزاد وضع سے تھے اس معنی کر آزاد نہیں کہ شریعت کی وضع سے بھی آزاد
تھے بلکہ اس معنی کر آزاد وضع تھے کہ مخدومیت مولویت مشیخت کی شان اُن میں نہ تھی ع

زیر بار اند درختاں کہ ثمرہا دارند	اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد

(ترجمہ یعنی پھل دار درخت زیر بار ہیں سرو بہت اچھا کہ بند غم سے آزاد ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

تمام سفر میں اُن کی یہ حالت تھی کہ رقص کرتے تھے عشقیہ اشعار پڑھتے تھے اُن کو لوگ نقال مسخرہ سمجھتے تھے واقعی بظاہر اُن کی وضع بھی ایسی ہی تھی آپ کے پاس ایک دفلی بھی تھی جو ایک طرف سے کھلی ہوئی تھی یونہی اپنے ہاتھ سے کسی چیز کے گھیرے پر جھلی منڈھکر چھوٹے سے دف کی شکل بنالی تھی۔ کبھی کبھی اُسے بھی بجایا کرتے تھے۔ غرض لوگ اُنہیں ان باتوں سے بالکل مسخرہ سمجھتے تھے ؎

خاکساران جہاں را بحقارت منگر　|　تو چہ دانی کہ دریں گرد سواری باشد

(ترجمہ۔ خاکسار لوگوں کو حقارت کی نظر سے مت دیکھو۔ ممکن ہو کہ اُن میں کوئی اہل دل صاحب حال ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اخیر تک بھی اُنہوں نے اس وضع کو نہ چھوڑا۔ اسی حالت میں تھے کہ حرم میں یعنی مسجد حرام میں پہنچ گئے۔ اور اُسکو حرم میں نے بالمعنی العرفی کہدیا ورنہ یوں تو تمام مکہ حرم ہے عرف میں البتہ خاص مسجد بیت اللہ کو حرم کہتے ہیں۔ میں نے بھی اسی اصطلاح کے اعتبار سے حرم کہدیا۔ خیر جب خانہ کعبہ کے سامنے پہنچے اُس کے سیاہ غلاف اور اُس کی ایک محبوبانہ شان کو دیکھکر اور بھی جوش بڑھ گیا۔ مطوف نے کہا کہ یہی بیت اللہ ہے اب طواف کرو۔ یہ کہنا تھا کہ اُن پر ایک حالت طاری ہوئی اور بیساختہ یہ شعر زبان پر جاری ہو گیا ؎ 　۱۹۲

چو رسی بکوے دلبر بسپار جان مضطر　|　کہ مبادا بار دیگر نرسی بدیں تمنا

کہ اب تو محبوب کے در پر پہنچ گئے ہو اب اپنی جان فدا کردو شاید پھر اس تمنا کے حصول کا موقع نہ ملے یہ کہکر فوراً گرے اور دم نکل گیا۔ تب معلوم ہوا کہ یہ کوئی صاحب حال تھا مسخرہ نہیں تھا تو یہ ایک واقعہ ظاہر ہو گیا ورنہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ کیسے کیسے رُتبے کے شخص ہوتے ہیں میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ عمرہ کے لئے دوڑے دوڑے جاتے تھے خدا جانے کس چیز نے اُنہیں پریشان کر رکھا تھا اور کیا چیز تھی جو آہستہ بھی نہیں چلنے دیتی تھی۔ انجن میں جتنی آگ زیادہ ہوتی ہے اُتنا ہی تیز چل سکتا ہے۔ اُن میں عشق کی آگ تھی۔ جس کو عراقی رحمۃ اللہ کہتے ہیں ؎

صنما رہ قلندر سزدار بمن نمائی　|　کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

(ترجمہ طریق زہد خشک بہت دور دراز کا راستہ ہو مجھے تو طریق عشق میں چلا دیجئے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اگر یہ محبت نہیں تو ہمارا حج وہی حج ہے نماز وہی نماز ہے جس کو عراقی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں ؎

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد　　　کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

(ترجمہ جب زمین پر میں نے سجدہ کیا تو زمین سے یہ ندا آئی کہ تو نے سجدہ ریا کا کر کے مجھکو بھی خراب کیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہ تو ہماری نماز ہے اور حج کیسا ہے ؎

بطواف کعبہ رفتم بحرم رہم ندادند	کہ بروں در چہ کردی کہ دروں خانہ آئی

(ترجمہ خانہ کعبہ کے طواف کیلئے گیا تو حرم کا رستہ مجھکو نہ دیا اور کہا تو نے حرم کے باہر کیا کیا ہے جو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہ ہمارا حج ہے اور وہ ہماری نماز۔ اگر محبت نہیں تو کیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ محبت کیلئے جوش ضروری نہیں کہ جس میں جوش نہ پاؤ اُس کو محبت سے خالی سمجھو۔ محبت بھی دو قسم کی ہوتی ہے کسی میں ضبط ہوتا ہے اور کسی میں نہیں ہوتا جسے خبط کہنا مناسب ہے۔ مگر اُس خبط ہی کی نسبت مولٰنا فرماتے ہیں ؎

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم	مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

(ترجمہ یعنی اگر ہم قلاش و دیوانہ ہیں تو کیا پرواہ کی بات ہے یہی دولت کیا کم ہے کہ ہم محبوب حقیقی اور اُنکی محبت کے متوالے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور یوں بھی فرماتے ہیں ؎

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد	مرعسس را دید و در خانہ نشد

(ترجمہ۔ جو دیوانہ نہیں ہوا وہی دیوانہ ہے جس طرح جو شخص کوتوال کو دیکھتا ہے گھر میں چلا جاتا ہے۔ اسی طرح جب محبوب حقیقی کا عشق غالب ہوتا ہے عقل رفوچکر ہو جاتی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور یوں بھی فرمایا ہے ؎

آزمودم عقل دور اندیش را	بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

(ترجمہ عقل دور اندیش کو آزما لیا جب اس سے کام نہ چلا تو اپنے کو دیوانہ بنا لیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

باز سودائی شدم من اے طبیب	باز دیوانہ شدم من اے حبیب

(ترجمہ۔ پھر اے طبیب ہم سودائی ہوئے۔ اے حبیب۔ پھر ہم دیوانہ بنے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہ وہ دیوانگی ہے جس پر ہزاروں دانشمندیاں قربان ہیں ؎

۱۹۳

رتبہ شہید عشق کا گر جان جائیے | قربان ہونیوالے کے قربان جائیے

امیر مینائی مرحوم ۱۲ جامع)

تو میں نے انہیں دوڑتے ہوئے عمرہ کرتے دیکھا۔ مگر یہ پتہ نہ لگا کہ کون تھے کہاں کے تھے اور کیا نام تھا اور تھے نہایت حسین اور صرف حسن طبعی ہی نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وہ حسن و رونق وہ آب و تاب الٰہی بھی تھی۔ وہ وہی تھے جو حدیث میں ہے۔ رب اشعث راس مدفوع بالابواب لو اقسم علی اللہ لابرہ اوکما قال کہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جن کے بال پریشان ہیں۔ اگر کسی کے دروازہ پر جائیں تو دھکے دیدیے جائیں۔ کسی کی سفارش کریں تو کبھی قبول نہ کرے۔ غرض بالکل لوگوں سے علیحدہ ہیں اور کوئی ان کی وقعت بھی نہیں کرتا مگر اللہ کے نزدیک ان کی اتنی قدر اور اس قدر وقعت ہی کہ اگر وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو خدا انھیں ضرور سچا کر دے اور جب خدا کے یہاں ان کی بات مانی جاتی ہے تو مخلوق کیونکر نہ مانیگی۔ اسی کا حاصل عارف شیرازیؒ بیان فرماتے ہیں ؎

گدائے میکدہ ام لیک وقت مستی بیں | کہ ناز بر فلک و حکم بر ستارہ کنم

۱۹۴

(ترجمہ گدائے میکدہ ہوں مستی کی حالت میں دیکھو کہ فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتا ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

فلک و ستارہ پر حکم کیا بعید ہے جب خدا اُن کا معروضہ سُن لیتا ہے جب خدا اُن کا کہنا کر دیتا ہے تو اور مخلوقات اُن کا کہنا کیوں نہ کریں۔ اطاعت و فرمانبرداری کیوں نہ کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وقت میں زلزلہ آیا۔ آپ نے فرمایا اُسکنی یا ارض۔ اے زمین ٹھیر جا۔ زلزلہ موقوف ہو گیا۔ ایک مرتبہ دریائے نیل خشک ہو گیا پہلے بھی خشک ہو جاتا تھا جب خشک ہوتا تھا ہزاروں روپے خرچ کر کے کسی کی نہایت حسین جمیل لڑکی لباس و زیور سے آراستہ لیجاتی تھی اور وہ دریا میں ڈال دیجاتی تھی۔ بس پانی اُبلنے لگتا تھا وہ لڑکی ہلاک ہو جاتی تھی یہ تصرف شیطانی تھا۔ خیر جب دریا خشک ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اُس مقام پر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی ولایت کا زمانہ تھا۔ لوگوں نے عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے عرض کیا اور یہی قدیمی تدبیر بھی بتلائی۔ اُنھوں نے کہا کہ میں ایسا کبھی نہ کروں گا۔ ہاں امیر المومنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھے دیتا ہوں۔ چنانچہ لکھا۔ آپ نے اُس کے جواب میں ایک رقعہ دریائے نیل کے نام لکھ کر روانہ

کیا کہ "اے دریائے نیل اگر تو خدا کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو جاری رہ اور اگر تو خود جاری ہوتا ہے تو ہمکو تیری حاجت نہیں" جس وقت رقعہ پہنچا ہے تو جاہل لوگ ہنستے تھے کہ عقل گئی ہے نیل کو رقعہ لکھ رہے ہیں۔ خیر وہ رقعہ دریا میں ڈالا گیا۔ رقعہ کا دریا میں پڑنا تھا کہ بس اُبلنا شروع ہو گیا مورخین نے لکھا ہے کہ جب سے پھر کبھی نیل خشک نہیں ہوا۔ تو ع نازبر فلک و حکم بر ستارہ کنم (ترجمہ یعنی فلک پر ناز اور ستارہ پر حکم کرتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہیں استبعاد (ترجمہ دوری چاہنا ۱۲ محمد صابر) ہی کیا ہے۔ غرض کپڑے میلے بال بکھرے صورت پریشان اللہ کے بندے ایسے ایسے عشاق ہیں اُن پر اعتراض کرنا اپنے کو غضب الٰہی کا مستحق بنانا ہے۔ تو حق تعالیٰ نے يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ (ترجمہ آئیں گے وہ تمہارے پاس پیادہ بھی اور دُبلی اُونٹنیوں پر بھی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) میں دونوں باتیں یعنی زاد سے بھی خالی ہونا اور راحلہ سے بھی خالی ہونا منطوقاً و مفہوماً ذکر فرمائی ہیں۔ تو ایسا بھی حج ہو سکتا ہے کہ ایک پیسہ بھی نہ خرچ ہو تو حج اس معنی کر عبادت مالی نہیں کہ لا یتحقق الا بالمال۔ مگر اس معنی کر مالی ہے کہ حج کرنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک مکہ والے دوسرے باہر والے باہر والے مکہ والوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر باہر کے آنے والوں میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں زیادہ وہ ہیں جو سوار ہو کر آتے ہیں اور کم وہ ہیں جو پیادہ آتے ہیں۔ پھر سوار ہو کر آنیوالوں میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جن کی نظر سواری سے مصلحت ظاہری پر ہوتی ہے دوسرے وہ جو مصلحت باطنی کا لحاظ رکھتے ہیں مصلحت ظاہری تو یہی ہے کہ پریشانی نہو مصلحت باطنی وہ ہے جو حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو عاشق احسانی ہیں۔ صفات بحت کے ساتھ ہمیں محبت کہاں۔ افسوس انسان کے ساتھ تو ہمیں یوں ہی عشق ہو جاتا ہے اور خدا کے ساتھ ہمیں محض اس کے انعام و احسان کی وجہ سے محبت ہو۔ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جو صفات بحت کے عاشق ہیں۔ مگر بہت کم ہیں زیادہ احسان ہی کیوجہ سے محبت رکھتے ہیں۔ کہ منعم کے ساتھ طبعی محبت ہوتی ہے۔ تو اگر حج میں بدون زاد راہ کے گیا اور وہاں ہوئی کلفت تو وہ نام کی محبت بھی زائل ہو جائیگی۔ اس واسطے فرمادیا کہ تزودوا کہ زاد راہ لیکر چلو۔ تو زیادہ وہ لوگ ہیں جو زاد راہ لے جاتے ہیں اور یہ مطلوب بھی ہے۔ اس معنی کر حج مرکب ہے بدنی اور مالی سے کہ غالب احوال میں مال بھی خرچ ہوتا ہے گو بدون مال کے بھی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ میں

(فوق السطور: سواری ۱۲ص — خالص ۱۲ص)

حاشیہ: اس کا تحقق مال ہی سے ہوتا ہے ۱۲ص

پہلے اس کی ایک صورت فرض کر چکا ہوں۔ مگر غلبہ کی وجہ سے مرکب کہدیا۔ پس فقہاء نے حج کے مرکب ہونے کی تو تصریح فرمادی۔ البتہ قربانی کا مرکب ہونا کسی قول میں نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن غور کرنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ بھی مرکب ہے گو اس میں مالیت کی شان غالب ہو مگر جس طرح باوجود غالبیت بدنیت کے من وجہ تلبس بمال کے سبب حج کو مرکب کہدیا اسی طرح یہاں باوجود غالبیت کے من وجہ تلبس بالبدن کے سبب اس کو بھی مرکب کہنا صحیح ہو سکتا ہے اور اس کا مالی ہونا تو ظاہر ہے مگر بدنی ہونے میں دو حیثیتیں ہیں ایک خفی دوسرے جلی۔ جلی تو یہ کہ قربانی محض انفاق بالمال (مال کے خرچ کرنے ۱۲ ص) سے ادا نہیں ہوتی کہ تین روپے یا کم و بیش اللہ واسطے کسی فقیر کو دیدے البتہ اگر اتنی تاخیر کر دے کہ ایام قربانی نکل جائیں تو اس وقت تصدیق (صدقہ کرنا ۱۲ ص) ہی متعین ہے لیکن اول تو اس صورت میں قربانی کی برابر فضیلت نہ ہوگی۔ دوسرے گفتگو اس میں ہے کہ وظیفہ اصلی کیا ہے سو وظیفہ اصلی قربانی کا تو یہی ہے۔ کہ جانور ذبح کرو اور جانور کے ذبح کرنے میں ظاہر ہے کہ اتعاب (ترجمہ تکلیف میں ڈالنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بدن ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ زکوٰۃ بھی مرکب ہے کیونکہ ہاتھ سے دینا پڑتا ہے اور اس میں بھی کسی قدر تعب ہے ہی۔ جواب اس کا یہ ہے کہ اگر طبیعت سلیمہ ہے تو سمجھ میں آجاویگا کہ مال کے خرچ کرنے میں معتدبہ (ترجمہ اعتبار کے قابل ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اتعاب بدنی نہیں اور قربانی میں بین اتعاب ہے۔ اسی واسطے ہر شخص سے نہیں ہو سکتی اور دینا تو بچہ بھی کر سکتا ہے۔ دوسری حیثیت کیلئے جو کہ خفی ہے ایک مقدمہ کی ضرورت ہے۔ مقدمہ یہ ہے کہ آیا اتعاب بدن من حیث ہو مقصود ہے یا اس وجہ سے کہ نفس پر محنت ہو۔ ہر شخص قواعد شرعیہ سے جانتا ہے کہ بدن کو ایذا نفس کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر نفس نہ ہو تو ایذا بھی نہ ہو۔ باقی یہ شبہ کہ اہل سنت کے نزدیک بعد مفارقت نفس بھی بدن میں حیات باقی رہتی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے حدیث میں مردہ کی ہڈی توڑنے کی ممانعت آئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہڈی کا توڑنا مردہ کو محسوس ہوتا ہے اور اس سے اذیت ہوتی ہے تو بدون تعلق نفس کے بھی بدن کو اذیت ہوئی۔ سو اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر اس کا کوئی قائل ہو تو ہم کہیں گے کہ مفارقت نہیں پائی گئی تعلق نفس باقی ہے اگرچہ تھوڑا ہی سہی اور تحقیق یہ ہے کہ حضور کے ارشاد کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں احساس ہے۔ بلکہ احترام میں مردہ

۱۹۶

زندہ کے مثل ہے۔ زندہ میں دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو ہڈی توڑنے سے اُس کو ایذا رسانی دوسرے ترک احترام تو مردہ کی ہڈی توڑنا اس وجہ سے ناجائز ہے کہ ترک احترام ہے نہ اس وجہ سے کہ اُس کو اذیت ہوتی ہے اور فقہاء نے ایسا سمجھا کہ صوفیاء نے بھی نہیں سمجھا۔ اور حق یہ ہے کہ صوفیہ نفس کے معالجات اور اُن کے نکات خوب بیان کرتے ہیں اور فقہاء اعمال کے اسرار خوب سمجھاتے ہیں۔ فقہاء نے صاف لکھا ہے کہ زیارت اموات کے وقت قبر سے اتنی دور رہنا چاہیئے جس قدر دور حیات میں رہتے تھے۔ بعض لوگ ادب کی وجہ سے بہت دور رہتے ہیں سو اتنا دور بھی نہ رہنا چاہیئے۔ بس فقہاء کے معیار سے کام لینا چاہیئے۔ کہ حیات و موت دونوں میں یکساں معاملہ کیا جاوے اور یہ دور رہنا فقط احترام کے سبب سے ہے گو وہ اب مرا ہوا ہے مگر واقع میں ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق	ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(ترجمہ یعنی جس کو عشق حقیقی سے روحانی حیات حاصل ہو گئی وہ اگر مر بھی جاوے تو واقع میں بوجہ اسکے کہ لذت قرب اسکو کامل درجہ کی حاصل ہو جاتی ہے اس لئے اُس کو زندہ کہنا چاہیئے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

بس اسی طرح مردہ کی ہڈی توڑنا منع ہے کہ توڑنے سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ ہاں احترام کے خلاف ہے۔ میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اسی قسم کا مسئلہ پوچھا کہ لاش جلانے سے مردہ کو کچھ تکلیف ہوتی ہے۔ مولانا فقیہ بھی تھے اور صوفی بھی تھے۔ فرمایا کہ مردہ کو اس سے ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسی تمہیں تمہاری رزائی جلانے میں۔ اور اگر کوئی پرانے سڑے گلے کپڑے کو چیرے پھاڑے تو کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ ایسا ہی یہاں بھی ہے کہ جب بدن پرانا ہو جاتا ہے گل سڑ جاتا ہے تو پھر اُس کے خاک میں ملنے اور کیڑوں کے کھانے سے کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ بس اب یہ مسئلہ بالکل صاف اور اچھی طرح حل ہو گیا تو یہ وجہ تھی مردہ کی ہڈی توڑنے اور اُسکے بدن جلانے کی ممانعت کی۔ اور یہاں سے اسلام کی خوبی ظاہر ہوتی ہے کہ دفن کا حکم دیا اور جلانے کی ممانعت کر دی کہ دفن میں اکرام اور احراق میں (جلانے ۱۲ محمد) ترک احترام ہے اور اس کے علاوہ دفن میں ارجاع الی الاصل (ترجمہ اصل کی طرف لوٹنا ۱۲ محمد صابر) بھی ہے۔ اور احراق میں اس اصل سے عدول ہے۔ بعض مدعیین فلسفہ جلانے کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور دفن کی خرابیاں کہ اس سے مٹی خراب ہو جاتی ہے اور اُس سے جو بخارات

اُٹھتے ہیں وہ گندے زہریلے اور متعفن ہوتے ہیں اس طرح کے نکتوں سے ثابت کرتے ہیں کہ جلانا اچھا ہے۔ مگر ہم تو اس کے خلاف مشاہدہ کر رہے ہیں کہ کسی مدفون کی قبر پر ہمیں بدبو نہیں آتی مگر مرگھٹ پر تو اس قدر متعفن اور گندی ہوا ہو جاتی ہے کہ ناک نہیں دی جاتی۔ ایسے مہمل نکتے تو ہر چیز میں بیان ہو سکتے ہیں مگر سلامت فطرت، حق و باطل کا فیصلہ خود کر لیتی ہے بلکہ عقل تو دفن کو پسند کرتی ہے کہ اس میں بدن کو اسکی اصل میں پہنچا دیا باقی خاک کا اصل ہونا سو اس کی دلیل یہ ہے کہ ہر عنصر کا اپنے حیز کی طرف طبعی میلان ہے۔ اگر کوئی انسان کوٹھے پر سے اُچھلے اگر وہ اوپر چلا جاتا تو ہوا یا نار غالب ہوتی اور اب تو خاک غالب ہے یا آب اور آب کا غالب نہ ہونا بھی ظاہر ہے ورنہ آب میں پہنچکر عمق کی طرف نہ جاتا۔ پس خاک کا غلبہ متعین ہو گیا اور یہ قاعدہ عقلی ہے کہ کل شئی یرجع الی اصلہ (ترجمہ یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف عود کرتی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تو خاک میں دفن کرنا بالکل عقل کے موافق اور اس کے ماسوا سب فطرت سلیمہ اور عقل کے بالکل خلاف ہیں۔ باقی احراق کی رسم کیسے نکلی سو ایک بزرگ فرماتے تھے کہ ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے یہاں پرانی تاریخ میں اوتار اور دیوتاؤں کی معاشرت کا ذکر ہے اور وہ جن تھے سو غالباً اُن کے شرائع اور تھے اور انسان کے اور تو اُن کے عنصر غالب یعنی نار کا مقتضائے عقلی یہ تھا کہ بعد موت اُن کے ابدان کو اُسی میں ملا دیا جائے چونکہ اُن میں آگ غالب تھی اس لئے آگ میں ملا دیے جاتے تھے۔ یہ قصے اُن کی کتابوں میں مذکور ہونگے۔ جہالت اور نادانی سے خدا بچائے۔ یہ اُسے بزرگوں کی سنت سمجھ کر خود بھی یہی کرنے لگے ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند (ترجمہ یعنی جب حقیقت کا پتہ نہ چلا قصے کہانیوں پر عمل کرنا شروع کر دیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) گو یہ بات تاریخ سے ثابت نہیں مگر قرائن اسی کے مؤید ہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہیں۔ میں نے اس پر بیان کیا تھا کہ ہڈی توڑنے اور بدن کے جلانے میں تکلیف ہوتی ہے یا نہیں اور اس سے وہ شبہ رفع ہو گیا کہ بعد مفارقت نفس کے بدن کو تکلیف ہوتی ہے اور ثابت ہو گیا کہ بعد مفارقت کے تکلیف نہیں ہوتی۔ رہا یہ کہ مردہ کو قبر میں ٹھلاتے ہیں اور اس سے پھر وہی شبہ عود کر آیا کہ بعد مفارقت روح کے بھی تألم (ترجمہ دکھ پانا ۱۲ محمد صابر) وتنعم (ترجمہ عیش پانا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) قبر میں بدن کو ہوتا ہے تو یا تو شبہ ہے کہ وہ روح ہے جس کیساتھ

یہ معاملہ کیا جاتا ہے۔ رہا یہ کہ روح مجرد جلوس کے ساتھ کیسے متصف ہو سکتی ہے سو اوّل تو ابھی تک یہ امر طے نہیں ہوا کہ روح مجرد ہے یا مادی ہے بعض اہلِ کشف کا قول ہے کہ مجرد ہے اور بعض متکلمین اس طرف گئے ہیں کہ مادی ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ تجرد خواص واجب سے ہے۔ لیکن یہ دعویٰ خود بے دلیل ہے بلکہ خواص واجب سے قدم اور وجوب ہے۔ سو حکماء مجردات کے قائل ہوئے ہیں وہ مجردات میں قدم بھی مانتے ہیں یہ بیشک باطل ہے۔ باقی اگر روح کو مجرد کہا جاوے اور حادث بالذات و بالزمان بھی مانا جاوے تو کونسی دلیل عقلی کے خلاف ہے۔ غرض بعض متکلمین تو سوائے واجب کے کسی چیز کے مجرد ہونے کے قائل نہیں اور صوفیہ کرام کئی چیزوں کے تجرد کے قائل ہوئے اُن کو لطائف کہتے ہیں۔ جیسے روح قلب۔ سر خفی۔ اخفی۔ اور کہتے ہیں کہ انسان جس طرح عناصر سے مرکب ہے۔ اسی طرح ان اجزائے مجردہ سے بھی ہے۔ اور اس پر دلیل یہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے خلوات و مراقبات میں ان مجردات کا مشاہدہ کیا ہے۔ سو جبتک قرآن و حدیث کے خلاف نہو ہم کیونکر اس کا انکار کر سکتے ہیں۔ تو اگر روح مجرد ہے تو اس پر البتہ بیٹھنا صادق نہیں آتا۔ مگر صوفیہ اس کے قائل ہوئے ہیں کہ دوسرا بدن جو مشابہ اسی بدن عنصر کے ہوتا ہے عالم برزخ میں دیا جاتا ہے تو جس طرح یہ ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے زیادہ حس ہوتی ہے۔ کیونکہ اُس کا مادہ لطیف ہوتا ہے تو یجلسانہ (ترجمہ یعنی منکر نکیر مردہ کو بٹھاتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اُسی کیلئے ہے اور اگر روح مادی ہے۔ تو یجلسانہ میں کوئی اشکال نہیں بہرحال یجلسانہ اس بدن عنصری کیلئے نہیں۔ پس شبہ تأذی بدن عنصری (تکلیف پانا ۱۲ اص) کا بعد مفارقت روح کے ساقط ہو گیا تو حاصل یہ کہ یہ امر ثابت ہوا کہ جب بدن کو تعب ہوگا بواسطہ نفس کی وجہ سے ہوگا۔ کیونکہ نفس جب مفارق (جدا ۱۲ اص) ہو جاتا ہے۔ تو کچھ تکلیف نہیں ہوتی۔ تو ثابت ہوگیا کہ بدن کو تکلیف نفس کو تکلیف ہونے سے ہوتی ہے۔ پس اتعاب بدن کی اصل اور حقیقت اتعاب (تکلیف میں ڈالنا ۱۲ اص) نفس ہوا پس اگر ہم قربانی میں اتعاب نفس ثابت کر دیں تب تو اس میں عبادت بدنیہ کے معنی ثابت ہو جاویں گے۔ سو قربانی میں اتعاب نفس موجود ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ رقت فطریہ مشارک فی الجنس (ترجمہ فطری رقت جنس میں شریک ۱۲ محمد صابر غفرلہ) پر بھی ہوتی ہے بلکہ بعض اوقات اس قدر ہوتی ہے کہ مشارک فی النوع پر بھی اتنی نہیں ہوتی۔ کیونکہ مشارک فی النوع (ترجمہ یعنی نوع میں شریک

ہونے والے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) سے کہ انسان سے بسا اوقات اتنی کلفتیں پہنچ جاتی ہیں کہ رقت کیسی
بالعکس اُسکے گلے پر چھری پھیرنے سے اور مسرت ہوتی ہے۔ مگر چونکہ مشارک فی الجنس سے
اُس قسم کی اذیتیں نہیں پہنچ سکتیں جس سے انتقام کی آگ اس قدر بھڑک اُٹھے کہ بغیر اسکے خون کے
بجھنے نہ بجھے۔ اور اگر اُس سے کوئی اذیت پہنچتی بھی ہے تو ہر شخص اُسے ایک درجہ میں
معذور بھی سمجھتا ہے اس لئے مشارک فی الجنس پر رقت زیادہ ہوتی ہے اور اگر زیادہ نہ سہی تو برابر
تو ہوتی ہے برابر بھی نہ سہی کم ہی سہی مگر وہ کم بھی فی نفسہ بہت ہے کسی کتے بلی کو سسکتے دیکھا نہیں جاتا
بہت ہی رحم آتا ہے تو اب سمجھ لیجئے کہ جس وقت جانور کے گلے پر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کے
چھری پھیرتے ہیں تو کیا دل نہیں دکھتا۔ بہت دل دکھتا ہے حتیٰ کہ بعض اسی وجہ سے اپنے ہاتھ
سے ذبح بھی نہیں کر سکتے۔ اب دوسری قوموں کا یہ شبہ کہ یہ لوگ بڑے سنگدل ہوتے ہیں کہ انہیں
جانور کے گلے پر چھری پھیرتے ذرا بھی رحم نہیں آتا محض ناواقفی یا تعنت سے ناشی ہے۔ مگر عجیب
بات ہے کہ یہ شبہ یہ اعتراض فقط گائے کی قربانی کے متعلق ہے۔ جیسے بکری مرغی کبوتر کے متعلق
نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کچھ دال میں کالا ہے یعنی اس شبہ کا سبب ترحم نہیں ہے بلکہ محض حمیت مذہبی ہے اور
اگر کوئی ذہین آدمی مذہب سے قطع نظر کرکے سب جانوروں کے متعلق یہی الزام دے تو اُس کا جواب
یہ ہے کہ اُسے کیا خبر کہ مسلمان نرم دل ہوتے ہیں یا سخت دل۔ پس اُنکا اعتراض اگر حمیت مذہبی
سے نہیں لیکن ناواقفی سے ضرور ہے پس اس کا یہ فیصلہ بہت ہی ظاہر ہے۔ مگر باوجود اسکے
ظاہر ہونے کے ہمارے علماء مناظرین نہ معلوم جواب میں کہاں کہاں پہنچتے ہیں لیکن اُن پر بھی اعتراض
نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہاں تحقیق مقصود نہیں ہوتی محض الزام و اسکات (ترجمہ خاموش کرنا ۱۲ محمد)
مقصود ہوتا ہے۔ باقی جہاں تحقیق منظور ہوتی ہے وہاں حق تعالیٰ کی جانب سے اصل حقیقت کا
القاء ہوتا ہے۔ سو الحمد للہ حق تعالیٰ نے اس وقت مجھے جواب میں یہ بات سمجھا دی کہ اُنہیں کیا خبر کہ
مسلمانوں میں رحم نہیں۔ اب آپ سب مسلمان ٹٹول لیجئے کہ ذبح کیوقت قلب کی کیا کیفیت ہوتی
ہے کڑھتا ہے یا نہیں۔ بعض موجود بزرگوں کا قصہ سنا ہے کہ ذبح کے وقت آنکھ سے آنسو جاری
ہو گئے۔ آخر یہ کیا بات ہے ترحم اور کسے کہتے ہیں لیکن اس کے ساتھ بڑا کمال مسلمانوں کا قوت عدل
ہے کہ ایک ہی طرف نہیں چلے گئے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ ع

۲۰۰

عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (ترجمہ اور ہمنے تم کو ایسی ایک جماعت بنا دی ہی جو ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم مخالف لوگوں کے مقابلہ میں گواہ ہوا اور تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) وسط کی تفسیر عدل ہے کہ اعتدال ہے قوت علمیہ و عملیہ دونوں میں کہ جزبزہ و بلاہت کے وسط میں حکمت جبن وتہور کے وسط میں شجاعت۔ اسی طرح قوت شہویہ خمود و فجور میں توسط عفت ہی اور ان تینوں کے مجموعہ یعنی حکمت شجاعت۔ عفت کا نام عدل ہے۔ تو یہ اُمت عادلہ ہے۔ حق تعالی نے احکام بھی ایسے رکھے ہیں کہ اگر اُن کے اندر صفت عدل کم ہو تو اُن احکام کے برتنے سے درست ہو جائے نہ افراط ہو کہ چھُری ڈالدو اور نہ تفریط کہ رحم ہی ہو غرض دونوں میں اعتدال رکھو تو ہمارا بڑا کمال یہ ہے کہ رحم بھی ہی اور چھُری بھی پھیرتے ہیں۔ مگر یہ سمجھ کر کہ ع آنکہ جاں بخشد اگر بکشد رواست (ترجمہ جو جان دینے والے ہیں یعنی خدا تعالے اگر وہ مار ڈالیں تو جائز ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اگر کوئی کہے کہ اُنہوں نے تو نہیں مارا تو اُس کا جواب دوسرے مصرعہ میں دیتے ہیں ع نائب است او دست خدا است (ترجمہ یعنی وہ خدا کا نائب ہی اس کا فعل مثل خدا کے فعل کے ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یہ تو مسلم ہی کہ جان جس کی دی ہوئی ہو وہ لے سکتا ہے ہم اُسی کے نائب ہیں اُس نے ہمیں حکم دیا اس لئے ہم نے چھُری پھیر دی باقی ہم نے جان نہیں نکالی۔ ہم نے تو فقط راستہ کھولدیا جان تو اُنہیں نے نکالی اب کیا شبہ رہا اہل اسلام پر کہ بڑے سنگ دل ہوتے ہیں۔ آپ بڑے رحمدل ہوتے ہیں کہ خود چوہے نہیں مارتے مسلمانوں کے محلہ میں چھوڑ آتے ہیں کہ یہ ماریں۔ جب تم ہمیں موش کشی میں اپنا نائب بناتے ہو تو اللہ تعالی نے اگر گاؤ کشی میں ہمیں اپنا نائب بنا دیا تو کیا قباحت ہو گئی۔ اللہ کی نیابت میں یہ نفع بھی ہی کہ مارو اور کھاؤ۔ اور تمہاری نیابت میں تو فقط مار کر پھینک دینا ہی ہے۔ اور کچھ بھی نہیں سبحان اللہ یہ رحم دلی ہے کہ ہم سے نہیں مارے جاتے۔ تم مار دو۔ نیابت اور کسے کہتے ہیں یہ تو زبان سے کہنے سے بھی بڑھ کر ہی اگر زبان سے کہتے تو ایک مسلمان بھی نہ کر سکتا۔ کیونکہ یہ کس کو غرض تھی کہ وہ اپنا کاروبار چھوڑ کر تمہارے گھروں اور دوکانوں پر چوہے مارنے جاتا۔ مگر اُن کے گھر لا کر چھوڑ دیے۔ کہ اچھی طرح اُن کو مار سکیں۔ یہ رحم تو ویسا ہی ہو گیا کہ کسی کی ایک بیحیا بہو تھی اُس سے کسی نے پوچھا کہ تمہارا شوہر کہاں گیا ہی۔ حیا کی وجہ سے

منہ سے تو کہہ نہ سکی مگر بتلانا بھی ضرور تھا تو آپ نے کیا کیا کہ لہنگا اٹھا کر اُسکے سامنے موتا اور اُسپر سے پھاند گئی۔ مطلب یہ کہ ندی پار گیا ہے۔ تو حضرت بعضا ترحم بھی ایسا ہی ہوتا ہے کسی نے زنا کیا حمل رہ گیا رسوائی ہوئی لوگوں نے کہا کہ کمبخت تو نے عزل کیوں نہ کر لیا۔ (عزل انزال سے پہلے علیحدہ ہو جانے کو کہتے ہیں) تو آپ کہتے ہیں کہ سُنا تھا کہ عزل مکروہ ہے کمبخت منحوس اور زنا کو کونسا فرض سُنا تھا۔ بعضوں کا تقویٰ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ تو یہ ترحم ویسا ہی ہے جیسی اُس بہو کی شرم تھی کہ منہ سے بولنے میں تو حیا تھی اور لہنگا کھول کر سامنے بیٹھ جانے میں حیا نہ تھی۔ اور پھر مسلمانوں پر اعتراض۔ حضرت میں بقسم کہتا ہوں کہ ترحم مسلمانوں کے برابر کسی قوم کے اندر نہیں ہے۔ مگر امتحان کے وقت معلوم ہوتا ہے کسی کا قطعہ ہے جس کے بعض اشعار یہ ہیں ؎

دے کر قسم کہے کہ تو میر الہو پیئے اُس وقت ہم سلام کریں قبلہ آپکو	گر پی نہ جائے جلدی سی پیالہ شراب کا گر کچھ بھی خوف کیجئے روز حساب کا
اور امتحان بغیر تو یہ آپ کا غلام	قائل نہیں ہے قبلہ کسی شیخ و شاب کا

۲۰۲

دنیا کے واقعات نے کھلم کھلا ثابت کر دیا ہے کہ ترحم کے موقعوں پر ترحم کرنا یہ خاصہ مسلمانوں ہی کا ہے۔ مسلمانوں کے برابر کوئی قوم رحمدل نہیں۔ میرے پاس ایک برہمن کا خط آیا تھا کہ مسلمانوں پر تو یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جیو مارتے ہیں مثلاً گاؤکشی وغیرہ کرتے ہیں مگر وہ جیو گا نہیں مارتے (جیو گا آدمی کے نفس کو کہتے ہیں) مگر یہ معترض قوم جیو گا مارتی ہے۔ یعنی آدمیوں پر ظلم کرتی ہے۔ مجھے اس شخص کا قول نقل کرنے سے فقط یہ مقصود ہے ع

الحق ما شہدت بہ الاعداء (ترجمہ حق وہ ہے جس کی دشمن بھی شہادت دیدیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یعنی ع یعنی جادو وہ ہے جو سر پہ چڑھ کے بولے۔ اب تو کئی شہادتیں ہو گئیں کہ مسلمان بڑے رحمدل ہوتے ہیں۔ بہرحال اُن کی رحمدلی ثابت ہو گئی۔ تو اب ذبح میں کتنا بڑا اتعاب نفس ہوا جو حقیقت ہی اتعاب بدن کی تو اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ قربانی میں بدنیۃ بھی ہے مگر مغلوب اور مالیت غالب جیسا کہ حج میں مالیۃ بھی ہے مگر مغلوب اور بدنیۃ غالب یہ بیان ہو گیا قربانی کے عبادت بدنیہ ہونیکی دونوں وجہوں کا اور اُن کے علاوہ ایک تیسری وجہ اس سے بھی لطیف ہے وہ یہ کہ یہ دیکھنا چاہیئے

کہ قربانی بدل کا ہے کی ہے۔ اعتبار اُس اصل کا ہوگا۔ جیسے میں نے ابھی بیان کیا تھا کہ اصل قربانی ہے اور بعد ایام نحر (ترجمہ قربانی کے دنوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے اُس کا بدل یعنی قیمت دینا اُس کا قایم مقام ہے پھر بدل پر بھی وہی آثار مرتب ہو جاتے ہیں۔ جو اصل پر ہو جاتے ہیں۔ سو واقع میں قربانی ہی اصل نہیں یہ بھی کسی چیز کا بدل ہے اور اسکی بھی کوئی اور ہی اصل ہے سو وہ اصل وہی ہے جو حضورؐ نے صحابہ کے جواب میں ارشاد فرمائی قالوا ما ھذہ الاضاحی یا رسول اللہ قال سنۃ ابیکم ابراھیم صحابہ نے استفسار کیا کہ یا رسول اللہ قربانی کیا چیز ہے آپ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے۔ اب اسکی تحقیق سمجھو کہ ابراہیم کا طریقہ کیا تھا۔ اُنہوں نے کونسا فعل کیا تھا۔ سو گو اُنہوں نے ایک دنبہ ذبح کیا تھا مگر یہ دیکھو کہ وہ کس کا قائم مقام تھا۔ سو وہ بیٹے کا قائم مقام تھا۔ اس کا قصہ اول یہ ہوا تھا۔ خواب میں دیکھا تھا انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ (ترجمہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمکو ذبح کر رہا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہ ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ بیٹے کو ذبح کرو جس کو اُنہوں نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ سے ذکر کیا اس کی نسبت بعض لوگ یہ سمجھے کہ رائے دریافت کرنے کیلئے ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام سے پوچھا تھا کہ تمہاری کیا رائے ہے تو اُنہوں نے کہا یا ابت افعل ما تؤمر کہ اے باپ آپ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے اور یہ سمجھ کر اُن کو یہ شبہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو نعوذ باللہ تردد تھا۔

	گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر	کار پاکاں را قیاس از خود مگیر	

(ترجمہ یعنی بزرگوں کے افعال کو اپنے اوپر قیاس مت کرو گرچہ ظاہر میں دونوں فعل یکساں ہیں جس طرح لکھنے میں شیر و شیر یکساں ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تردد نہ تھا کہ انبیاء میں اس کا احتمال ہی نہیں بعض اہل ظاہر اس کے قائل ہوئے ہیں کہ گو تردد نہ تھا مگر اس وقت بیٹے میں باپ سے زیادہ استقلال تھا جیسا کہ اُن کے سوال ماذا تریٰ (ترجمہ تمہاری کیا رائے ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) میں اور اُن کے جواب افعل ما تؤمر (ترجمہ وہی کیجئے جس کا آپ کو حکم ہوا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) میں موازنہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے پھر اس تفاوت کا ایک نکتہ بیان کیا جو عوام کو پسند بھی آئیگا۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کی اس میں

تصریح تنقیص ہے وہ نکتہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نور محمدی صلے اللہ علیہ وسلم پہلے ابراہیم علیہ السلام کے بدن میں تھا اُس کی وہ برکت تھی کہ ابراہیم علیہ السلام میں کس قدر استقلال تھا کہ آگ میں ڈالے گئے اور مضطرب نہوئے جب اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو وہ نور اُن میں منتقل ہو گیا اسواسطے وہ اُسی درجہ میں مستقل المزاج ہو گئے تھے۔ مگر اس توجیہ سے میرا تو رونگٹا کھڑا ہوتا ہے۔ کیا توجیہ کی ہے کہ اتنے بڑے پیغمبر کی جناب میں گستاخی کی بھی پرواہ نہ کی۔ پس ایسی توجیہ رہنے دیجئے ؎

زعشق ناتمام ما جمالِ یار مستغنی است ۔ باب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا

(ترجمہ یعنی جمال محبوب ہمارے عشق و عرفان ناتمام سے مستغنی ہے جس طرح زیبا صورت کو رنگ و روپ خط و خال کی احتیاج نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

ناتمام اس معنی کر کہ اس میں تنقیص ہے ابراہیم علیہ السلام کی نور محمدی کے جُدا ہو جانیکے بعد غیر مستقل ہو جانا محض جزاف (تخمینی ۱۲ص) اور رجم بالغیب ہے۔ غور کرو تو اس میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی گستاخی ہے کیونکہ آپ کا وہ نور ایسا نہیں جس کا اثر زائل ہو جاوے۔ آگ تنور کے اندر جلائی جاتی ہے تو ایک گھنٹہ تک تنور اُس کے اثر سے گرم رہتا ہے تو کیا وہ نور اتنا بھی نہو گا کہ اُس کے منتقل ہونیکے بعد ابد الآباد تک اُس کا اثر رہے۔ یہ تفاوت ہی نہیں جو ان جزافات کے ماننے کی ضرورت پڑے اصل یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اسمٰعیل علیہ السلام کے صرف پدر مشفق اور مربی شفیق ہی نہ تھے بلکہ وہ شیخ بھی تھے۔ سو شیخ ہونے کی حیثیت سے اُن کو ان کے استقلال کا امتحان مقصود تھا اس واسطے فرمایا فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (ترجمہ تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) مگر وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے کہ فرماتے ہیں یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ (ترجمہ اے باپ آپ وہی کیجئے جس کا آپکو حکم ہوا ہے انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھکو سہار کرنے والوں میں سے دیکھیں گے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) اور کیا ٹھکانا اُن کے عرفان کا اتنا بڑا توکل کہ اپنی قوت پر نظر نہیں یہاں بھی کہتے ہیں انشاء اللہ کہ اگر خدا کو منظور ہوا بس یہی تو کمال ہے ایسے ہی بیٹے کی نسبت کہتے ہیں ؎

شاباش آں صدف کہ چنساں پرورد گہر ۔ آبا از و کرم وابنا عزیز تر

(ترجمہ یعنی اس صدف کو آفرین جس نے ایسے موتی کو پرورش کیا۔ آبا اس سے کرام اور لڑکا عزیز ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

تو یہ بھی اس کی اصل۔ چنانچہ اسمٰعیل علیہ السلام راضی ہو گئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے چھری ہاتھ میں لیکر ذبح کیلئے لٹایا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کا یہ استقلال کمال میں ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ نہیں۔ بڑا کمال تو ابراہیم علیہ السلام کا ہے کیونکہ خود کشی کرتے تو بہتوں کو دیکھا ہو گا یا کم از سنا ہو گا مگر فرزند کشی کون کرسکتا ہو بھلا باپ سے ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے گلے پر چھری پھیر دے والنادر کالمعدوم (ترجمہ نادر معدوم کی مثل ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اب بتلائیے استقلال کس کا بڑھا ہوا ہو ایک محتمل عبارت فانظر ماذا تری (ترجمہ تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہو ۱۲ ص) سے یہ سمجھ لینا کہ ابراہیم علیہ السلام میں استقلال کم تھا کتنی بڑی غلطی ہو۔ اگر نور محمدی کے جدا ہو جانے سے وہ غیر مستقل ہو گئے تھے تو اچھا پھر وہ چھری چلانے کیوقت مستقل کیونکر ہو گئے۔ حضور کے نور کے برکات تو اس قدر غیر محدود ہیں کہ وہ مفارقت بدن ابراہیمی کے بعد ویسا ہی نور بخش تھا جیسا کہ مفارقت ناسوت کے بعد بھی ناسوت کیلئے نور بخش ہو رہا ہے۔ جن انوار کا مشاہدہ آپ کر رہے ہیں اس پر ایک لطیفہ یاد آیا جس میں اس منوریت ناسوت سے ایک دوسرے مذہب کے شخص نے ایک لطیف استدلال کیا تھا وہ قصہ یہ ہو کہ ایک مرتبہ اکبر بادشاہ کی مجلس میں رات کو دفعۃً ساری شمعیں گل ہو گئیں اور مجلس میں بالکل اندھیرا ہو گیا۔ گو یہ بادشاہ دہری سا تھا۔ مگر اپنے کو مسلمان کہتا تھا۔ اس اندھیرے کو دیکھ کر قبر کا اندھیرا یاد آ گیا۔ طبیعت بہت پریشان ہوئی حکم دیا کہ بیربل کو بلاؤ۔ بیربل حاضر ہوا اُس سے اپنی پریشانی بیان کی اُس نے تسلی کیلئے ایک عجیب نکتہ بیان کیا ع الفضل ما شہدت بہ الاعداء (ترجمہ فضیلت وہی ہے جسکی دشمن بھی شہادت دیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہتا ہے کہ حضور اس کا ہرگز غم نہ کریں مسلمان کی قبر میں اندھیرا ہوتا ہی نہیں کیونکہ آپ اُمتی ہیں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے۔ جبتک آپ اس عالم میں رہے۔ یہاں روشنی رہی تمام عالم منور رہا جس کا اثر اب تک باقی ہے۔ جب سے عالم قبر میں تشریف لے گئے وہاں بھی آپ کا نور پھیل گیا جس سے مسلمانوں کی سب قبریں منور ہیں۔ تو مسلمان کیلئے نہ یہاں اندھیرا ہے نہ وہاں۔ اکبر بہت خوش ہوا فوراً حکم ہوا کہ بیربل کو انعام دیا جائے بہر حال حضور کا بڑا قوی نور ہے اور ہم اس کے ثابت کرنے کے لئے اس نکتہ کے محتاج نہ تھے مگر لطیفے کے طور پر ذکر کر دیا۔ بہر حال یہ ثابت ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنی طرف سے بیٹے کو ذبح

کیا تھا۔ پھر خواہ ذبح کوئی چیز ہو گئی۔ تو اصل قربانی کی بیٹے کو ذبح کرنا ہے کہ جو اپنے ذبح سے بھی اشد ہے اور یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ اشد اخف کو متضمن ہوتا ہے۔ تو روح "قربانی کی اپنا فدا کرنا اور اپنی قربانی کرنا ٹھیرا جس کی نسبت دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر ہم یہ فرض کر دیتے کہ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ خود کشی کیا کرو یا شہر بدر ہو جایا کرو تو بہت کم لوگ کرتے اس سے معلوم ہوا کہ خود کشی ایسی چیز ہے کہ اُس میں مشروعیت کی صلاحیت تھی چنانچہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت مشروع ہوئی اور اُنہوں نے اُس کو کیا مگر حق تعالیٰ کی کیا رحمت ہے کہ فوراً ہی ایک عنایت کا ظہور ہوا۔ چنانچہ فرماتے ہیں وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (ترجمہ ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض میں دیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ذبح عظیم کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ فوراً ایک دنبہ وہاں پر رکھدیا گیا اور ابراہیم علیہ السّلام نے اُسے ذبح کر دیا۔ تو ابراہیم علیہ السلام کے دین میں قربانی مشروع ہوئی تھی۔ اُنہیں کے موافقت میں اس دین میں بھی مشروع ہوئی۔ تو اصل قربانی کی اپنے نفس کو فدا کر دینا ہے اور اعتبار اصل کا ہوا کرتا ہے۔ اب تو اس اصل کے اعتبار سے قربانی نری عبادت بدنیہ ہوئی۔ اب مالیت کا پہلو مغلوب ہو گیا۔ اور بدنیہ کا پہلو غالب ہو گیا۔ بہرحال یہ بھی مرکب ہوئی تو حج و قربانی کے درمیان میں ایک ما بہ الاشتراک (ترجمہ وہ چیز جس کی وجہ سے اشتراک ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یہ بھی نکل آیا اور اس وجہ تشارک کے بیان کے ضمن میں اتفاقاً قربانی کی روح بھی مذکور ہو گئی جس کو بعد میں ذکر کرنیکا ارادہ تھا اور چونکہ ابھی متعدد وجوہ سے دونوں میں اشتراک ثابت ہو چکا ہے اسی مناسبت سے سمجھ لینا چاہیئے کہ یہی فدا و فنا روح حج کی بھی ہے تو گویا یہ دونوں عمل ایک جان دو قالب ہوئے تو روح دونوں کی کیا ہوئی اپنے کو فدا کرنا حق تعالیٰ کی راہ میں اہل ظاہر اس کو فدا کہتے ہیں۔ اور اہل معرفت اپنی اصطلاح میں فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور اُنہوں نے اسپر ایک ثمرہ بھی مرتب کیا ہے جس کو وہ بقا کہتے ہیں اور یہی بقا انفاق مالی کی روح ہے جو اتفاق سے روح حج و روح قربانی کے ساتھ ذکر میں آگئی اب یہ بات رہی کہ فنا کی حقیقت کیا ہے اور حج و قربانی میں فنا کیسے ہے سو صوفیہ کے نزدیک فنا کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے ارادات اپنی خواہشیں

۲۰۶

اور ہوائے نفسانی بالکل ترک کردے اس واسطے کہ حیات کے آثار میں سے یہی چیز ہے تو ہیں
حی اور غیر حی میں صرف یہی فرق ہے کہ حی احساس متحرک بالارادہ (ترجمہ ارادہ سے حرکت کرنے
والا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) ہے سو جب اپنا ارادہ دوسرے کے تابع کر دیا تو گو لغۃً وہ صاحب ارادہ
ہے مگر اس معنی کر یہ غیر متحرک بالارادہ ہے کہ اس کو حرکت جب ہو گی۔ جب دوسرے کا ارادہ
دیکھ لیگا۔ تو اب وہ متحرک بالارادہ نہیں رہا۔ مثلاً ہمارا ارادہ دوڑ کا ہوا۔ سوچا کہ حق تعالےٰ
کا ارادہ تشریعیہ ہمارے دوڑنے کے متعلق ہے یا نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارادہ دو قسم کا ہے
ایک تشریعیہ دوسرے تکوینیہ۔ تکوینیہ تو وہ ہے کہ اُس سے کسی وقت اور کوئی شے
خالی نہیں۔ خیر و شر سب اُسی کی ایجاد سے ہوتا ہے سو اس مرتبہ میں تو کوئی بھی صاحب ارادہ
نہیں مگر اس سے یہاں اس لئے بحث نہیں کہ اس کا تابع ہونا امر اضطراری ہے اختیاری
و مطلوب و کمال نہیں۔ اور ایک ارادہ تشریعیہ ہے کہ عبد سے اُس کے موافق بھی فعل ہو
سکتا ہے اور خلاف بھی۔ اور یہاں سے ایک شبہ بھی حل ہو گیا کہ یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ
وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ (ترجمہ اللہ تعالےٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے تمہارے ساتھ دشواری
منظور نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) شبہ یہ ہے کہ بہت سی دشواریاں بھی پیش آتی ہیں۔ اگر یہ عسیر بارادہ (دشواری ۱۲)
حق ہے تو نص مذکور کے خلاف ہے کہ اُس میں ارادہ عسر کی نفی کی گئی ہے اور اگر بلا ارادہ
حق ہے تو دیگر نصوص کے خلاف ہے مثلاً وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّاۤ
اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰهُ (ترجمہ یعنی آپ کسی کام کی نسبت یوں نہ کہا کیجئے کہ میں اسکو کل کروں گا۔ مگر خدا کے چاہنے کو
ملا دیا کیجئے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) جواب یہ ہے کہ اس آیت میں یُرِیۡدُ سے مراد ارادہ تشریعیہ ہے
یعنی حق تعالیٰ نہیں چاہتے کہ مشکل مشکل احکام مشروع کریں بلکہ آسان آسان احکام مشروع کرنا
چاہتے ہیں۔ چنانچہ کہیں کوئی حکم شریعت کا مشکل بتلا تو دو۔ کہیں نہیں۔ بہر حال یہ مراد ہے
ارادہ سے۔ سو مادہ مذکور سے اس پر نقص لازم نہیں آیا اور اس ارادہ تشریعیہ کا اتباع
کمال اور مطلوب ہے۔ مثلاً ہم نے جس وقت اُٹھنے کا ارادہ کیا۔ تو ہم نے شریعت سے
پوچھا۔ اور معلوم ہوا کہ ارادہ تشریعیہ اس کے متعلق ہے تب اُٹھیں گے اسی طرح کسی کی
طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھنا چاہا تو شریعت سے پوچھا ھل یجوز ام لا (ترجمہ کیا جائز ہے یا نہیں ۱۲

۱۲ محمد صابر غفرلہ) جواب: ملا لا یجوز (ترجمہ نہیں جائز ۱۲ محمد صابر غفرلہ) فوراً آنکھ نیچی کرلی۔ تو جب اپنا
ارادہ کیا تھا۔ مگر اُس پر عمل بغیر اجازت کے نہیں ہوا تو وہ متحرک بالارادہ کیا ہوا۔ تو ثابت ہو گیا
کہ متحرک بالارادہ نہیں ہے۔ رہا حس سو غلبۂ اطاعت شریعت سے جسمیں ارادہ کا فنا مذکور ہوا ہے
حس میں بھی ایک انقلاب ہوتا ہے۔ جس سے حس سابق کالباطل و کالزائل (ترجمہ مثل باطل
کے اور مثل زائل کے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہو جاتی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ ہر چند کہ اصل میں
اعمال تابع علوم کے ہوتے ہیں۔ لیکن بعد رسوخ ملکہ کے علوم تابع اعمال کے ہو جاتے ہیں۔
یعنی اعمال کے تمرن (ترجمہ عادی ہونے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) سے ادراکات میں بھی ایک انقلاب
عظیم واقع ہو جاتا ہے۔ مثلاً پہلے نماز پڑھنا مشکل معلوم ہوتا تھا آج آسان معلوم ہوتا ہے تو یہ
تفاوت ادراک میں ہوا اور حس کے اندر تفاوت ہونے کا یہ مطلب ہی۔ یہ نہیں کہ سوئی
چبھے اور معلوم نہ ہو۔ پس ارادہ اور حس دونوں اس طرح سے فنا ہو گئے۔ اس واسطے حساً
متحرک بالارادہ نہ رہا۔ پس یہ شخص گو حسّاً حی ہے مگر حکماً میت ہی۔ جس طرح عضو مفلوج (ترجمہ
جو فالج میں مبتلا ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کو حکماً مردہ کہتے ہیں۔ گو حقیقت میں وہ مُردہ نہیں اُس کے
ساتھ تعلق حیات کا ہے ورنہ یہ عضو سڑ گل کیوں نہیں جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اُس
میں حیات ہے مگر کان لم یکن (ترجمہ گویا کہ ہے نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) محاورہ میں بھی بولتے
ہیں کہ کھال مرگئی تو عضو میہ کا مطلب یہ نہیں کہ حیات کا تعلق بالکل نہیں رہا۔ بلکہ مطلب یہ
ہے کہ اس شخص پر بہت سے آثار میت کے مرتب ہوتے ہیں۔ پھر آگے اُس کے مراتب ہیں
فنائے علمی۔ فنائے حسی۔ سو اُن سے اس وقت بحث نہیں۔ پس یہ حقیقت فنا کی ہے سو
یہ بات حج و قربانی میں مختلف وجوہ سے پائی جاتی ہے۔ قربانی میں تو ظاہر ہے افناء (فنا کرنا ۱۲)
حس تو اس طرح کہ یہ اصل میں افناء بدن تھا جس کے لوازم میں سے افناء حس بھی ہی۔ حق تعالےٰ
نے افناء بدن کے عوض افناء بدنہ (ترجمہ سنڈے کو ذبح کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کو مشروع کر دیا اور
افناء ارادہ (ترجمہ ارادہ کا فنا کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اس طرح کہ باوجودیکہ نفس کے اندر مادہ ترحم کا تھا
مگر اُس کو حکم تشریعی سے مغلوب کر کے ذبح کرتا ہے اور اُس طرف کے اس ارادہ تشریعیہ کو اتنا
غالب کیا کہ ارادہ متعلقہ بالایجاب کو تو کیا ارادہ متعلقہ بالاستحباب کو بھی پورا کرتا ہے۔

۲۰۸

تو گویا افنا ہوا اپنے ارادہ کا اور احساس کا۔ اور حج میں یہ معنی بظاہر خفی ہیں مگر بغور جلی بلکہ اجلی ہیں (ظاہر ۱۲) اُس میں تو اوّل سے آخر تک افنا رہی افنا رہے اور شروع سے اخیر تک مُردہ ہی مردہ ہے کہ سر نہیں اُٹھا سکتا اس سے بڑھکر کیا ہوگا (زیادہ ظاہر ۱۲ اصل) کہ تمام جذبات فنا کر دیے کہ خوشبو مت لگاؤ۔ سیئے ہوئے کپڑے مت پہنو۔ بیوی سے دل مت بہلاؤ۔ شکار مت کرو۔ نہاؤ مت میل کچیل مت صاف کرو۔ خوشبو دار کھانا تک مت کھاؤ۔ ایک بات ہو تو کہا جائے۔ اور اس میں فنا کے معنی ایک مقدمہ سے بہت سہولت سی سمجھ میں آجائیں گے۔ ارادہ موقوف ہے تصور غایت پر۔ اور غایت کا تصور عقل سے ہوتا ہے تو اوّل ادراک بالعقل (ترجمہ عقل سے جاننا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہوتا ہے اُس کے بعد پھر قوت ارادیہ حرکت دیتی ہے اعصاب کو جب یہ مقدمہ سمجھ میں آگیا تو اب سمجھئے کہ اگر کسی جگہ ایسی حرکت کا ارادہ ہو جو عقل کے موافق نہیں تو اُس کو یوں کہیں گے کہ یہ کسی دوسرے ارادہ کے تابع ہے بشرطیکہ جنوں نہو۔ کیونکہ اگر اپنا ارادہ ہوتا تو وہ تابع ہوتا اپنی عقل کے ادراک کے اور یہاں اپنی عقل نے اُس کی موافقت کی نہیں پس ضرور یہ فعل دوسرے کے ارادہ سے ہوا۔ تو یہاں وہ معنی فنا کے زیادہ تام ہیں وہاں تو ایک یہی بات تھی کہ خلاف ترحم تھا لیکن پھر بھی عقل فتویٰ دیتی ہے کہ کھانے کھلانے کی ضرورت سے ذبح جائز ہے تو وہاں استحسان عقلی بھی ہے چنانچہ جن لوگوں نے ذبح کو عقلاً مستحسن ثابت کرنا چاہا ہے اُنہوں نے اس طرح استدلال بھی کیا ہی کہ اگر ذبح نہ کریں تو جانور چند روز کے بعد بوڑھا ہو جائیگا اور پھر بالکل معذور ہو کر مرے گا۔ اس سے انسان کو بھی تکلیف ہوگی کہ وہ تھا تو مخدوم مگر اب جانور کے بڑھاپے اور معذوری میں اُسکی خدمت کرنا پڑیگی اور یہ بالکل قلب موضوع ہے اس لئے مناسب یہی ہے کہ وہ وقت آنے سے پہلے ہی اُس کو کام میں لے آؤ۔ تاکہ انسان خادمیت سے اور جانور بڑھاپے اور معذوری کی تکلیف سے محفوظ رہے تو اُنہوں نے اس طرح استحسان عقلی ثابت کیا جزاھم اللہ[1] تعالیٰ مگر حج میں عجیب پیچ ہے کہ کوئی اس پر آجتک قادر نہیں ہوا۔ کہ اس کو عقل کے موافق ثابت کرسکے۔ پس یہاں پورا پورا افنا ہے کہ باوجود

[1] اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ۱۲ محمد صابر غفرلہ

مزاحمت عقل کے پھر اُس کا ارادہ کیا اور اپنے کو بالکل دوسرے کے ارادے کے تابع کر دیا ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست	مے برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

(ترجمہ محبوب حقیقی نے یہ حرکات پیدا کر دیے ہیں۔ جس طرف چاہتے ہیں متحرک کر دیتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

سُنئے حج میں افعال کیا ہیں کہ سارے عقل کے خلاف ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اچھے خاصے اپنے کاروبار میں لگے ہوئے اپنے اہل وعیال میں آرام سے بیٹھے ہوئے ایک کوٹھری اور ایک جنگل کا قصد کر کے جاؤ اگر وہاں اللہ میاں ہوتے تو ایک بات بھی تھی مگر وہ تو مکان سے منزہ ہیں تو پھر کیوں ایسا کرتے ہو۔ سو آجتک عقل چکر میں ہے میرے بھائی سے ایک آریہ نے کہا کہ ہمارے مذہب میں یہ خوبی ہے کہ اُس کی ہر تعلیم عقل کے موافق ہے اور تمہارے یہاں یہ بات نہیں۔ اسلئے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا مذہب صحیح ہے بھائی نے کہا یہی دلیل ہے اس کی کہ ہمارا مذہب سماوی ہے اور تمہارا ارضی۔ دیکھو بہت سی باتیں اپنے خانگی انتظام کے متعلق ایسی ہوتی ہیں کہ ہم تم تو سمجھتے ہیں۔ مگر ہمارے نوکر نہیں سمجھتے اس واسطے کہ ہماری عقل اُن کی عقل سے بالاتر ہے اسی طرح خدائی احکام کی یہی علامت ہے کہ کہیں ہماری سمجھ میں آویں اور کہیں نہ سمجھ میں آویں اور جب تمہاری سب مذہبی تعلیمات عقل کے موافق ہیں تو معلوم ہوا تمہیں جیسوں نے اس کو اپنی عقل وذہانت سے گھڑ لیا ہے آسمانی نہیں ہے۔ واقعی خوب لطیفہ ہے۔ غرض حج میں سب سے اول تو عقل کو دور کر دیا گیا ہے۔ پہلے ہماری سواری اس پر تھی۔ مگر یہ رہبری کہاں تک کر سکتی تھی۔ آخر ایک حد پر پہنچکر اس سواری کو چھوڑ دیا عقل کی مثال بالکل گھوڑے کی سی ہے کہ ایک پہاڑ ہے بالکل سیدھا چلا گیا ہے نہ ڈھلوان ہے کہ سواری پر جاسکیں نہ کہیں پاؤں رکھنے کی جگہ ہے تو گھوڑے پر وہیں تک جاسکتے ہیں جہاں تک میدان ہے آگے جہاں سے پہاڑ شروع ہوتا ہے وہاں گھوڑا نہیں جاسکتا اب کا ہکی ضرورت ہے۔ یا تو غبارہ کام دے سکتا ہے یا کمند کام دے سکتی ہے۔ بس آپ کی عقل مرکب ہے جہاں پہاڑ آیا رُک گئی تو احکام حج مشابہ پہاڑ کے ہیں عقل بیچاری اُن میں کہاں عبور کر سکتی ہے۔ چنانچہ عقل

۲۱۰

چیکر میں ہے کہ اُس کوٹھڑی تک اس طرح جانے کی کیا ضرورت ہے۔ اُس کے بعد عرفات ایک میدان ہے وہاں جانیسے کیا فائدہ۔ پھر سات کنکریاں لیکر نشانوں پر مارنا یہ بھی خلاف عقل ہے۔ شیطان وہاں بیٹھا نہیں جسے مارتے ہو۔ ایک بزرگ سہارنپور کے رہنے والے کہتے تھے کہ ہمنے ایک شخص کو دیکھا کہ جمرہ پر ادھوڑی کا ایک بڑا سا جوتا مار رہا تھا۔ اور شیطان کو خطاب کر کے یہ کہتا جاتا تھا ارے کمبخت ارے خبیث تو نے فلانے دن فلانی حرکت کرائی تھی۔ جب اُسے ایک بات یاد آئی اُدھر ایک جوتا دیا۔ حالانکہ یہ حرکت بھی شیطانی ہی تھی۔ کسی نے کہا ارے یہ کیا جہالت ہے۔ تو کہنے لگا معلوم ہوتا ہے تم اُس کے طرفدار ہو اِدھر میری طرف آؤ تو تمہیں بھی بتادوں۔ پھر بھلا کہنے کی کسی کو کیا غرض تھی۔ بعض بعض سپاہیوں کو ہمنے سنا ہے کہ گولی مارتے ہیں۔ اب وہاں شیطان کہاں ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اُسے اس سے تکلیف ہوتی ہے۔ تو جب ان کاموں کے ارادوں سے چلے تو اوّل تو یہ چلنا ہی خلاف عقل تھا۔ مگر اس شخص نے عقل کو گردن پکڑ کے گھر پر باندھ دیا اور چل کھڑا ہوا۔ اب عقلاء نے ملامت شروع کی کہ کہاں جاتے ہو بیچ میں اتنا بڑا سمندر حائل ہے۔ ایک شخص بنارس کے رہنے والے حج کے ارادے سے بمبئی آئے سمندر کو دیکھا تو کہنے لگے ارے بھائی اس میں سے سفر ہوگا۔ اس میں سے جانا تو بہت دشوار ہے۔ بس لوٹ گئے۔ واقعی ہے بھی بحر ناپیدا کنار۔ تاجروں کا کیا ہے اگر یہ ہمت کریں تو کیا کمال وہاں تو نقد ملتا ہے۔ کمال حجاج کا ہے کہ اُدھار ہے مگر پھر بھی ہمت کرتے ہیں۔ ہر طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ اتنا بڑا سمندر پھر بڑے بڑے پہاڑ لق و دق میدان عبور کر کے وہاں پہنچنا پڑتا ہے۔ پھر وہاں کی زبان اجنبی نہ یہ کسی کی سمجھیں نہ کوئی ان کی سمجھے۔ ہمارے ایک عزیز تھے اُن سے بدوی نے روٹی مانگی اُنھوں نے انکار کر دیا۔ جب آگے پہاڑ آیا تو اُس نے وزن برابر کرنے کیلئے اُن سے کہا گدّام گدّام (قُدّام قُدّام) یعنی آگے بڑھ کے بیٹھو۔ یہ سمجھے کہ روٹی نہ دینے سے ناخوش ہو گیا ہے اس لئے مجھے گالیاں دے رہا ہے اور گدّام گدّام کہہ رہا ہے یہ سمجھ کر اُس سے لڑنے لگے جب اُس نے اشارہ سے کہا تو سمجھ گئے پھر آگے بڑھ بیٹھے۔ اور لیجئے ایک حاجی کو پیشاب لگا

۲۱۱

اُنہوں نے کہا موتوں۔ تو بدوی سمجھا مجھے کو سناتا ہے کہ مُوتُوا یعنی مرجاؤ اُس نے کہا لَا
اَمُوْتُ یعنی میں نہیں مروں گا۔ یہ یہ سمجھے کہ کہتا ہے مت مو تو۔ یہ کہتے ہیں موتوں وہ کہتا
ہے لَا اَمُوْتُ۔ بڑی دیر یہی گفتگو رہی ایک مصیبت پڑ گئی۔ ایک دیگچی کسی بڑھیا نے پائی
تھی پوچھتی پھرتی تھی کہ کس کی ہے ایک بدوی کی تھی اُس نے کہا حَگِّیْ حَگِّیْ (حَقِّیْ حَقِّیْ) یعنی
میری ہے۔ بڑھیا یہ سمجھی کہ کہتا ہے تو نے اسمیں ہگا ہے۔ تو کیا کہتی ہے اللہ کی قسم میں نے
اس میں کبھی نہیں ہگا۔ تو غرض یہ لطف اور یہ تماشے ہوتے ہیں۔ لڑائیاں بھی ہوتی ہیں۔ یہ
نہیں کہ وہ لوگ صرف عربی ہی بولیں اُردو بھی بولتے ہیں مگر وہ بھی عجیب سُنئے۔ جب
شُغدف اونٹ پر رکھتے ہیں تو اونٹ پر رکھنے کے لئے دو آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے
ایک اونٹ والا ہوتا ہے دوسرا وہ حاجی جس نے کرایہ کیا ہے۔ شغدف کے اُٹھوانے کے
واسطے کہنا تو یہ چاہئے آگے سے اُٹھا مگر کہتے یہ ہیں کہ آگے بیٹو آگے بیٹو۔ بعضے لوگ بیٹھنے لگتے
ہیں۔ اس پر خوب لڑائی ہوتی ہے۔ اور لیجئے مردوں کو بی بی کہکر پکارتے ہیں۔ بازار والے کہتے
ہیں بی بی روتی (روٹی) بی بی روتی (روٹی) اور بی بی کی سمجھ میں نہ روٹی آتا ہے نہ ہنسی۔ جیسی
یہ اُردو بولتے ہیں ہمارے ہندوستانی عربی بھی بولتے ہیں۔ ہمارے ایک رفیق ساری بات تو اردو میں
کہدیتے تھے اور سب کے اخیر میں ھذا بڑھا دیتے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب کے پوتے
مقصود نام تھا وہاں اُن کو عربی سکھلائی گئی۔ بتایا گیا کہ جب کسی سودے کا نرخ دریافت کرتے
ہیں تو کہتے ہیں یا عم ھذا بکم (ترجمہ اے چچا اسکی کیا قیمت ہے ۱۲ محمد صابر عفرلہ) اب وہ بیچارے
رٹ رہے ہیں یاد کر رہے ہیں اب بازار گئے وہاں اُس سے پوچھتے ہیں یا عَمّ اَنْتَ بِکَمْ (اے
چچا تمہاری کیا قیمت ہے) اب لوگ ہنستے ہیں سمجھ گئے کہ ھذا کی جگہ اَنْتَ کہہ رہے ہیں غرض
بڑی دل لگیاں رہتی ہیں۔ گھومتے چلتے ہیں لڑائیاں ہوتی ہیں۔ اس لئے عقلاء کہتے ہیں
ایسی جگہ کہاں چلے۔ جب میں والد صاحب مرحوم کے ساتھ حج کو چلا تو چھوٹی عمر تھی ایک خط
میرے پاس آیا کہ اخبار کی خبر ہے کہ سمندر میں تلاطم و طوفان ہے اس حالت میں کہاں جاتے
ہو میں نے جواب میں لکھا کہ ؎

چہ غم دیوار امت راکہ دارد چوں تو پشتیباں	چہ باک از موج بحر آں را کہ باشد نوح کشتیباں

۲۱۲

(ترجمہ امتیوں کو کیا غم ہے جبکہ آپ جیسا اُن کا معاون و مددگار ہے سمندر کے طوفان سے اس کو کیا خوف جس کا کشتیبان نوح ہی ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور اس قدر دل بیفکر تھا کہ نہ مرنے کا غم نہ تکلیف کا اندیشہ۔ دل کو عجیب اطمینان تھا۔ غازی آباد کے اسٹیشن پر ایک تحصیلدار والد صاحب کو ملے کہنے لگے کہاں چلے بڑا طوفان ہے۔ والد صاحب نے فرمایا معاف کیجئے اور بلسان حال یہ کہا ؎

عذل العواذل حول قلبی التائه		وھوی الاحبة منه فی سودائه

(ترجمہ ملامت گروں کی ملامت تو دل کے چاروں طرف رہتی ہے اور دوستوں کی محبت سودا ر قلب میں ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

تجربہ کی بات ہے کہ جب ارادہ کر لیا تو پھر یہ حالت ہوتی ہے ؎

نسازد عشق را کنج سلامت		خوشا رسوائی کوئے ملامت

(ترجمہ یعنی عشق کو گوشۂ سلامتی موافق نہیں۔ اسکے مناسب کوچۂ ملامت کی رسوائی بہت اچھی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

کچھ بھی پرواہ نہیں۔ یہ تو سفر کا وقت تھا۔ آگے جب احرام کا وقت آیا عجیب گت بنائی گئی۔ نواب صاحب جتنے نفیس کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ حکم ہوا اُتارو ان کو یہ کیا گدھے کا سا پالان لادے ہوئے ہو۔ عشاق کا لباس پہنو ؎

لنگے زیر و لنگے بالا		نے غم و دزد نے غم کالا

(ترجمہ ایک لنگی اوپر ایک نیچے نہ چور کا غم نہ مال و متاع کا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

سب ایک شکل کے ہو جاؤ۔ اب معلوم نہیں ہوتا کہ کون والی ملک ہے کون نواب ہے کون رئیس ہے۔ اب کسی نے سفید چادر سفید ہی آزار رکھی کسی نے میلا ہونیکے خیال سے زرد مٹی میں رنگ لیا۔ غرض عمامہ۔ تاج۔ نکٹائی ناک کٹائی کچھ بھی نہیں۔ وہاں اسکی گنجایش ہی نہیں اچھا احرام بندھ گیا۔ اب سر مت ڈھکو۔ سلا ہوا کپڑا مت پہنو۔ خوشبو کا استعمال مت کرو۔ جوں مت مارو۔ بال مت منڈواؤ۔ ناخن مت کترواؤ۔ غرض ایک عجیب شکل بن جاتی ہی جس سے یہ از خود رفتہ معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ از خود رفتہ نہیں۔ مگر کیا رحمت ہے کہ من تشبه

۲۱۳

بقوم فھو منھم (ترجمہ یعنی جو شخص کسی قوم کے مشابہ ہوا اس کا اسی میں شمار کیا جائیگا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)
میں ہم نے شمار کر لیا ہم اچھوں کی شکل بنانے والوں کو بھی اچھوں ہی میں شمار کرتے ہیں حضرت
موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعون کے طلبیدہ جادوگر جس وقت آئے تو وہ موسیٰ علیہ السلام
کی وضع بنا کر آتے تھے پہلے تو انہوں نے مقابلہ کیا۔ اس کے بعد سب سجدہ میں گر پڑے۔
اور مسلمان ہوگئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا۔ اے اللہ جو لوگ مقابلہ کیلئے آئے
تھے۔ اُن پر یہ رحمت ارشاد ہوا وہ تمہاری شکل بنا کر آئے تھے۔ ہماری رحمت نے گوارا
نہ کیا کہ جو ہمارے محبوب کی شکل بنا کر آئے وہ محروم واپس جائے۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں
رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کی پالکی کے ساتھ دوڑے ہوئے جا رہے تھے۔ راستہ میں مسجد میں
چند قلندر مکاری سے گردن جھکائے بیٹھے تھے۔ اُن میں ایک پیر بھی تھے شیخ نے انہیں
اس حالت میں مبتلا دیکھ کر فرمایا "مرزا اگر شیاطین نہ دیکھے ہوں تو دیکھ لو۔ پالکی چلی گئی یہ
ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد یہ بھی پہنچے۔ پوچھا مرزا کہاں رہ گئے تھے۔ عرض کیا حضور جس
وقت چلے گئے تو میں نے یہ سوچا کہ یہ سب کے سب خاص بزرگوں کی وضع میں ہیں اور ان پر
حضور کی نظر بھی پڑی ہے۔ گو نظر عتاب ہی سہی۔ تو جنہوں نے بزرگوں کی شکل بنائی ہے اور ان پر
حضور کی نظر بھی پڑی ہو وہ محروم رہیں۔ میں اُن کے قلوب میں القائے نسبت کرنے کیلئے
ٹھہر گیا تھا سب کے سب صاحب نسبت ہوگئے اور آکر شیخ سے بیعت ہوئے۔ تو اللہ والوں
کی مشابہت بھی بیکار نہیں جاتی۔ اسی طرح بدوضع اور بدچلن لوگوں کی وضع بھی ضرور اثر کرتی
ہے۔ آج کہتے ہیں کہ کیا ہم کوٹ پتلون۔ بوٹ سوٹ پہننے سے نصرانی ہو جائیں گے میں نے
ایک مرتبہ گورکھپور میں وعظ میں کہا کہ تم گھر میں جا کر بیگم صاحبہ کا جوڑا لیکر پہنو۔ کڑے بھی پہنو
چھڑے بھی پہنو۔ بالیاں بھی کانوں میں اٹکا لو کیونکہ سوراخ تو ہیں ہی نہیں جو پہنو گے۔ اور
وہی دوپٹہ اوڑھ کر تھوڑی دیر مجلس میں اجلاس کر لو۔ اگر کوئی کہے ہنسے بنائے کہ زنانہ لباس
پہنے ہو تو کہو کیا زنانہ کپڑا پہننے سے عورت ہو جائیں گے۔ جب تم ایسا کر لوگے تو گو ہم جواز کا فتویٰ
تو نہ دیں گے ہم تو دونوں کو ناجائز ہی کہیں گے مگر تم کو کہنا چھوڑ دیں گے اور اگر تم نے یہ نہ کیا فَاِن
لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ اُعِدَّتْ لِلْکَافِرِیْنَ (ترجمہ سو اگر تم نے نہ کیا ۱۲ محمد صابر

اور ہرگز نہ کرسکو گے تو اُس آگ سے ڈرو جو کفار کیلئے تیار ہے یہ کیا بات ہے کہ زنانہ لباس تو نہیں پہنتے اور نصرانیوں کا لباس نہیں چھوڑتے۔ اُسی دن اخبار میں چھپا کہ تشبہ کا مسئلہ آج بالکل صاف ہوگیا عجیب مہمل مذاق ہے کہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دلیل نہیں سمجھتے۔ آجکل مثال کو دلیل سمجھتے ہیں۔ بہرحال اس کے ساتھ تبعاً بروں کے ساتھ تشبہ کرنے کی خرابی بھی بیان ہوگئی۔ بیان یہ کر رہا تھا کہ عشاق کی شکل ہی بنانے سے عشاق کی فہرست میں نامزد ہو جاتے ہیں مگر عقل کا کون فتویٰ ہے کہ یہ وضع اختیار کرو۔ اچھی خاصی شکل کو بگاڑو۔ آگے ہم نہایت متین تھے۔ احرام باندھتے ہی ساری متانت رخصت۔ پہلے آہستہ بولتے تھے اب پکار کر کہو لبیک اللّٰھم لبیک لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک (ترجمہ اے میرے اللہ حاضر ہوں حاضر ہوں آپ کا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں تمام حمد اور نعمت اور ملک آپ ہی کیلئے ہے آپ کا کوئی شریک نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) نمازوں کے بعد کہو اوپر چڑھو تب کہو نیچے اترو تب کہو غرض ہر تغیر حالت کیوقت کہو۔ سوائے عورت کے کہ اُس کے لئے تلبیہ کا جہر نہیں کیونکہ اُس کی آواز میں فتنہ ہے لباس بھی وہ نہیں اس واسطے کہ اس میں کشف عورت ہے لیکن اس میں ایک جزو عقل کی رسائی سے آگے ہے کہ سر پر کپڑا ڈالنا تو فرض مگر منہ پر ڈالنا ناجائز۔ عورتیں یہ کرتی ہیں کہ خاص وضع کے پنکھے جو اسی لئے بنائے جاتے ہیں اور اُن میں جالی بھی ہوتی ہے ماتھے پر لگا لیتی ہیں۔ اور اُس پر سے کپڑا ڈال لیتی ہیں تاکہ منہ پر بھی نہ لگے اور چہرہ بھی نہ کھلے۔ یہ تو احرام ہوگیا۔ آگے حرم میں پہنچے وہاں یہ حکم ہے کہ شکار مت کرو اگرچہ طواف وسعی کے بعد احرام کھل گیا۔ مگر اب بھی وحشی جانوروں کو مت مارو چاہے اُس کو پال ہی لیا ہو مگر اُس کا ذبح جائز نہیں فرمائیے یہ کون سے قانون عقلی کے مطابق ہے۔ خلاصہ یہ کہ اوّل سے آخر تک ایک فعل بھی قانون عقلی کے مطابق نہیں مگر باوجود اس کے عجیب بات ہے کہ انسان کو حج کی طرف کشش اس قدر ہے کہ بیان نہیں ہوسکتا حالانکہ اس کی غایت مدرک بالعقل بھی نہیں بلکہ جن طاعات کی غایات مدرک بالعقل ہیں اُن کی طرف اتنی کشش نہیں ہوتی۔ مثلاً نماز کہ اُس کے باب میں ارشاد ہے اِنَّھَا لَکَبِیْرَۃٌ (ترجمہ وہ گراں ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) پس اس کے

۲۱۵

پڑھنے میں اتنی کشش تو کیا ہوتی ۔ بلکہ بعضوں کو گرانی ہوتی ہے ۔ مگر حج میں خدا جانے کیا جاذبۂ غیبی ہے جو اپنی طرف کھینچتا ہے ۔ اس کے بعد طواف کرو سب پھیرے گھومو ۔ اوّل کے تین پھیروں میں ذرا مٹک کر شانے ہلا ہلا کر پھدک پھدک کر چلو بعضے شرما بھی جاتے ہیں ۔ اب چاہے متین ہوں مگر سب کرتے ہیں اور اس قدر شوق سے کرتے ہیں کہ بے اختیار رونا آتا ہے ۔ وہاں جس وقت یہ کرتے ہیں چاہیے تو یہ تھا کہ ہنسی آوے مگر الٹا رونا آتا ہے اور وہ حالت ہوتی ہے کہ ؎

یک قطرہ آب خوردم و دریا گریستم	یارب چہ چشمہ ایست محبت کہ من ازاں

(ترجمہ یعنی اے اللہ چشمۂ محبت کیسا چشمہ ہے کہ اس کا میں نے ایک قطرہ پیا اور آنسوؤں کا ایک دریا بہہ گیا ۱۲ محمد صابر)

عجیب چیز ہے محبت کہ ایک قطرہ اُس کا دریا سے بھی بڑھ گیا ۔ تو یہ بات کیا ہے ۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ۔ علیٰ ہٰذا القیاس سعی کرو دو پہاڑیوں پر چڑھو اُترو اور میلین اخضرین کے درمیان میں دوڑو جیسے دوڑا کرتے ہیں ۔ خیر جنگل میں تو سب ایک طرح کے ہیں مرگ انبوہ جشنے دارد (ترجمہ مرگ انبوہ ایک جشن رکھتی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) مگر سعی کے موقع پر تو بہت بڑا بازار ہے تجار تجارت میں مصروف ہیں اور یہ بیچوں کیسی حرکتیں کر رہے ہیں ۔ اُن کے درمیان علی الاعلان ملامت لے رہے ہیں ۔ غرض یہاں سے وہاں اور وہاں سے یہاں صفا سے مروہ پر اور مروہ سے صفا پر جاؤ آؤ ۔ ابھی تک آہستہ چل رہے تھے میلین اور اخضرین جو نشان ہیں اُن کے درمیان میں دوڑنے لگے ہیں یہ کیا ہوا کیا کسی نے مارا بھاگے کیوں ہو بھاگتے بھاگتے میلین اخضرین سے گذر کر پھر آہستہ چلنے لگے ابھی اگر دیکھتے تو دوڑتے ہی رہے ہوتے جب اس پہاڑی پر پہنچے پھر ہاں جاؤ جب اس پہاڑی پر پہنچے پھر یہاں آؤ ۔ آخر یہ کیوں ۔ نہیں کیا معلوم کیوں ۔ ایک بڑھیا کا قصہ یاد آیا سعی کرتی کرتی بیچاری جب تھک گئی تو مطوف سے کہنے لگی اجی مولوی جی چھوڑ دو معاف کر دو ۔ اب تو میں بہت تھک گئی ۔ مولوی جی بیچارے کیا معاف کر دیں وہ خود اسی میں مبتلا ہیں ۔ غرض عجیب لطف ہے اور دیکھئے اچھے خاصے بال بنے ہوئے ہیں انہیں منڈواؤ ۔ سر کو خربزہ بنا دیا ۔ سر منڈا ہوا ہے ۔ عجیب لطف ہے اُن کے دل سے پوچھو کہ اسی میں باغ باغ ہیں پہلے جو اس پر ہنستا تھا آج وہ بھی ایسا ہی بنا ہوا ہے ۔ وہی حالت ہے جو حضرت شیخ عبد القدوس

گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پہنس کر حضرت مولنا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کی ہوگئی تھی۔ ایک جولاہہ شیخ کا مرید تھا مولانا جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی جایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ تھانیسر تشریف لائے وہ جولاہہ مولنا کے پاس گیا۔ اُنہوں نے کہا تمہارے پیر آئے ہیں جونا چا کرتے ہیں اُسے یہ فقرہ بہت ناگوار ہوا شیخ سے جا کر کہا کہ فلاں شخص ایسا کہتے تھے شیخ کو جلال آگیا۔ فرمایا کہ اب جانا تو کہدینا کہ وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے اور نچایا بھی کرتے ہیں۔ یہ سُنکر بڑا خوش ہوا۔ اور مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور قصداً چھیڑا۔ حضرت کیا فرمایا تھا۔ اُنہوں نے پھر فرمادیا۔ اُس نے عرض کیا حضرت وہ ناچا بھی کرتے ہیں اور نچایا بھی کرتے ہیں۔ اس فقرہ کا سُننا تھا کہ بس کھڑے ہو کر رقص کرنے لگے۔ اب کسی طرح سکون نہیں ہوتا۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کیا کہ خادم کو بھی بیعت کر لیجیے۔ چنانچہ مُرید ہوئے اور اس مرتبہ کو پہنچے کہ شیخ کے ارشد الخلفاء میں سے ہوئے۔ ہمارے سلسلہ کے بزرگوں میں ہیں۔ تو شیخ نے تو ذرا سی دیر کیلئے اُن کی یہ حالت بنائی تھی اور یہاں پر مدتوں کیلئے یہ حالت بنائی گئی ہے۔ یہ تو مکہ تک تھا۔ اُس کے بعد پھر آٹھویں ذی الحجہ کو فجر کی نماز پڑھ کر منیٰ میں آ گئے اُس دن کو یوم الترویہ کہتے ہیں یہاں ظہر۔ عصر مغرب عشاء۔ اور فجر کی نمازیں اپنے اپنے وقت میں پڑھئے اُس کے بعد منیٰ سے نویں تاریخ یوم عرفہ کو عرفات میں آ گئے۔ خدا کی قدرت ہے عرفات ایک میدان ہے۔ مزدلفہ اُسی کے متصل ہے ایک بالشت ادھر تک تو کچھ نہیں جہاں ایک بالشت اُدھر قدم رکھا بس اُسی وقت سے حاجی کہلانے لگے۔ الحج عرفۃ یعنی وقوف عرفہ ہی حج ہے اس معنیٰ کر کہ یہ سارے فرائض میں سب سے بڑھا ہوا ہے اور فرائض کا تو بدل بھی ہے۔ مگر وقوف عرفہ کا کوئی بدل نہیں جس سے یہ ترک ہو اُس کا حج ہی نہیں اور سوائے اسکے کوئی تدارک نہیں کہ آئندہ سال قضا کرے۔ اللہ اکبر حیرت ہے یہ ایک قدم ایسا ہے جس کے لئے لاکھوں جانیں لاکھوں راحتیں لاکھوں روپے لاکھوں قدم فدا کر دیے۔ تو وہ ہے یہ قدم۔ اسی طرح بزرگوں نے فرمایا ہے کہ وصول تو دفعۃً ہوتا ہے سیر میں البتہ زمانہ خرچ ہوتا ہے۔ اور وصول میں تو کچھ دیر نہیں لگتی وہ تو آنی ہے اُس میں زمانہ بھی نہیں خرچ ہوتا۔ اب

۲۱۷

وہاں پہنچکر خوش ہیں۔ بس رہو یہاں شام تک۔ ایک روزمرّہ کا کام تھا نماز اُس کی یوں کایا پلٹ دی کہ پہلے تو وقت پر پڑھا کرتے تھے آج ظہر کے وقت عصر کی بھی نماز پڑھ لو حضرت ابھی تو وقت نہیں آیا ہے کہاں کا وقت اور کیسا وقت آج عصر کا وقت یہی ہے۔ وجہ وجہ یہی کہ ہمارا حکم ہے۔ حیرت میں ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اب دن چھپا مغرب کی نماز کیلئے تیار ہوئے۔ خبردار یہاں مت پڑھنا۔ یہاں پڑھوگے تو ہوگی نہیں۔ آج مغرب وعشا کا وقت ساتھ ساتھ آئے گا۔ یہ کیا قصہ ہے۔ عقل حیران ہے کہ عصر کی نماز کو ظہر کیساتھ کردیا اور مغرب کو عشا کے ساتھ۔ خیر جب غروب ہوگیا تو مزدلفہ میں آئیے۔ یہاں عشا و مغرب کی نماز ساتھ ساتھ پڑھئے۔ پہلے مغرب پڑھیے پھر عشاء۔ اگر اس کا عکس کردیا تو عشا پھر سے پڑھئے۔ حالانکہ اور ایام میں غیر صاحب ترتیب کو جائز تھا کہ وہ عشا پہلے پڑھ لے اور پھر مغرب مگر یہاں جائز نہیں کیونکہ آج مغرب ادا ہے گو وقت نکلنے سے قضا معلوم ہوتی ہے اس کے بعد اب صبح ہوئی فجر کی نماز اوّل وقت پڑھئے اور آفتاب نکلنے سے پہلے جب روشنی ہو جائے تو مزدلفہ سے چل کر منی میں آئیے یہ دسویں تاریخ کا دن ہے یہاں کیا کیجئے کہ سب سے پہلے جمار ثلٰث پر سات سات کنکریاں مارو اُس کے بعد قربانی کرو پھر سر منڈواؤ۔ اس کا حد عقل سے آگے ہونا ابھی بیان ہی کرچکا ہوں۔ یہاں تین دن ٹھیرو۔ تیرھویں کو اختیار ہے کہ ٹھیرو یا جاؤ۔ آگے پھر طواف زیارت کرو۔ پھر جو جی چاہے کرو۔ لیجئے حج ختم ہوگیا۔ اب بتائیے اس میں کونسی بات عقل کے موافق ہے۔ لوگ خلاف عقل ہونے سے ان افعال کو بے وقعت ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مگر ہمارے نزدیک یہی خلاف عقل ہونا وقعت کو بڑھاتا ہے ؎ معشوق من است آنکہ بنزدیک تو زشت است (ترجمہ جو تمہارے نزدیک ناپسند ہے وہی ہمکو محبوب ہے ۱۲ محمد صابر عفرلہ) جتنا تم مخالفات عقل کی فہرست بڑھاؤ گے ہمارے دعوے کی دلیل کو قوت ہوتی جائے گی۔ کیونکہ دعویٰ تو یہ تھا کہ حج میں فنائے اتم ہے بالکل مردہ کردیا ہے ؎ یا بدست دگرے دست بدست دگرے (ترجمہ دست دیا دوسروں کے قبضے میں ہیں ۱۲ محمد صابر عفرلہ) کیونکہ حی کا خاصہ ہے کہ متحرک بالارادہ ہو انہوں نے اپنے ارادہ کو بالکل مٹا دیا ہے۔ کوئی حرکت اُن کی اپنے ارادہ سے نہیں ہوتی۔ انکی وہ حالت

۲۱۸

ہے کہ ہر حاجی بزبان حال کہتا ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو	دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

(ترجمہ۔ یعنی زندہ کریں آپکی عطا ہے اگر قتل کریں آپ پر قربان ہیں۔ دل آپ پر فریفتہ جو کچھ تصرف کریں ہم راضی ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

دوسرا شعر جو حج پر صادق آتا ہے ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن	دل بدست دیگرے دادن و حیراں بودن

(ترجمہ عاشقی کیا ہے؟ محبوب کا بندہ بن جانا دل دوسرے یعنی محبوب کے قبضہ میں دیدینا اور حیران رہنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اپنے کو دوسرے کے قبضہ میں دیدیا اور حیران ہیں ؎

سوئے زلفش نظرے کردن و رویش دیدن	گاہ کافر شدن گاہ مسلماں بودن

(ترجمہ محبوب کے زلف کی طرف نظر کرنا اور اس کے چہرۂ انور کو دیکھنا۔ کبھی فانی ہونا اور کبھی باقی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

۲۱۹

کفر کے معنی ہیں ستر۔ چونکہ اپنا ارادہ اپنی ہستی مستور ہو جاتی ہے۔ اس لئے فنا کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں اور اسلام بقا کو کہتے ہیں تو اب معنی یہ ہوئے کہ گاہ فانی شدن و گاہ باقی بودن (کبھی فانی ہونا اور کبھی باقی ہونا) اور فنا کی تجلی کو زلف سے تعبیر کرتے ہیں اور بقا کی تجلی کو رخ سے ؎

سوئے زلفش نظرے کردن و رویش دیدن	گاہ کافر شدن و گاہ مسلماں بودن

یہ حالت ہے گویا حج کی کہ فنائے اتم کی شکل تو بنا ہی دی۔ اب ہمیں عبرت پکڑنی چاہئے کہ معنی فنا کا بھی کوئی حصہ میسر ہو۔ اگر ہوا تو مبارک ہو ورنہ نرا مرور تو ایسا ہی ہے کہ ؎

خر (گدھا ۱۲ احقر) عیسیٰ اگر بمکہ رود	چوں بیاید ہنوز خر باشد

(ترجمہ خر عیسیٰ اگر مکہ میں جاوے تو مکہ کی واپسی کے بعد بھی خر ہی رہتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اگر کوئی یہ کہے کہ یہ حصہ کیسے نصیب ہو سو وہ بہت سہل ہے۔ تم اس کا قصد کر لو۔ جو قصد کر لیتا ہے اس کا حج حج بیت نہیں رہتا بلکہ رب البیت ہو جاتا ہے۔ جس کی نسبت ارشاد ہے ؎

ترجمہ	حج زیارت کردن خانہ بود		حج رب البیت مردانہ بود

ترجمہ - خانہ کعبہ کی زیارت کرنا حج ہے - اسمیں خانہ کعبہ کے مالک کی نیت کرنا حج مردانہ ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ

یہ روح ہوئی حج کی اور قربانی کی کہ فنائے اتم حج کی روح ہے اور فنائے تام قربانی کی نفس فنا میں دونوں شریک ہیں مگر چونکہ قربانی میں عقل کے خلاف کم ہے - فقط اتعاب نفس ہے - اس لئے فنا تو وہ بھی ہے مگر حج کے برابر نہیں ہے اور دونوں میں تام اور اتم کا تفاوت ہے - تو یہ ان دونوں کی روح ہوئی - یہی وعدہ تھا میرا کہ میں ان دونوں کی روح کا بیان کرونگا - چنانچہ الحمد للہ وعدہ پورا ہوگیا - اس کے بعد ایک اور طاعت ہے جس میں خشک مزاج والوں نے اختلاف کیا ہے اور وہ زیارت مدینہ ہے - اُس کی روح کیا ہے - اُس کی روح یہ ہے کہ فنا کے مرتبے تک بھی جو کہ روح ہے حج کی مع قربانی کے پہنچ کر یوں سمجھ لے کہ سلوک ووصول میں تفرد کافی نہیں - اب بھی شیخ کی حاجت ہے کیونکہ بغیر اس کے فنا مثمر (ترجمہ نتیجہ خیز ۱۲ ص) نہیں تو شیخ الشیوخ کی زیارت سے اُس وابستگی کو تازہ کرلو جو شیخ کی ساتھ حاصل ہے تاکہ فنا کا ثمرہ ظاہر ہو - واقعی زیارت مدینہ بڑی برکت کا عمل ہے - جو اہلِ قلب ہیں اُن کو بڑے بڑے ثمرات عطا ہوتے ہیں - اگر کوئی حج سے پہلے زیارت کرلے تو استعداد اُن ثمرات کے حصول کی پیدا ہو جاتی ہے جو حج یا بعنوان دیگر فنا پر مرتب ہوتے ہیں اور اگر بعد میں زیارت کرے تو اُن ثمرات کی تکمیل ہو جاتی ہی - عجیب جگہ ہے - وہاں اللہ کے بندے بڑی بڑی دولتوں سے مشرف ہوئے ہیں - حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو آپ نے روضۂ مقدسہ پر جا کر آواز بلند عرض کیا - السلام علیک یا جدی (ترجمہ دادا صاحب السلام علیک ۱۲ محمد صابر غفرلہ) جواب آیا وعلیک السلام یا ولدی (ترجمہ بیٹا وعلیک السلام ۱۲ محمد صابر غفرلہ) خلاف توقع جواب ملا تو وجد کرنے لگے اور عرض کرنے لگے ؎

في حالة البعد روحي كنت ارسلها		تقبل الارض عني وهي نائبتي

یعنی دوری میں تو روح کو قدم بوسی کیلئے اپنا نائب بناکر بھیجا کرتا تھا -

فهذه دولة الاشباح قد حضرت		فامدد يمينك كي تحظى بها شفتي

۲۲۰

یعنی اب جسم کی باری آئی ہے اپنو ذرا ہاتھ بڑھا دیجیے تاکہ میں اُس کو بوسہ دوں۔ دیکھا کہ ایک ہاتھ نکلا جیسے کالشمس فی نصف النہار (ترجمہ دوپہر میں سورج ۱۲ محمد رضا غفرلہ) جس کی نورانیت نے آفتاب کو بھی ماند کر دیا تھا۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ نے لکھا ہے کہ جس وقت یہ واقعہ ہوا ہے تو نوّے ہزار آدمی مشاہدہ کر رہے تھے۔ ایک ہل چل پڑگئی پھر نہایت شوق وادب سے ہاتھ چوما۔ ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا تم کو احمد رفاعی پر رشک بھی ہوا تو فرماتے ہیں۔ ہم تو ہم اُس وقت تو حاملان عرش رشک کر رہے تھے۔ اللہ اللہ یہ دولت۔ جب آپ کو افاقہ ہوا تو دیکھا کہ لوگوں میں بڑی عزت ہو رہی ہے۔ آپ نے نفس کا معالجہ کیا۔ صاحبو! جب ایسے ایسوں کو علاج کی ضرورت ہے۔ تو ہم کیسے مخدوم ہو سکتے ہیں۔ ہمیں تو بدرجۂ اولیٰ علاج کی حاجت ہے۔ آپ نے معالجہ یہ کیا کہ مسجد نبوی کی دہلیز پر لیٹ گئے اور فرمایا کہ میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے اوپر سے گذرو تاکہ ذلت ہو۔ لوگوں نے پھاندنا شروع کیا۔ ایک بزرگ تھے اُن سے کسی نے پوچھا کہ آپ نہیں پھاندے۔ فرمایا اگر میں ایسا کرتا تو مجھے آتش قہر جلا ڈالتی۔ وہ اندھے تھے جو پھاندے۔ تو اللہ کے بندوں کو وہاں یہ یہ دولتیں نصیب ہوتی ہیں۔ اتنی بڑی دولت کو بعض خشک مزاج بلا دلیل کہتے ہیں کہ ناجائز ہے۔ بہرحال اس وقت میرا اصل مقصود بیان کرنا تھا روح حج وقربانی کو سو بیان کر چکا کہ ان کی روح فنا ہے۔ اب انفاق مالی کی روح کا بیان باقی رہا سو وہ انفاق سے بقا ہے جو فنا کا ثمرہ بھی ہے اور اس مناسبت سے بھی دونوں کا بیان میں جمع کرنا مستحسن ہوا اور حقیقت بقاء کی یہ ہے کہ اپنے ارادوں کے اندر پھر ایک حالت فاعلیت کی پیدا ہو گئی۔ علوم واعمال کا پھر عود ہو گیا وہ پھر تازہ ہو گئے وہ حرکت ارادیہ پھر کام دینے لگی۔ مگر جیسا قبل فنا دینی تھی ویسا نہیں۔ مثلاً پہلے جو حرکت ہوتی تھی وہ اپنے ارادہ اور اپنے نفس کے اتباع سے ہوتی تھی۔ اس کے بعد مرتبۂ فنا میں وہ منقطع ہو گئی تھی۔ اب مرتبۂ بقاء میں پھر ہونے لگی لیکن اب ارادۂ عبد بالکل ارادۂ حق کے تابع ہے یعنی ارادات بشریہ اب اس کے لئے امور طبعیہ بن گئے ہیں اور اسکے ساتھ افاقہ بھی ہے۔ کسی سے راضی ہے کسی پر غصہ بھی ہو رہا ہے۔ انتظام بھی کرتا ہے روپیہ پیسہ بھی لیتا ہے غرض سلطنت تک کرتا ہے۔ اور اُس وقت یہ حالت تھی ؎

احمد تو عاشقی بمشیخت ترا چہ کار   دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(ترجمہ یعنی احمد تو عاشق ہی مشیخت سے تجکو کیا کام ؟ دیوانہ ہو سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور اب وہ حالت ہے ع خاص کند بندۂ مصلحت عام را + خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ عام کی مصلحت کیلئے کسی شخص کو خاص کر لیتے ہیں تو اب یہ حالت ہے کہ ایک لاکھ روپیہ لیتا ہے اور اُس کا انتظام کرتا ہے۔ مگر اس طور پر کہ نفس کا کہیں شائبہ نہیں ہوتا تو اس مرتبہ میں پہنچکر اس کی وہ حالت ہوتی ہے جو انبیاء کی ہے کہ صاحب مال صاحب جاہ سب ہی کچھ ہوئے۔ اور اب وہ کام کرتا ہے جو کرنا چاہیے پورا تخلق باخلاق اللہ (ترجمہ عادت بنانا اللہ کے اخلاق کے ساتھ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ پہلے فنا کے مرتبے میں تو وہ افعال اسکے نہ رہے تھے اور اب بقاء کے مرتبے میں تخلق باخلاق الالٰہیہ باختیار العبد (ترجمہ اخلاق الٰہیہ کا تخلق بندہ کے اختیار سے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) حاصل ہے۔ حق تعالیٰ کے اخلاق تصرف انتظام غصہ کی جگہ غصہ رحم کی جگہ رحم جو صحابہ کی شان تھی کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (یعنی ع وہ کافروں پر سخت تھے آپس میں تھے سب رحمدل۔ جامع) اس سے اسکے افعال اسی کے اختیار سے صادر ہوتے ہیں۔ فنا میں یہ بات نہ تھی وہاں مجبوری اور حیرانی غالب تھی اور بقاء میں تمام افعال منضبط ہوتے ہیں کہ دیکھنے والے کو اس کے مرتبے کا پتہ بھی نہیں چلتا مگر مرتبہ اس کا ایسا عظیم ہے کہ ؎

۲۲۲

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق   ہر ہوسناکے نداند جام و سندان باختن

(ترجمہ یعنی ادہر شریعت کا خیال اُدہر عشق کا خیال شریعت اور عشق دونوں کے مقتضی پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور یہ حالت انبیاء و اولیاء کاملین کی ہوتی ہے کہ وہ اخلاق الٰہیہ کے ساتھ متصف ہو جاتے ہیں اور اخلاق الٰہیہ میں سے ایک خلق یہ بھی ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچانا اور نفع عام ہے ظاہری بھی باطنی بھی اسی واسطے بیضاوی نے وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (ترجمہ اور جو کچھ دیا ہے ہمنے اُن کو اُس میں سے خرچ کرتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وَمِنْ اَنْوَارِ الْمَعْرِفَةِ يُفِيضُوْنَ (ترجمہ انوار معرفت میں سے فیض پہنچاتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) چنانچہ اگر ان کو

مال ملا تو وہ اُس میں سے بھی دیتے ہیں اگر اُن کو علم ملا تو وہ اُس میں سے بھی دیتے ہیں۔ اگر اُن کو انوار ملے تو وہ اُن میں سے بھی دیتے ہیں اور اس خلق خاص کو جود کہتے ہیں اور یہ سب افراد نفع کو عام ہے اس میں زکوٰۃ بھی آگئی۔ پس وہ بھی جود کی ایک قسم ہے۔ سو اس میں زکوٰۃ کی روح بھی مذکور ہوگئی کہ بقا ہے۔ بلکہ تمام انفاقات مالیہ کی روح آگئی۔ صدقۂ فطر کی بھی زکوٰۃ کی بھی۔ اور آیت میں جو ہے فَكُلُوا مِنْهَا (ترجمہ: اس میں سے تم بھی کھاؤ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اس میں یہ سب داخل ہوگیا باقی اگر کوئی کہے کہ آیت میں تو صرف قربانی کے گوشت کے متعلق انفاق (خرچ کرنا ۱۲ ص) کا حکم ہے اس میں دوسرے انفاقات کیسے آگئے تو بات یہ ہے کہ خصوصیت اسکی مقصود مقام نہیں۔ بلکہ محض اغنائے (غنی کرنا ۱۲ ص) مساکین مقصود ہے اس لئے سب اسی کے حکم میں آگئے بلکہ یہ دلالت ایک اعتبار سے صریح دلالت سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ یہ مستحب ہے اور زکوٰۃ فرض اور صدقۂ فطر واجب جب یہ مستحب مہتم بالشان ہے تو وہ فرض و واجب تو بدرجۂ اولیٰ مہتم بالشان ہوگا۔ تو مستحب کے ذکر میں واجب فرض کا ذکر بھی آگیا۔ پس حاصل ان سب کا جود ہے اور اُس کی روح بقا ہے اور اس سے قبل فنا تھا جو روح تھی حج و قربانی کی اور فنا کے قبل مشاہدہ تھا جس کے اثر سے فنا ہوا اور یہ روح تھی اعمال عید کی اور مشاہدہ سے قبل مجاہدہ تھا جو روح تھی اعمال صوم کی سبحان اللہ جس ترتیب سے ان اعمال کا بیان ہوا یہی ترتیب سلوک کی بھی ہے کہ سب سے پہلے مجاہدہ اور اس کے بعد مشاہدہ پھر اس کے غلبہ سے فنا، اور اُس کے بعد بقا، بحمد اللہ وہی ترتیب یہاں بھی رہی اگر کوئی کہے کہ جب سلوک کی یہ ترتیب ہے تو سب احکام اسی ترتیب سے واجب ہونا چاہئیں حالانکہ ایسا نہیں ہے چنانچہ بعضوں پر حج فرض نہیں اور زکوٰۃ فرض ہے اسکا جواب یہ ہے کہ سب کو مختلطاً اس لئے مشروع کیا ہے کہ ان سب میں باہم ارتباط و مناسبت بھی ہے۔ پس سب کو شروع کر دینے سے جس وقت ختم پر پہنچیں گے دفعۃً کمال حاصل ہو جائے گا جیسا کہ کتب درسیہ میں کہ مختلف فنون کا سلسلہ ساتھ ساتھ چلتا رہا جس وقت ہر فن کی کتاب کا اخیر ورق ختم ہوا پس دفعۃً محدث بھی ہوگئے اور مفسر بھی بن گئے۔ سو یہی طرز یہاں رکھا ہے۔ اب وہ شبہ بھی رفع ہوگیا۔ الحمد للہ حسب تفہیم حق سبحانہ و تعالیٰ سب کا بیان ہوگیا اب ترجمہ ان آیات کا کئے دیتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے

۲۲۳

کہ جن طاعات کی نسبت میں نے دعویٰ کیا تھا کہ وہ ان آیات کی مدلول ہیں وہ تینوں اس میں مذکور ہیں یا نہیں۔ بس فرماتے ہیں وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا اُس وقت کو یاد کیجئے اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کیلئے خانہ کعبہ کی جگہ مقرر کردی۔ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ سے پہلے وَاَمَرْنَا مقدر ہے یعنی ہمنے یہ بھی حکم دیا کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ سبحان اللہ پہلے ہی سے انسداد کردیا۔ کہ کہیں کوئی اس کی تعظیم سے شبہ معبودیت کا نہ کرلے۔ آخر آریوں کو شبہ ہوا ہی جس پر اعتراض چلا دیا۔ ابھی جگہ ہی تبلائی تھی کہ فرمادیا کہ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا سبحان اللہ کیسا انتظام ہے۔ اس فرمانے سے معلوم ہوگیا کہ یہ بیت خود مقصود نہیں بلکہ اس وجہ سے اس کا قصد کیا جاتا ہے کہ یہ مقام ہے اُس کی تعظیم کا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْقَائِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور میرے بیت کو پاک رکھنا اقذار ظاہری سے کہ خس وخاشاک ونجاسات ہیں اور اقذار باطنی سے بھی کہ اصنام ہیں جس سے قریش نے ملوث کیا تھا کہ خانہ کعبہ کو بتوں سے بھر دیا تھا سو اس کی وہیں سے جڑ کاٹ دی وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ اور ہم نے حکم دیا ابراہیم علیہ السلام کو کہ اعلان کر دیجئے لوگوں میں حج کا آئیں گے لوگ پیادہ ہوکر اور دُبلی اونٹنیوں پر کہ آئی ہوں گی وہ بڑی دور دراز سے۔ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ میری آواز اتنی کہاں جو میں تمام دنیا کے لوگوں میں ندا دے سکوں۔ ارشاد ہوا تم پکارو آواز کا پہنچا دینا ہمارا کام ہے چنانچہ اُنھوں نے ایک پہاڑ پر چڑھ کر پکار دیا کہ اے لوگو چلو اللہ کے گھر کا حج تم پر فرض ہے تو جس جس کی تقدیر میں حج لکھا جا چکا تھا سب ارحام امہات اور اصلاب آباء (ترجمہ ماؤں کے رحموں باپوں کے اصلاب ۱۲ محمد صابر غفرلہ) میں سے لبیک لبیک (ترجمہ ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بول اُٹھے اور اپنے اپنے زمانہ میں حج ادا کیا اور کریں گے۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سالک کو ذکر و شغل سے ثمرات کے منتظر نہ رہو۔ یہ تو ہمارا کام ہے تم اپنے کام میں لگے رہو۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کے پاس کوئی ایسی تدبیر نہ تھی کہ وہ اپنی آواز کو اتنی دور پہنچا سکتے مگر ہمنے پہنچا دیا۔ اسی طرح تمہیں ثمرات کی کیا فکر تم اپنے کام میں لگے رہو۔ [illegible] کار خود کن کار بیگانہ مکن (ترجمہ [illegible])

ثمرات کی فکر میں نہ پڑو ۱۲ محمد صابر غفرلہ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے پکار آگے بتلاتے ہیں کہ کیا غایت ہے اس پکار سے کی لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ تاکہ حاضر ہوں اپنے منافع کے پاس یہ عام ہے خواہ منافع دینیہ ہوں یا دنیوی اور دینی منافع میں تو بہت بڑا نفع یہ ہے کہ وہاں طاعت کرینگے کتنی بڑی فضیلت ہے اور دنیوی نفع یہ کہ بہت سی آبادی ہوگی اس میں تجارت کریں گے زراعت کرینگے اور بہت سی فائدے اٹھاویں گے ۔ مگر فرق اور مقام کی تجارت میں اور یہاں کی تجارت میں یہ ہے کہ یہ للاعانۃ علی الدین (ترجمہ دین کی اعانت کی وجہ سے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہونا چاہیے یعنی حج میں تجارت کا مال ساتھ لیجانے میں نیت یہ ہو کہ اگر مال ہوگا اطمینان رہیگا ۔ ورنہ پریشانی ہوگی ۔ اور پھلا حج تو عبادت ہے ۔ اس میں دنیا کا کیا مقصود ہوتی جہاں کسب دنیا کا بھی ذکر ہے وہاں بھی اسکو مقصود نہیں ہونے دیا اس کے ساتھ ہی دین کے مقصود بنانے کا حکم دیا چنانچہ جمعہ کے باب میں جہاں فرمایا فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ (ترجمہ یعنی جب نماز جمعہ پوری ہوچکے تو اس وقت اجازت ہے کہ تم زمین پر چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اسی کے ساتھ یہ بھی فرمادیا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا خوب کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو ۔ غرض دنیائے محض کی کہیں بھی اجازت نہیں اور جب اسلام کا یہ حاصل ہے کہ اس میں دنیا محض ہے ہی نہیں تو مسلمان کو یہ نہ کہنا چاہیے کہ ہم دنیا دار ہیں ۔ اصل دنیا دار تو صرف کافر ہی ہیں تم شرائع کا التزام کرتے ہو یا نہیں کرتے ہو ۔ جب تم شرائع کا التزام کرتے ہو تو پھر دنیدار ہو دنیا دار کہاں سے آئے ۔ اب اس شعر کے معنے بھی سمجھ میں آگئے ؎

اہل دنیا کافران مطلق اند	روز و شب در زق زق و در بق بق اند

(ترجمہ یعنی صرف کفار اہل دنیا ہیں رات دن زق زق بق بق میں گرفتار ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اہل دنیا چہ کہین وچہ مہین	لعنت اللہ علیہم اجمعین

(ترجمہ یعنی دنیا دار خواہ بڑے ہوں یا چھوٹے سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ظاہر میں سارے دنیاداروں کو کافر مطلق کہدیا جس سے شبہ تکفیر مسلم کا بھی ہوتا ہے جو مشغول بالدنیا ہے ۔ سو مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس کی توجیہ یہ فرمائی تھی کہ اہل دنیا

۲۲۵

خبر مقدم ہے اور کافران مطلق مبتدائے مؤخر مطلب یہ کہ کفار صرف اہل دنیا ہی ہوتے ہیں ۔
مسلمان دنیا دار ہی نہیں ہوتے ۔ سو یہ توجیہ نہایت لطیف ہے یعنی دنیائے محض کے طلب
کرنے والے جن کو دین کی بالکل پروا نہیں وہ کافر ہی لوگ ہیں اور جو شرائع کا التزام کرتے
ہیں وہ اگرچہ دنیا بھی حاصل کریں ۔ مگر دنیا دار نہیں بلکہ دیندار ہیں اگرچہ ضعیف درجہ کے ہی
تو کسی مسلمان کو اپنے کو دنیا دار نہ کہنا چاہیئے ۔ یوں کہیئے ہم مسلمان ہیں خطا وار ہیں ۔ انکسار
و تواضع کے لیئے یہی کافی ہے ۔ دنیا دار کیوں کہو یہ تو ایسی تواضع ہوئی کہ ایک مرتبہ ریل
میں ایک صاحب سوار تھے جو جنٹ تھے اُن کے ساتھ اور بھی دو چار مسخرے وکیل وغیرہ
تھے یہ سب کے سب ملکے ایک اجنبی مسافر کو بنا رہے تھے اتفاق سے جسے بنا رہے تھے
وہ بھی کہیں منصف تھا مگر ہندو تھا جب کھانا کھانے بیٹھے تو جنٹ صاحب کہنے لگے ۔ کہ
آپ بھی گوہ موت کھا لیجیئے ۔ دوسرے صاحب نے کہا کہ ہائیں کھانے کو گوہ موت کہتے ہو
کہنے لگے اپنے کھانے کو کھانا کہنا یہ تو تکبر ہے ۔ اور ایک صاحب کا نام نتھو تھا کسی
شخص نے پوچھا ۔ آپ کا نام ؟ تو آپ تواضع سے کہتے ہیں ۔ آخ تھو کتّے کا گوہ ۔ میاں
نتھو ۔ تو یہ تواضع تو ایسی ہی ہوئی ۔ آج تواضع سے دنیا دار کہا ہے کل اور تواضع بڑھیگی
تو کافر کہوگے اچھی تواضع ہوئی ۔ غرض تم سب دیندار ہو ۔ کوئی دنیا دار نہیں ۔ مسلمان تو
دنیا میں اگرچہ کتنا ہی توغل ہو مگر اُس پر غلبہ دنیا کا نہیں ہو سکتا ۔ غرض جب جمعہ میں
وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا (ترجمہ خوب کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) فرمادیا تو حج میں کیسے
نہ ہوگا ۔ اور اس تجارت فی الحج کا درجہ مقصود بالعرض ہونے میں ایسا ہے جیسے حالت روزہ
میں غسل کرنے کا ۔ کیا اچھا فیصلہ ہے ۔ کہ اگر غسل جزع فزع کی وجہ سے ہے تو مکروہ ہے
اور اگر ازالہ جزع فزع کیلیئے ہے کہ اعانت علی الصوم ہے تو جائز ہے ۔ چنانچہ ابوداؤد
میں روایت ہے کہ آپ نے روزہ میں غسل کیا تو جیسے غسل روزہ میں ہے ویسے تجارت
حج میں ہے کہ اگر حج اس لیئے ہے کہ تجارت کرینگے تو مکروہ و ناجائز ہے اور اگر تجارت اسلیئے
ہے کہ حج اچھی طرح اطمینان سے کر سکیں گے تو جائز ہے ۔ آگے فرماتے ہیں وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ
فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ اور ان چند متعین دنوں میں اللہ کا ذکر کریں

یعنی ذبح کریں اور اللہ کا نام لیں۔ اور یہ ذبح خواہ استحباباً ہو یا وجوباً پھر فرماتے ہیں فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ پھر کھاؤ اُن میں سے۔ یہاں سے اُمت محمدیہ کو خطاب ہے اب تک ابراہیم علیہ السلام کو خطاب تھا۔ مگر چونکہ وہ بھی بلا انکار تھا۔ اس لئے ہمیں بھی تھا۔ یعنی اُن میں سے تم بھی کھاؤ وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔ یہ مطلب نہیں کہ اغنیاء کو مت کھلاؤ نہیں اغنیاء کو بھی کھلاؤ۔ چنانچہ کُلُوا سے یہ سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کسی غنی نے قربانی کی تو وہ بھی کُلُوا میں داخل ہے تو غنی کو بھی کھانا جائز ہوا تو اُس کو کھلانا بھی جائز ہوا بلکہ چاہے سب کھا لو کسی کو بھی مت کھلاؤ نہ فقیر کو نہ غنی کو مگر مستحب وہی ہے ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ۔ پھر اپنا میل کچیل دور کریں یعنی بال منڈائیں ناخن کٹائیں نہائیں دھوئیں بدن کو صاف کریں وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ اور چاہیئے کہ اپنی منتوں کو پورا کریں۔ نذور سے مراد مطلق واجبات کہ وجوب میں مثل منذور کے ہیں وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ اس کو عتیق اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ معتق و محفوظ ہے جبابرہ سے۔ حق تعالیٰ نے اُسے آزاد رکھا ہے۔ یعنی اور چاہیئے کہ بیت عتیق کا طواف کریں۔ یہ ترجمہ ہوا ان آیات کا اس سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ اُس میں تینوں عمل مذکور ہیں۔ حج بھی قربانی بھی انفاق مالی بھی مگر آیت ملی ہے ذرا ڈھونڈھنے سے۔ الحمد للہ جو کچھ میرا مقصود تھا وہ بیان ہو چکا۔ اب حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم نکتوں ہی میں نہ رہیں عمل بھی کریں اور جن پر حج فرض ہے وہ حج بھی کریں اور خرچ ہو تو مدینے بھی جائیں اور ایک مسئلہ اچھی طرح سمجھ لو کہ جو لوگ مکہ اور مدینہ دونوں کے خرچ کو ملا کر اتنے خرچ ہونے پر حج فرض سمجھتے ہیں وہ بڑی غلطی میں ہیں جس کے پاس مکہ تک کا خرچ ہے اُس پر حج فرض ہے وہ حج کو جائیں البتہ جن پر حج فرض نہیں ہے وہ آجکل نہ جائیں۔ کیونکہ جب فرض نہیں تو کیا ضرورت ہے کہ خدشہ میں پڑو اگرچہ یہ خدشہ ضعیف ہی ہے اسکے علاوہ آجکل کرایہ بھی گراں ہے اور گنجائش ہو تو مدینہ کو بھی جائیں کہ بڑی فضیلت ہے ؎

نہے سعادت کہ آں بندۂ کہ کرد نزول	گہے بہ بیت خدا گہے بہ بیت رسول

(ترجمہ بڑی خوش نصیبی اُس بندہ کی کہ اُس نے کبھی خانہ کعبہ کی زیارت کی اور کبھی مدینہ کی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

۲۲۷

ہر چند کہ قربانی کی فضیلت کا بیان ظاہراً قبل از وقت (ترجمہ وقت سے پہلے۔ محمد صابر) ہے مگر ایک معنی کر قبل از وقت نہیں۔ اس لئے کہ جس کو یہ فضیلت حاصل کرنا ہو وہ پہلے سے قربانی کے جانور خرید لے اور انہیں کھلا پلا کر خوب موٹا تازہ کرے۔ سو اگر کسی نے یہ بیان سنکر اس وقت جانور قربانی کا خرید لیا تو اس اعتبار سے خاص یہ بیان قبل از وقت نہوا وقت پر ہی ہوا۔ اور پہلے سے خریدنے میں اسلئے بھی فضیلت ہے کہ پہلے سے خرید کر اسکو جتنا کھلائے پلائیگا اُس جانور سے اُنس ہوگا اور ارشاد ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (ترجمہ یعنی تم خیر کامل کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو گے۔ محمد صابر غفرلہ) تو جب محبوب کو ذبح کریگا تو یہ فضیلت خاص بھی اُسکو حاصل ہوگی۔ باقی رہی زکوۃ و صدقہ واجبہ و نفل سو گو اُس کا کوئی مہینہ مقرر نہیں مثلاً زکوۃ ہے کہ جب حولان حول (ترجمہ سال کا گذرنا۔ محمد صابر غفرلہ) ہو جائے جب دینا چاہیے۔ تو اس شخص کیلئے یہ بیان شاید قبل از وقت سمجھا جاوے۔ لیکن محتمل اور ممکن تو ہے کہ کسی کا سال شوال یا ذیقعدہ ہی میں پورا ہوتا ہو تو اُسکے اعتبار سے بھی یہ مضمون احتمالاً مناسب ہے اور جن عبادات کی ارواح رمضان میں مذکور ہوئی تھیں اُن کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے اور اہتمام کے ساتھ سب سے بڑی ضرورت حق تعالیٰ سے دعا کرنے کی ہے۔ اب دعا کیجئے کہ ہمیں فہم اور عمل کی توفیق عطا فرماوے۔

تمت

محمد یامین خان خوشنویس سیالکوٹی

روح الارواح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمداً عبدہ ورسولہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ وبارک وسلم **اما بعد** فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآءُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ؕ (ترجمہ یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ اُن کا خون ولیکن اُسکے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا مسخر کر دیا تاکہ تم (اللہ کی راہ میں قربان کرکے) اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ اُس نے تم کو (اس طرح قربانی کرنیکی) توفیق دی اے محمدؐ! آپ اخلاص والوں کو خوشخبری سُنا دیجئے ۱۲ محمد صابر غفرلہ۔)

یہ ایک آیت ہے سورۂ حج کی حق تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے اس میں مسئلہ اضحیہ یعنی قربانی کے متعلق جو دو مختلف گروہ مختلف غلطیاں کرتے ہیں اُنکا فیصلہ فرمایا ہے اور فیصلہ بھی نہایت عجیب وغریب کہ جس سے عوام تو عوام خواص بھی غافل ہیں خواہ وہ خواص اہلِ ظاہر میں سے ہوں یا اہلِ باطن سے حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان دونوں جماعتوں کی اصلاح اور ترمیم فرماکر ایک نہایت تحقیقی فیصلہ فرمایا ہے۔ اس مضمون کو یعنی قربانی کی روح کو شوال کے شروع میں کے وعظ روح الحج والثج[1] میں بضمن احکام حج کے بیان کرچکا ہوں گو اس عنوان خاص سے نہیں اور میں نے اُس وقت یہ بھی

[1] یہ وعظ سات وعظوں میں کا ایک وعظ ہے جن کا مجموعہ ملقب بہ ہفت اختر مستقلاً شائع ہوا ہے جن میں اعمال رمضان وفطر وحج کی خصوصیت کیساتھ مفصل اسرار بیان کئے گئے ہیں ۱۲ منہ۔

[2] پہلے یہ وعظ جدا طبع نہ ہوا تھا اس مرتبہ ہم نے مجموعہ ہفت اختر کے ساتھ شائع کردیا ہے

کہا تھا کہ جمعہ قریبہ ذی الحجہ میں اس کا بیان نہیں کیا جاویگا بلکہ قربانی کے احکام قریبہ بیان کئے جاویں گے لیکن اتفاق سے قلب میں پھر حرکت ہوئی کہ ویسا ہی مضمون پھر بیان کیا جاوے گو اس کا عنوان اُس بیان سابق کے عنوان سے بدلا ہوا ہوگا لیکن حقیقت اور مضمون اس بیان کا اور اُس بیان کا ایک ہی ہوگا۔ اب اس فیصلہ کے سُننے کے قبل اُن غلطیوں کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ کون کون سی ہیں سو وہ غلطیاں ایک مسئلہ میں واقع ہوئی ہیں۔ دو قسم کے علماء کے درمیان میں یعنی بعض علماء ظاہر و بعض علماء باطن اور افسوس ہے کہ علماء ظاہر کے گروہ میں آج کل بعض ایسے لوگ بھی آپ کو شامل کرنے لگے ہیں جن کو علم سے کچھ بھی مس نہیں مگر نہ معلوم وہ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنے حوصلہ سے زیادہ دعویٰ کرنے لگے ہیں اور بہت دور تک اُنکی دست درازی کی نوبت پہنچگئی ہے۔ اسلئے ہمکو مجبوراً دست اندازی کی ضرورت پڑی اور ایسے لوگوں نے صرف دُنیوی امور ہی میں نہیں بلکہ دینی امور میں بھی اپنی رایوں کو دخل دینا شروع کردیا ہے۔ وہ اپنے زعم باطل میں یہ سمجھتے ہیں کہ جب ہماری رائے دنیوی اُمور میں قابل تسلیم ہے تو دینی اُمور میں بھی کیوں نہ صائب سمجھی جاوے۔ اُنکی دست اندازی دنیوی امور میں تو خیر کوئی ایسی قابل لحاظ نہیں ہے مگر ہاں دینی امور میں ضرور قابل لحاظ ہے اس زمانہ میں طبیعتیں کچھ ایسی شوخ ہوگئی ہیں کہ جس چیز میں چاہا بے باکانہ دخل دے بیٹھے وہ سادگی جو پہلے تھی اب نہیں رہی پُرانے لوگ جس چیز کو نہیں جانتے تھے صاف کہدیتے تھے دیکھئے دُنیوی فنون میں سے جس فن کو جو نہ جانتا ہو اُسکے متعلق کسی سے یہ کہلا لینا کہ میں نہیں جانتا۔ نہایت آسان ہے مثلاً ہم نہایت آزادی کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم محکمہ زراعت کے کام نہیں جانتے ایک بہت بڑا فلاسفر بھی نہایت خوشی بلکہ فخر کے ساتھ کہنے کے لئے تیار ہو جائیگا کہ ہم نہیں جانتے۔ کھاد کس طرح ڈالی جاتی ہے۔ اُس کو اس اقرار جہل سے ذرا عار نہیں آئیگی مگر آج کل کے مدعیانِ تحقیق سے یہ منوا لینا کہ تم دینی دقائق نہیں جانتے بالکل ناممکن ہے بھلا کس طرح مان لیں حضرت کی شان تحقیق میں فرق نہ آجائیگا ✤

دین سے مناسبت کچھ اس قدر کم ہوگئی ہے کہ اس عدم مناسبت کو بھی اُنہیں نہیں سمجھا سکتے۔ بڑے سے بڑا عالم بھی ایک جگہ پہنچکر یہ کہدے گا کہ اس سے زیادہ میں نہیں جانتا

بعض علماء ظاہر کا اپنے کو عالم دین سمجھنا

آگے میں ناواقف ہوں۔ لیکن جاہل نے اگر شروع ہی میں کہدیا تو کہدیا کہ میں ناواقف ہوں لیکن اگر کہیں اوّل وہلہ میں اُس کے مُنھ سے نکل گیا کہ میں جانتا ہوں تو بس پھر قیامت تک اُسی کو نباہے جائیگا۔ کسی اونچے سے اونچے درجہ کے مسئلہ پر بھی وہ نہیں کہیگا کہ میں نہیں جانتا۔ مگر اُس کے اصرار سے کہیں حقیقت بدل سکتی ہے۔ جیسے کہ کسی سیّاح نے امریکہ کا راستہ نہ دیکھا ہو اور تمام روئے زمین کی سیاحت کر کے لوٹا ہو اور امریکہ کا پتہ اُس کے بعد دوسرے سیاحوں نے لگالیا ہو اور اُس کے سامنے امریکہ کا ذکر کیا جاوے تو وہ فوراً انکار کردیگا کہ امریکہ کوئی خطہ روئے زمین پر موجود نہیں کیونکہ ہم سارے روئے زمین کی سیاحت کر آئے ہیں ہمیں کہیں نہیں ملا۔ مگر کیا اُس کے اس نفی کرنے سے امریکہ کی نفی ہو سکتی ہے اُس سے یہی کہا جاویگا کہ تمہارا علم محیط نہیں ہے اور تمہارا احاطہ نہ کرنے سے حقیقت کی نفی نہیں ہو سکتی۔ پس تعجب ہے کہ اس سے امریکہ کا انکار نہ کیا جاویگا۔ لیکن حقیقت واقعیہ کا انکار کر بیٹھیں۔ غرض خواص کے طبقہ سے نکل کر مدعیین کے طبقہ تک وہ مسئلہ پہنچ گیا اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ اس پر نہایت زور شور سے گفتگو ہے کہ احکام شرعیہ کے اندر حقیقت میں کوئی مصلحت ہے یا نہیں یہ بحث معرکۃ الآرا ہے کہ احکام شرعیہ کے اندر مصلحتیں بھی ہیں یا کیفما اتفق جو چاہا حکم مقرر کر دیا۔ مثلاً روزے کا حکم کیا ہے قربانی کا حکم کیا ہے آیا ان میں کوئی مصلحت ہے یا یوں ہی جو چاہا حکم کر دیا۔ نماز کو فرض کیا ہے آیا اسمیں کوئی مصلحت بھی ہے یا ویسے ہی فرض کر دی سو اسپر تو سب کا اتفاق ہے کہ احکام میں مصلحتیں ہیں۔ رہی یہ بات کہ وہ مصلحتیں کیا ہیں سو اس کا ایک نہایت عمدہ جواب عرض کرتا ہوں۔ لیکن وہ خشک ہوگا وہ یہ کہ ہمیں نہیں معلوم کہ وہ کیا ہیں اور مغلوب العشق تو یہی جواب دیگا کہ ہم نہیں جانتے مصلحت کیا ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں مصلحت سے بحث نہیں نہ یہ کہ ہمکو بالکل ہی معلوم نہیں وہ تو جاننے پر بھی یہی کہیگا جو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

بگذارند و خم طرۂ یاری گیرند	مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار

یعنی بڑی مصلحت یہ ہے کہ سب کو چھوڑ کر بس ایک ہی کو لے لو۔ حضرت نظامیؒ کا ارشاد ہے ؎

زباں تازہ کردن باقرار تو		نینگیختن علت از کار تو	

بس زبان سے اقرار کرنا چاہیے کوئی علّت نہ ڈھونڈنا چاہیے۔
کیسی مصلحت کیسی علّت۔ ایک اور بزرگ فرماتے ہیں ؎

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو		دل شدہ مبتلائے تو ہرچہ کنی رضائے تو

(ترجمہ زندہ کریں آپکی عطا ہے اگر قتل کریں آپ پر قربان ہوں دل آپ پر فریفتہ ہوگیا ہے جو کچھ کریں میں ہر حالت میں آپ سے راضی ہوں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اور ان حضرات عشاق میں جو محقق ہیں اُن سے اگر کوئی مصلحت پوچھی جاتی ہے۔ تو ناشکری بھی نہیں کرتے کہ باوجود معلوم ہونے کے یوں کہیں کہ مصلحت معلوم نہیں کیونکہ یہ حضرات صورت کفران سے بھی بچنا چاہتے ہیں اور یہ بھی ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں مصلحت سے بحث نہیں ہمیں حکم محبوب کی تعمیل سے غرض ہے۔ لہذا وہ دونوں جمع کرکے یہ کہتے ہیں ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز		ورنہ در مجلس رنداں خبری نیست کہ نیست

یعنی کوئی ضروری بات ایسی نہیں ہے جو ہمیں معلوم نہو لیکن مصلحت نہیں الخ (ترجمہ کہ اس کو کھلم کھلا ظاہر کریں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور مصلحت کے معلوم کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے جس کسی نے عشق کا مزہ چکھا ہوگا وہ جانتا ہوگا کہ کسی نوکر کا محبوب آقا جب اُس کو حکم کرتا ہے کہ جاؤ دوڑکر اچکن لے آؤ۔ اصطبل سے گھوڑا تیار کرکے فوراً حاضر کرو۔ ہم فلاں حاکم سے ملنے جائیں گے وہ اس حکم کی تعمیل کیلئے دوڑکر جائے گا۔ اب ایسی حالت ہے کہ وہ دوڑا ہوا جارہا ہے اگر راستہ میں اُس سے کوئی پوچھے کہ کیوں دوڑے ہوئے جاتے ہو تو وہ صرف یہی کہدیگا کہ مالک نے گھوڑا منگایا ہے اچکن منگائی ہے اس پر اگر وہ شخص یہ پوچھنے لگے کہ اس حکم میں کیا مصلحت ہے تو کیا وہ اس حکم کی وجہ بتلانے لگے گا؟ اور گو اُس حکم کی وجہ بھی ضرور ہے اور وہ اُسکو جانتا بھی ہے کہ ملاقات حاکم ہے لیکن وہ صرف یہی کہدے گا کہ ہمیں وجہ نہیں معلوم یا ہمیں وجہ سے کیا بحث بڑی وجہ ہمارے لئے یہی ہے کہ ہمارے آقا نے حکم دیا ہے وجہ خود آقا سے جاکر پوچھو وہ اس سے زیادہ ایک حرف نہ ۲

۲ کہیگا کہ انہوں نے حکم دیا ہے ہم تعمیل کیلئے جارہے ہیں۔ کیونکہ وہ تو تعمیل کی دھن میں لگا ہے۔

مصالح کی بحث کرنا مقتضا محبت کا نہیں ہے

اگر اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ کھڑا ہو کر مصلحت اور وجہ پر لکچر دینا شروع کر دیا تو معلوم ہوا کہ وہ عاشق نہیں ہے صرف ایک حکیم دانشمند شخص ہے جو خالی ہے عشق سے غرض اس کے اس کہنے سے کہ نہیں وجہ معلوم نہیں یہ معنی ہرگز نہیں کہ مصلحت نہیں ہے یا اُسے معلوم نہیں ہے بلکہ مصلحت بھی ہے اور اُسے معلوم بھی ہے لیکن فرصت کس کو ہے کہ محبوب کے مشاہدۂ جمال (دیکھنا ۱۲ ص) اور اُس کے امر کے امتثال (حکم ماننا ۱۲ ص) سے قطع نظر کرے اور توقف کرے اور تقریر بسیط (مفصل ۱۲ ص) بیان کرے فرصت ہی کس کو ہے۔ ہمارے حضرت حاجی صاحب نے قطع منازعت کیلئے عجیب دستور العمل تعلیم فرمایا ہے۔ فرماتے تھے کہ بھائی اگر کوئی شخص تم سے مباحثہ کرے تو تم اس مثل پر عمل کرنا کہ ایک حجام سے ایک شخص نے کہا کہ میری ڈاڑھی کے سفید بال چن لو منکوحہ جوان عورت ہے اُس کو سفید بال ناپسند ہیں کہیں بوڑھا سمجھ کر نفرت نہ کرے۔ جب میاں حجام کو لیکر بیٹھے تو اُس نے ایک طرف سے شروع کر کے دوسرے کنارے تک پہنچا کر پوری ڈاڑھی صاف کر کے آگے رکھدی اور کہا کہ مجھے کام بہت ہے آپ خود چھانٹ لیجئے مجھے اتنی فرصت نہیں کہ ایک ایک بال چنوں۔ بس اسی طرح جب تم سے کوئی کسی مضمون میں اُلجھے تم سب رطب و یابس اُس کے حوالے کر کے اپنے کام میں لگ جاؤ اور ایسا نہ کرنا علامت اس کی ہے کہ اس کو کوئی کام نہیں۔ بالخصوص عشق و معرفت سے خالی ہونے کی تو یہ صاف علامت ہے حضرت شیخ شیرازی خوب فرماتے ہیں ؎

چہ خوش گفت بہلول فرخندہ خو	چو بگذشت بر عارف جنگ جوی

(ترجمہ بہلول مبارک خصلت نے کیا اچھی بات کہی جبکہ وہ ایک عارف جنگ جو پر گذرے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

گر ایں مدعی دوست بشناختی	بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

(ترجمہ اگر اس مدعی کو اللہ تعالیٰ کی معرفت ہوتی تو دشمن کیساتھ لڑائی میں مشغول نہوتا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

منازعت (جھگڑا کرنے ۱۲) کی فرصت کس کو ہے اگر کسی کی معشوقہ خواہش کرے کہ فلاں وقت آؤ۔ ہم ملنا چاہتے ہیں۔ مگر نہا دھو کر کپڑے بدل کر آراستہ پیراستہ ہو کر آنا تاکہ بدن اور کپڑوں میں بو نہ آوے سو وہ جان بھی گیا کہ اس واسطے کپڑے بدلنے کا حکم دیا ہے اور تمام احکام کا

امتثال بھی کیا حکمتیں بھی معلوم مصلحت سے بھی واقف مگر جانے کے وقت کسی نے ہاتھ پکڑ کر دریافت کیا کہ آپ تو ژولیدہ حال پھرا کرتے تھے آخر اس تغیر کی کیا وجہ حالانکہ وہ وجہ اور وجہ کی وجہ سے بھی واقف ہیں۔ لیکن اگر وہ مشاہدہ محبوبہ کا مشتاق ہے تو کیا وہ وقت کو کھوٹا کریگا اور وجہ پر لیکچر دینا شروع کریگا۔ یا ہاتھ چھڑا کر کہیگا کہ میں نہیں جانتا یا میں نہیں بتاتا اور جا کر محبوبہ کے سامنے بیٹھ جائے گا۔ اگر اُس نے لیکچر دینا شروع کیا۔ تو معلوم ہوگا کہ اُس کو محض حکیمانہ محبت ہے عاشقانہ محبت نہیں ہے اسی طرح اگر کوئی اہل اللہ سے اُلجھتا ہے اگر وہ واقعی طالب تحقیق ہو اور اُس کا منصب بھی تحقیق کا ہو اور بات بھی قابل تحقیق ہو تو افادہ سے دریغ بھی نہیں کرتے ورنہ وہ یہ کہکر کہ ہم نا اہل ہیں ہم کچھ نہیں جانتے اپنے محبوب کی طرف مسافت قطع کرنے میں مشغول ہو جاتے ہیں یعنی ذکر اللہ وطاعت میں لگ جاتے ہیں۔ اس کا ذرا بھی خیال نہیں کرتے کہ لوگ سمجھیں گے کہ یہ کچھ نہیں جانتے انھیں اس کی پرواہی کیا ہے اور واقعی جو ضروریات میں مشغول ہوگا اُس کو فضولیات کی کب فرصت ہوگی۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ نے جب بلخ کی سلطنت کو ترک کر دیا تو اُن کے وزیر نے ایک روز حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور سلطنت تباہ ہو رہی ہے رعایا سخت پریشان ہے درویشی کے ساتھ بھی تو سلطنت ہو سکتی ہے آپ نے فرمایا کہ بات یہ ہے کہ جب تک کوئی فکر دماغ میں ہوتی ہے تو دوسرا کام خوش اسلوبی کے ساتھ ہو نہیں سکتا۔ اگر تم اُس فکر کو رفع کر دو تو البتہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ سلطنت کا انتظام اپنے ہاتھ میں پھر لیلوں گا وزیر نے سمجھا کہ کوئی ایسی ہی معمولی فکر ہوگی۔ عرض کیا کہ حضور ارشاد فرمائیں۔ دل وجان سے ہم لوگ اس فکر کے زائل کرنے کی کوشش کرینگے۔ حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ[۱] مجھے یہ فکر پریشان کئے ہوئے ہے کہ میں کون سے فریق میں ہونگا۔ تم اس سے بےفکر کر دو۔ وزیر یہ سُنکر دنگ رہ گیا وہ اُنکے فکر کی زوال کی تو کیا کوشش کرتا اُسے اپنی وزارت سے وحشت ہو گئی اور خود اُسی کو فکر دامنگیر ہو گئی۔ یہ گفتگو تو باعتبار محبت ومعرفت کے ہی جو تفتیش مصالح کو بیکار بتاتا ہے۔ اور حق تعالیٰ کی عظمت وحکومت کے حقوق پر نظر کی جاوے اُس کا مقتضا بھی یہی تفتیش

[حاشیہ: حضرت ابراہیم بن ادہم کی ایک حکایت]

[حاشیہ: مصالح کی تفتیش خلاف عظمت کی بے ادبی ہے]

[۱] یعنی ایک فریق جنت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں ۱۲ محمد صابر غفرلہ

مصالح کا ممنوع ہونا ہے چنانچہ ظاہری سلطنت کے قوانین یقیناً متضمن (شامل ۱۲ ص) مصالح ہیں اور اُن احکام کی لِم کو مجلس واضعان قوانین (ترجمہ قوانین بنانے والی مجلس ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ضرور جانتی ہے اور اُنہوں نے اُس کو (علت سبب ۱۲ ص) سمجھا بھی ہے اور اُنہیں کو سمجھنا ضروری بھی ہے۔ لیکن عام رعایا پر صرف عمل کرنا واجب ہے اور عمل کیلئے لِم کے (علت سبب ۱۲ ص) معلوم کرنے کی اُن کو کوئی ضرورت نہیں ہمارے لئے تو صرف یہی کافی ہے کہ سلطنت وقت کا حکم ہے اور سلطنت وقت کا حکم واجب العمل ہوتا ہے لہذا ہم کو عمل کرنا چاہیئے۔ اے اللہ یہ عجیب بات ہے کہ سلاطین کے احکام پر عمل کرنے کیلئے تو ہمیں صرف اتنا ہی سمجھ لینا کافی ہو کہ یہ سلطنت وقت کے احکام ہیں اور خدائے تعالیٰ کے احکام میں حکمتیں تلاش کی جائیں اور جب تک حکمت نہ معلوم ہو اُن پر عمل نہ ہو۔ مولانا محمد یعقوب صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہر طالب علمی کہ چون و چرا نہ کند و ہر درویشی کہ چون و چرا کند ہر دو را بچراگاہ باید فرستد (ترجمہ جو طالب علم چون و چرا نہ کرے اور جو درویش چون و چرا کرے دونوں کو چراگاہ میں بھیجنا چاہیئے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) طالب علم سے مراد وہ شخص ہے جو تحصیل علم میں مشغول ہو مثلاً ایک شخص طب پڑھتا ہے اُسکو تو تحصیل کے وقت چون و چرا واجب لیکن اگر مریض چون و چرا کرے تو وہ کان پکڑ کر مطب سے نکال دینے کے قابل ہے درویش سے مراد عامل ہے اُس کو عمل چاہیئے تحقیق اسکی دلیل یا علّت کی اس کو ہرگز مناسب نہیں اور طالب علم سے مراد جو فن سیکھ رہا ہے مثلاً فقہ پڑھنے کے وقت لِم و کیف (کیوں اور کس طرح ۱۲) ضروری ہے اور وہ بھی اُسی قدر جو فقہ کے مناسب ہے لیکن جو شخص قربانی کرنا چاہتا ہے اُس کو خود دلیل ہی پوچھنا ایک لایعنی (ترجمہ بے فائدہ ۱۲ محمد صابر) بات ہے اور یہ پوچھنا کہ اس میں کیا حکمت ہے یہ تو بڑی بے عظمتی حق تعالیٰ کے حکم کی ہے اور بڑی بے وقعتی اور گستاخی ہے تو اگر کوئی رعایا حدود ہندوستان میں احکام گورنمنٹ کے مصالح میں گفتگو کرے تو ہے تو گستاخی لیکن جرأت کی گنجائش اس لئے ہو سکتی ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس گستاخی کی خبر شاہ جارج پنجم کو نہو لیکن اللہ میاں تو یورپ میں نہیں ہیں وہ ہماری ذات سے بھی زیادہ ہم سے نزدیک ہیں جیسا کہ منصوص ہے خود فرماتے ہیں نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ الخ یعنی میں تمہاری جان سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہوں۔ یہاں میں اس کے متعلق ایک موٹی بات بتلاتے

دیتا ہوں جس سے یہ ایک مسئلہ کشفی بالکل بدیہی اور محسوس ہو جاوے ایک موٹی تقریر سے سمجھائے دیتا ہوں یعنی تم جو اپنی ذات سے نزدیک ہو۔ تو اپنے وجود اور ہستی کے سبب نزدیک ہو۔ لیکن خود تم میں اور ہستی میں جو علاقہ ہوا ہے وہ کیسے ہوا آیا بلا واسطہ یا بواسطہ سو ہستی بلا واسطہ تو صرف خدا کی ذات کیلئے ثابت ہے کہ واجب الوجود ہے آپ کی ہستی تو واسطہ کی محتاج ہے اور واسطہ کو بہ نسبت ذی واسطہ زیادہ قرب ہوا کرتا ہے۔ مثلاً جو دو کاغذ گوند سے چپکا دیے گئے ہیں وہ ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں بلکہ گوند جو کہ واسطہ ہے وہ زیادہ قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ مثال سے پاک ہیں لیکن آخر میں کسی طرح تمہیں سمجھاؤں بھی پس جب اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہاری ہستی کے درمیان واسطہ ہیں تو وہ ہستی سے زیادہ قریب ہوئے اور یہی حاصل تھا تمہارے ساتھ بہ نسبت تمہاری جان کے قریب ہونیکا پس تم سے اتنے قریب ہوئے جتنے کہ خود تم بھی اپنے قریب نہیں جیسا کہ گوند کی مثال میں سمجھایا گیا یہ بہت موٹی بات ہے کوئی قیل و قال کی گنجائش نہیں حاصل یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ تم میں اور تمہاری ہستی میں علاقہ پیدا نہ کریں تو تم کچھ بھی نہیں۔ اُسی کے واسطے سے تم تم ہوئے۔ جب وہ اتنا نزدیک ہے تو اب ایک کام کی بات بتلاتا ہوں سمجھ لیجئے اور میں استدلالی گفتگو نہیں کرنا چاہتا کیونکہ استدلالی گفتگو سے اطمینان نہیں ہوتا۔ ساکت کر دینا دوسری بات ہے عمل اور سمجھنے کے قابل بات بتلاتا ہوں وہ یہ کہ جب آپ کوئی سوال شریعت مقدسہ کی بابت کریں جسمیں سوال عن الحکمت (ترجمہ حکمت سے سوال کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بھی داخل ہے تو پیشتر یہ تصور کر لیا کریں کہ ہم ایک مجلس میں حاضر ہیں جس کے صدر مجلس حق تعالیٰ ہیں اور ہم جو سوال کرتے ہیں اس کو وہ دیکھتے سُنتے ہیں اور یہ بھی تصور کریں کہ جس کی بابت ہمارا سوال ہے وہ خدا ہی کا قانون ہے اس کے بعد یہ سوچنا چاہئے کہ آیا اس صورت مفروضہ میں ہم خدا تعالیٰ سے بھی یہ سوال کر سکتے۔ اگر ان سب مقدمات کے استحضار کے بعد بھی وجدان شہادت دے کہ ہاں پوچھ سکتے تو بس وہ سوال جائز ہے۔ ورنہ نہیں اگر یہ کبھی سمجھ میں نہ آوے تو یہ دیکھئے کہ اگر آپ شاہ جارج کے دربار میں پہنچ گئے اور آپ کی ایسی جگہ نشست ہوئی کہ جہاں وہ آپ کو دیکھ بھی رہے ہیں اور آپ کی باتیں بھی سُن رہے ہیں تو جو سوال آپ نے قوانین کی لِم کی بابت ہندوستان میں بیرسٹر سے کیا تھا

وہ خود بادشاہ سے بھی اس دربار میں کرسکتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہاں نہیں کرسکتے تو حق عظمت یہی ہے کہ ہندوستان میں بھی نہ کرو۔ جب یہ بات اس مثال میں طے ہوگئی کہ نہیں پوچھ سکتے تو کیا خدا تعالیٰ کی عظمت دنیوی سلاطین سے بھی کم ہے اور کیا اُس کا حاضر و ناظر ہونا اُن کے حاضر و ناظر ہونے سے بھی کم ہے نعوذ باللہ حالانکہ سلاطین کے دربار میں اگر کوئی سرگوشی کرنے لگے تو بعض اوقات سلاطین کو خبر بھی نہیں ہوتی تو گستاخی کا سوال چنداں بعید نہیں اور خدا تعالیٰ سے چھپا کر تو ایسی سرگوشی بھی نہیں ہوسکتی تو ایسی حالت میں گستاخی سخت حیرت ہے ایک بزرگ فرماتے ہیں اور واقعی عاقل وہی ہے جس کی آنکھیں حق تعالیٰ نے کھول دیں وہ کہتے ہیں جب کوئی شخص مجھ سے مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر تصور کرکے سوچتا ہوں کہ آیا اس جواب پر اتنا اطمینان ہے یا نہیں کہ خدا کے سامنے دے سکوں اگر اتنا اطمینان ہوتا ہے تو جواب دیتا ہوں ورنہ نہیں۔ ہم لوگ حق تعالیٰ کو حاضر و ناظر کیا سمجھتے ہیں۔ صرف الفاظ ہیں۔ اگر حاضر و ناظر سمجھتے تو ہماری اتنی جرأتیں نہ بڑھتیں۔ ایک شخص کہتے تھے کہ وہ ایک اسلامی بادشاہ کے ملنے کیلئے گئے سخت پہرے کے بعد تو کہیں ایوان کے احاطے کے اندر رسائی ہوئی جہاں سے آرامگاہ شاہی بہت فاصلے پر تھا۔ لیکن وہاں ایک بلند عمارت رفیع الشان تھی جہاں کھڑکی میں بادشاہ سلامت بیٹھے تھے اور چاروں طرف دوربینیں لگی ہوئی تھیں کبھی ادھر دیکھ لیتے کبھی اُدھر دیکھ لیتے جوں ہی اُنہوں نے دروازہ میں قدم رکھا بس ایک ہیبت طاری ہوگئی ہر وقت یہی احتمال کہ شاید اس وقت ادھر دیکھتے ہوں۔ سو باوجود یکہ دیکھنا بالکل مشکوک تھا لیکن صرف اسی خیال سے کہ شاید دیکھ رہے ہوں قدم نہیں اُٹھتا تھا اور باوجودیکہ ادھر اُدھر عجیب و غریب ساز و سامان مجتمع تھے کہیں روشیں کہیں سبزہ کہیں پھلواری لیکن گردن پھیر کر نہیں دیکھ سکتے تھے اس واسطے کہ شاید نگاہ بے کند۔ ادھر اُدھر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ تعجب ہے اللہ تعالیٰ کے حاضر ناظر ہونے کے یقین کا تو اثر نہ ہوا اور بادشاہ کے دیکھنے کے احتمال کا اثر ہوا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ ہونا چاہیئے ؎

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی	شاید کہ نگاہے کند آگاہ نباشی

(ترجمہ ایک پلک مارنے کی مقدار بھی محبوب حقیقی سے غافل مت ہو شاید کہ تم پر لطف کی نگاہ کریں اور تم آگاہ نہ ہو ۱۲ ظفر احمد عفی عنہ)

ہروقت انہیں کو تکتے رہو جو شخص اس طرح سمجھے گا اس کو ساری شکلیں اصلاح کی متعلق آسان ہو جائیں گی۔ اسی کو یہ بزرگ فرماتے ہیں۔ یک چشم زدن الخ جو حاصل ہے مراقبہ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ یَرٰی (ترجمہ کیا اس کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کا محض اہل قال کسی کی اصلاح نہیں کرسکتے۔ ہم لفظ پرستوں کی ایسی مثال ہے جیسے طبیب غیر واقف اصول کوئی مریض آیا اور اپنا حال کہنا شروع کیا کہا کہ مجھے زکام ہے اس نے گل بنفشہ لکھدیا پھر کہا کہ کھانسی بھی ہے اس نے ملٹھی بھی لکھدی۔ غرض جو جو مرض وہ بیان کرتا گیا وہ طبیب عناب ایک ایک جز بڑھاتے رہے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ نسخہ کیا ہوگا مطبع مجتبائی کی فہرست ہوگی اور اتنے بڑے نسخے کو پئے گا کون سنا ہے کہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب سکندرہ راؤ میں پہنچے وہاں ایک بیچارے نام کے طبیب کس مپرسی کی حالت میں تھے شاہ صاحب کو بخار ہو گیا ان طبیب کو بلوایا وہ بہت خوش ہوئے اور کہا کہ اگر شاہ صاحب کی نظروں میں چڑھ گیا تو پھر خوب شہرت ہو جاوے گی اور مطب چل جائیگا۔ بہت اہتمام کیساتھ عمامہ باندھ کر عبا قبا پہن کر پہنچے نبض دیکھ کر حالات پوچھکر ہر شکایت کیلئے بہت بہت سے اجزا تجویز کرتے گئے اور ایک کھرے کا کھرا نسخہ لکھ دیا۔ شاہ صاحب نے نذرانہ بھی دیا۔ بڑے خوش ہوئے اور آکر شیخی بگھارنے لگے کہ شاہ صاحب نے ایسی قدر کی۔ شاہ صاحب کے شاگردوں میں بڑے بڑے قابل لوگ موجود تھے نسخہ پڑھا گیا سب نے ہنسنا شروع کیا۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ دیکھو اہل فن کی بیقدری نہیں کرنی چاہیئے۔ مولوی حیدر علی صاحب جو مشہور مناظر ہیں اور طب بھی پڑھی تھی وہ سب سے زیادہ ہنسے لیکن شاہ صاحب نے اس نسخے کے تیار کرائے جانے کا حکم دیا نسخہ پتیلی میں پکایا گیا۔ سیر دو سیر اجزاء تھے شاہ صاحب نے کئی دن تک پیالے بھر بھر کر پئے شاہ صاحب کے اخلاق ایسے وسیع تھے اس طبیب کی بڑی شہرت ہو گئی اب تو گویا شاہ صاحب نے فتوے پر الجواب صحیح (ترجمہ جواب ٹھیک ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) لکھ دیا لیکن طبیب تو ایسے ہوتے ہیں جیسا ذکر ہوا اور لطیف وہ ہیں کہ وہ اصل جڑ مرض کی دیکھ لیتے ہیں کہ بلغم یا صفرا بڑھ گیا ہے اور ایک مختصر اور جامع نسخہ لکھ دیتے ہیں اگر سپاس شکایتیں بھی پیش کی جائیں تو دو ہی کہہ دیتا ہے کہ ہاں سب کی اصلاح کر لی ہے۔ جاہل ناواقف مریض اس کے نسخہ کی ناقدری کرتا ہے

بیان تفاوت در میان اہل الفاظ و اہل تحقیق

اور کہتا ہے کہ ذرا سے نسخہ میں اتنے امراض کی کیسے رعایت ہو گئی۔ حالانکہ وہ ان سب امراض کی جڑ کو سمجھ گیا ہے مگر ناواقف کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی شکایتوں کا سبب کوئی ایسی ایک چیز ہے جس کا علاج کر لیا گیا ہے۔ ایک بوڑھے شخص کا قصہ ہے کہ اس نے ایک طبیب سے اپنا حال کہا کہ آنکھوں میں تیرگی ہے طبیب نے کہا بڑھاپے سے ہے اس نے کہا سانس پھولتا ہے کہا یہ بھی بڑھاپے سے ہے پھر کہا بھوک نہیں لگتی کہا یہ بھی بڑھاپے سے ہے غرض جو شکایت کی اس نے یہی جواب دیا کہ یہ بھی بڑھاپے سے ہے آخر وہ بڈھا بگڑ گیا اور طیش میں آکر اس طبیب کے ایک دھول رسید کی کہ تو نے ساری طب میں بس یہی پڑھا ہے کہ بڑھاپے سے طبیب نے کہا بڑے میاں یہ جو غصہ بھی بڑھاپے ہی سے ہے تمہارے اس مارنے کا بھی برا نہیں مانتا۔ بس اصل طبیب وہ ہی جو جڑ سمجھ جاوے سو اہل قال کا علاج تو اس حکیم کا سا ہے کہ جو ہر مرض کیلئے ایک ایک جزو بڑھاتا گیا کسی نے شکایت کی کہ وسوسے بہت آتے ہیں ایک وظیفہ بتلا دیا پھر انہوں نے کہا کہ وظیفے میں بھی وسوسے آتے ہیں ایک دوسرا وظیفہ بتلا دیا جب کہا اس میں بھی وسوسہ ستاتا ہے تو ایک تیسرا بتلا دیا۔ مگر وہاں وہی وسوسے موجود جتنا علاج کیا شکایتیں بڑھتی گئیں۔ علاجوں کی کثرت سے وہ سراپا دوا اور وظیفوں کی کثرت سے مجموع وظائف ہو گیا۔ یہ دیکھ کر دین سے وحشت ہونے لگی کہ خدا کی پناہ کیسی مصیبت ہے برخلاف اسکے ایک شخص ایسا ہے جو جڑ سمجھتا ہے وہ بس یہ کہدیگا کہ وسوسوں کی طرف التفات مت کرو اگر آتے ہیں آنے دو تمہارا کوئی نقصان نہیں یہی حاصل ہے وارد فی الحدیث کا ناواقف سمجھا کہ انہوں نے نہ لمبا چوڑا وظیفہ بتلایا نہ توجہ کے لئے سامنے بٹھلایا نہ کچھ کیا یہ کیا علاج ہو گیا کہتے ہیں کہ وسوسہ کا خیال نہ کرو۔ بھلا کیسے خیال نہ کریں۔ معلوم ہوا کہ وہ معتقد ہی نہیں اگر کوئی معتقد ہوگا تو وہ یہی کہیگا کہ ع قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید (ترجمہ قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھا ہوا کہتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اسی کو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

کہ سالک بیخبر نبود زراہ و رسم منزلہا		بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید

(ترجمہ امر مباح جو بظاہر طریقت کے خلاف ہونے سے منکر معلوم ہوتا ہے اگر مرشد بتلاوے تو اس پر عمل کرے اس کو مضر نہ سمجھے بلکہ مفید سمجھے کیونکہ شیخ کو اس کے نشیب و فراز کا زیادہ تجربہ ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ الخ جاہل عالم برابر نہیں ایک صاحب نے مجھے لکھا کہ قبض شدید میں مبتلا ہوں جی نہیں لگتا وظیفے بھی بڑھائے نفلیں بھی بڑھائیں لیکن کچھ نفع نہیں ہوا۔ اُنہوں نے مرض کا مرض سے علاج کیا جیسے کسی کو شربت نیلوفر پینے سے نزلہ زکام ہوا اُس نے اُسکے علاج میں پھر شربت نیلوفر ہی پی لیا میں لفضلہ سمجھ گیا۔ میں نے کہا وظیفے نفلیں سب یکلخت چھوڑ دو خلوت بھی چھوڑ دو۔ دوستوں سے ملو جلو ہنسو بولو۔ لکھنؤ کے قریب رہتے تھے میں نے کہا لکھنؤ آؤ عیش باغ کی سیر کرو چوک میں پھرو خوب میوے کھاؤ۔ پھل کھاؤ۔ گناہ تو کیجو مت اور سب طرح کی تفریح کرو۔ ظاہر میں معلوم ہوتا ہی کہ جس نے یہ باتیں بتلائی ہیں وہ بڑا اناڑی ہے لیکن اس پر عمل کرنیکے ساتھ ہی اُن کا سب قبض رفع ہوگیا اور پھر خوب جوش و خروش اور ذوق و شوق پیدا ہوا۔ پھر میں نے کہا کہ بس اب پھر حجرہ میں بیٹھو شگفتہ ہوگئے کھل گئے۔ باغ دیکھا لیکر اندر بیٹھ گئے۔ اہلِ ظاہر نے ہر چیز کا الگ الگ علاج کیا۔ توحید میں کسی نے وسوسہ کیا اُس کی دلیل بیان کردی قربانی میں وسوسہ کیا اُس کی بھی دلیل بیان کردی۔ ڈاڑھی میں وسوسہ پانچ وقت کی نماز کے تعین میں وسوسہ۔ ہر ہر حکم میں وسوسہ سب کی دلیل بیان کردی مولانا سمجھے شفا ہوگئی۔ لیکن جب وہ پیر یارانِ طریقت کے جلسہ میں پہنچا۔ وہاں پھر ایک شبہ پیدا ہوگیا۔ مولانا کا ذخیرہ سب ایکدم سے ختم ہوگیا سب مقدمات میں شبہ پڑ گیا۔ حضرت محی الدین بن عربی نے امام رازیؒ کو ایک خط لکھا کہ میں نے سُنا ہے کہ تم ایک روز بیٹھے رو رہے تھے کسی نے سبب پوچھا تو تمنے کہا کہ ایک مسئلہ فلسفہ کا میں تیس برس سے محقق سمجھے ہوئے تھا۔ آج اُس کے ایک مقدمہ میں شبہ پڑ گیا میں اس لئے رو رہا ہوں کہ تیس برس تک جہل میں مبتلا رہا اور اب بھی جو کچھ علم ہے اُس کی بابت یقین نہیں کہ یہ صحیح ہی سو تم نے دیکھا اپنے علم کو ہمارے علم میں قیامت تک بھی کوئی شبہ نہیں پڑ سکتا۔ اس کو حاصل کرو امام نے پھر تصوف کی طرف توجہ کی۔ حضرت نجم الدینؒ سے بیعت ہوئے شغل شروع کیا۔ اُس میں کوئی چیز اپنے اندر سے انہیں سُر سُر نکلتی ہوئی معلوم ہوئی۔ شیخ سے عرض کیا اُنہوں نے کہا فلسفہ نکل رہا ہے انہیں یہ گوارا نہوا کہ اتنے دن کی حاصل کی ہوئی چیز ہاتھ سے جاتی ہے۔ بولے نا صاحب میں یہ نہیں چاہتا کہ میرا فلسفہ نکل جائے۔ یہ کہکر وہاں سے چلے آئے

شیخ ابن عربی و امام رازی کی حکایت

لیکن تھوڑے ہی دنوں کی صحبت نے یہ اثر کیا کہ وہ حقیقت کو اجمالاً سمجھ کر کہتے ہیں ؎

نہایۃ اقدام العقول عقال ۔ وغایۃ سعی العالمین ضلال

(ترجمہ تمام عقلوں کے قدموں کی انتہا عقال کی طرف ہوئی تمام دنیا والوں کی کوشش کا نتیجہ ضلال ثابت ہوا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ولم نستفد من بحثنا طول عمرنا ۔ ا سوی ان جمعنا فیہ قیل وقال

(ترجمہ ساری عمر بحث بک بک اور قیل و قال کے کچھ حاصل ہوا عمر یونہی ضائع کی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

حضرت مرتے وقت آپ کو علوم حقیقیہ اور لفظیہ کی حقیقت معلوم ہو گی مرتے وقت تو یہ معلوم ہی ہو گی ہمیں معلوم ہو جاتی ہے اہل اللہ کو کوئی شبہ ہی نہیں ہوتا یا نہیں رہتا ۔ بخلاف اہل قال کے وجہ فرق یہ ہے کہ وہ ہر شبہ کا الگ الگ جواب نہیں دیتے ۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سو بیگہ زمین کو جس پر جھاڑ جھنکاڑ کھڑے ہوئے صاف کرنا چاہتا ہے تو اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ درانتی لیکر ایک طرف سے جھاڑ نکالنا شروع کیا سو درانتی منگائی گئیں اور سو آدمیوں کے حوالہ کی گئیں ۔ ایک درانتی کند ہو گئی وہ بدلی پھر دوسری کند ہو گئی اُسے بدلنا پڑا ۔ پھر تیسری کند ہو گئی ۔ ایک شخص آیا اُس کے پاس دیا سلائی کا بکس ہے اُس نے مٹی کا تیل چھڑکا اور دیا سلائی لگا دی آناً فاناً سب جھاڑ جھنکاڑ جل گیا ۔ درانتیوں سے ایک ماہ میں جا کر کہیں صفائی ہوتی ۔ اور پھر بھی ویسی نہیں ۔ یہاں ایک گھنٹہ میں سب زمین صاف ہو گئی ۔ اب اس میں ہل چلاؤ کھیتی بو لو ۔ اسی طرح اہل اللہ سے کوئی شکایت کرتا ہے کہ وسوسے آتے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں محبت پیدا کرو ۔ اگر کہتا ہے کہ نماز میں ادھر اُدھر کے خیالات آنے لگتے ہیں وہ پھر یہی کہہ دیتے ہیں کہ محبت پیدا کرو عشق پیدا کرو ۔ واقعی کہاں درانتی اور کہاں آگ وہاں درانتی بھی کافی نہیں ۔ یہاں سب جھاڑوں کا ایک علاج یعنی اسی کو حضرت مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شد ۔ او ز حرص و عیب کلی پاک شد

(ترجمہ جس کو محبوب حقیقی کا عشق ہو جائے وہ حرص اور تمام نقائص اور اخلاق ذمیمہ سے بالکل پاک ہو جاتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

شاد باش ای عشق خوش سودای ما　　وے طبیب جملہ علتہائی ما

(ترجمہ اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہو جاتے ہیں اور تجھ سے سب امراض کا علاج ہو جاتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت　　ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(ترجمہ یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو سوائے محبوب کے سب کو فنا کر دیتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ہر چہ میں سب شامل ہے خواہ نماز میں شبہ ہو یا روزہ میں شبہ ہو ؎

تیغ لا در قتل غیر حق براند　　در نگر آخر کہ بعد لا چہ ماند

(ترجمہ لا الٰہ کی تیغ غیر اللہ کے ہلاک کرنے میں چلاؤ لا الٰہ کے بعد دیکھو کیا رہ گیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت　　مرحبا اے عشق شرکت سوز رفت

(ترجمہ یعنی الا اللہ باقی۔ گیا باقی تمام فنا ہو گئے اے عشق شرکت سوز تجھ پر رحمت کے سوائے محبوب حقیقی کے سب کو فنا کر دیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

شرکت سوز ہے کسی کو شریک نہیں رکھتا کیونکہ ؎

چو سلطان عزت علم بر کشد　　جہاں سر بجیب عدم درکشد

(ترجمہ جب محبوب حقیقی کی تجلی قلب پر وارد ہوتی ہے سب چیزیں فنا ہو جاتی ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

آفتاب کے سامنے سب ستارے ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح جب تجلی حق قلب پر ہوتی ہے واللہ سب چیزیں رخصت ہو جاتی ہیں۔ جیسا آفتاب کے سامنے سب ماند ہو جاتے ہیں چاہے وہ چاند ہی ہو۔ ایک عارف کا قول ہے کہ اندھیری کوٹھڑی میں چوہے چھچھوندر سانپ بچھو سب نے آ کر گھیر لیا ساری رات لکڑیاں بجاتا پھرا لیکن نہ بھاگے بلکہ کہیں چوہیا نے پیر میں کاٹ لیا۔ کہیں اندھیرے میں ٹھوکر کھا کر گر پڑے غرض ساری رات یہ مصیبت رہی لیکن موذیوں سے نجات نہ ہوئی۔ دلائل کی حالت ان لکڑیوں کی سی ہے محبت حق کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شمع روشن کر دی اس کے روشن ہوتے ہی سب سانپ بچھو چوہے چھچھوندر بھاگے چلے جا رہے ہیں اسی وقت میدان صاف ہو گیا۔ بات یہ ہے کہ یہ سب چیزیں

روشنی میں نہیں ٹھیر سکتیں۔ جہاں ظلمت ہوتی ہے وہیں رہتی ہیں۔ ان کے دفع کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ چراغ روشن کرو۔ گنڈا اسہ ۔ لکڑا کہیں کام دے سکتا ہے۔ سو اہل اللہ کا علاج ایسا ہی ہے یعنی محبت حق جس وقت عظمت اور محبت حق تعالیٰ کی قلب میں سما جاتی ہے کچھ بھی شبہ نہیں رہتا محققین نے یہی علاج تجویز کیا ہے کہ ہر حکم کو محبت سے قبول کرتے ہیں۔ چاہے حکمت معلوم ہو یا نہ ہو۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے تعجب ہے اُن احمقوں پر جو پوچھتے ہیں کہ قبر کا عذاب کیونکر ہوگا۔ اس تحقیق کی کیا ضرورت ہے فکر تو اس کی چاہیئے کہ اُس سے نجات کا کیا طریقہ ہے۔ اگر کسی پر مقدمہ فوجداری کا قائم ہو کر سزائے موت کا حکم ہو گیا ہو اور لوگ کہتے ہوں کہ اپیل کی بھی گنجائش ہے تو اس کو تو یہ مناسب ہے کہ برارت کی کوشش کرے نہ یہ کہ اس فکر میں پڑ جاوے کہ کس طرح موت ہوگی آیا پھانسی پر لٹکایا جاویگا یا تلوار سے گردن ماری جاویگی اور یہ کہ پھانسی کر آدمی مر کیوں جاتا ہے۔ گلا گھونٹنے کو موت میں کیا دخل ہے۔ اس احمق سے کوئی یہ پوچھے کہ اگر ایسی تحقیقات میں پھانسی کا وقت آ گیا تو تجھے تیری سائنس کیا کام دیگی۔ جو بات خود معلوم ہونے والی ہے اُس کی تحقیق کیا۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ بس اس تحقیقات کو چھوڑ کہ قبر کا عذاب کیونکر ہوگا۔ اس کی تلاش کر کہ اس سے نجات کی سبیل کیا ہے اگر نجات ہو گئی اور کیفیت عذاب قبر کی نہیں معلوم ہوئی تو ہمارا ضرر ہی کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ نقصان ہی کیا ہوگا۔ پھانسی سے رہائی ہو گئی اور یہ تحقیق نہ ہوا کہ کیونکر جان نکلتی ہے تو اس کا ضرر کیا۔ بخلاف اسکے اگر یہ تحقیق بھی ہو گیا۔ مگر جان نہ بچی تو نفع کیا ہوا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے قربان جایئے۔ ہمکو کیسی اچھی تعلیم فرمائی ہے کہ مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ جس کام سے کوئی غرض متعلق نہو اُس کو چھوڑ دو۔ اگر حکمت کسی حکم کی نہ معلوم ہوئی تو اُس پر ہمارا کام کونسا اٹکا ہے۔ اگر بے حکمت سمجھے کر لیا تو حرج کیا ہوا۔ لوگ اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم مخالفین کا بھی تو کچھ جواب دیں تو کیا بس اُن کے لئے یہی جواب ہے کہ ہر ہر حکم کی حکمت بتلائی جاوے۔ کہ یہ جواب دیدیا کرو کہ ہم عالم نہیں علماء سے پوچھو۔ پھر عالم لوگ آپ نمٹ لیں گے تم کس فکر میں پڑے

مولانا نعیم صاحب لکھنوی سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی بابت کیا تحقیق ہے کون حق پر تھا۔ اُنھوں نے فرمایا کہ یہ تمہارا سوال ہی یا کسی اور کا۔ اُنھوں نے کہا کہ فلاں حافظ جی نے پوچھا ہے۔ دریافت فرمایا کہ وہ کیا کام کرتے کرتے ہیں کہا جوتے بیچتے ہیں۔ اور تم کیا کرتے ہو۔ عرض کیا کہ میں کپڑا رنگتا ہوں آپ نے فرمایا کہ تم اطمینان رکھو تمہارے پاس یا حافظ جی کے پاس اُن کا مقدمہ نہیں آویگا تم جا کر اپنا کپڑا رنگو اور حافظ جی اپنے جوتے بیچیں۔ تمہارے پاس مقدمہ آوے۔ تو کہدینا کہ ہمارے حد اختیار سے خارج ہے اُن کے مقدمہ کا فیصلہ اللہ میاں کے یہاں ہو رہیگا۔ تمہیں اسکی تحقیقات کی ضرورت ہی نہیں۔ تم اپنے کام میں لگو۔ کس جھگڑے میں پڑے اگر کوئی ادنیٰ درجہ کی رعایا سے پوچھے کہ وزیر کوئی جرم کرے تو اُس کی کیا سزا ہے تو وہ یہی کہیگا کہ میرے پاس اُس کا مقدمہ ہی نہ آویگا میں کیا جانوں۔ اسی طرح جن کے پاس حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کا مقدمہ جاویگا وہ خود جانتے ہیں کہ کیا کرنا چاہیئے۔ عوام کو کیا بحث۔ مگر علماء کے اخلاق نے عوام کے دماغ کو خراب کر دیا ہے۔ میں تو ایسے علماء ہی پر الزام لگاتا ہوں ؎

سعدی از دست خویشتن فریاد	ہر کس از دست غیر نالہ کند

(ترجمہ۔ یعنی ہر شخص دست غیر سے نالاں ہی اور سعدی اپنے ہاتھ سے۔ یعنی ہر شخص عوام کی شکایت کرتا ہے مگر مجھے علماء کی شکایت ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

اگر کسی نے حکمتیں پوچھیں بس اُنھوں نے حکمتیں بیان کرنا شروع کر دیں اس کے بعد کہیں اس میں شبہ کہیں اُس میں شبہ۔ البتہ اگر کسی قانونی مولوی سے کوئی حکمتیں پوچھے۔ وہاں صاف جواب ملیگا کہ حکم پوچھو حکمت نہ پوچھو۔ ایک شخص نے مجھے لکھا کہ فلاں حکم شرعی میں کیا حکمت ہی میں نے پوچھا کہ آپ کے سوال عن الحکمت (ترجمہ حکمت کے دریافت کرنے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ) میں کیا حکمت ہی۔ تم خدا تعالیٰ کے فعل کی ہم سے حکمت پوچھتے ہو ہم تمہارے ہی فعل کی حکمت تم سے پوچھتے ہیں اور ہم نہیں بتلاتے کہ کیا حکمت ہے جاؤ۔ کئی دن ہوئے ایک صاحب نے پوچھا کہ فلاں فتوے پر آپ کی مُہر ہے میں نے

علماء کے اخلاق نے عوام کو خراب کر دیا

کہا کہ آپ کیوں تفتیش کرتے ہیں۔ کیا آپ میرے انسپکٹر ہیں۔ یہ کیوں پوچھتے ہو اس میں
تمہارا کوئی کام اٹکا ہوا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ سے تعلق ہے اور لوگ پوچھتے
ہیں۔ میں نے کہا آج سے تعلق قطع کردو دل سے محبت نکال دو اور اگر محبت رکھتے تو ہمارا
یہ کہنا مانو کہ یہ سوال مت کرو۔ علماء نے عوام کے اخلاق خراب کر دیئے۔ ایک صاحب
کا جو کہ سب انسپکٹر تھے میرے پاس خط آیا انہوں نے یہ لکھا کہ کافر سے سود لینا کیوں
حرام ہے۔ میں نے جواب میں لکھ بھیجا کہ کافر عورت سے زنا کیوں حرام ہے۔ اس پر
شکایت کا خط آیا کہ علماء کو ایسا خشک جواب نہ دینا چاہیئے۔ میں نے اُس خط کا کچھ جواب
نہیں دیا۔ اتفاق سے ایک مقام پر وہ مجھ سے ملے تو میں نے انہیں پہچانا نہیں وہ مجھے
پہچانتے تھے انہوں نے مجھ سے اُس خط کا ذکر کر کے کہا کہ میں ہی وہ شخص ہوں جس نے
وہ خط بھیجا تھا۔ میں نے کہا آہا آپ سے تو بڑی پرانی بے تکلفی نکلی۔ کہنے لگے آپ نے ایسا
خشک جواب کیوں دیا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ سب انسپکٹر ہیں۔ مجھے یہ بتلائیے کہ آیا آپ کا برتاؤ
سب کے ساتھ خصوصیت کا ہی یا بعضوں کے ساتھ ضابطہ کا بھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ سب
کے ساتھ خصوصیت کا برتاؤ نہیں ہو سکتا جو خاص ملنے والے ہیں اُن سے خصوصیت کا
معاملہ ہے باقی سب سے محض ضابطہ کا۔ میں نے کہا تو بس آپ یہی سمجھ لیجیے کہ ہم لوگ
بھی یوں ہی کرتے ہیں۔ صرف بے تکلفوں سے ہمارا خصوصیت کا برتاؤ ہے۔ باقی
اوروں سے ضابطہ کا۔ چونکہ آپ سے پہلے سے ملاقات نہیں تھی اس لیے آپ کے حالات
وخیالات کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ہم نے ضابطہ کا جواب دیا لیکن اب آپ کے
پاس ایسا جواب نہ پہنچے گا۔ مگر جیسا کہ اس ملاقات کا اثر میرے اوپر ہوا ہے آپ پر بھی اثر ہوگا
کہ اب آپ بھی ایسا بیہودہ سوال کبھی نہ کریں گے۔ میں نے سوچا کہ جب میں اپنے کو مقید کر رہا
ہوں تو انہیں بھی کیوں نہ مقید کروں انہیں کیسے یوں ہی چھوڑ دوں۔ لوگ اب ایسے ہی
فضول سوالات کرنے لگے ہیں۔ کیرانہ کا قصہ ہے کہ ایک صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ
نماز پانچ وقت کیوں مقرر ہوئی اس میں کیا مصلحت ہے۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ تمہاری
ناک آگے کیوں لگی ہے پیچھے کیوں نہ لگی۔ یہ سن کر بڑے دنگ ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ میاں

نے ایسی ہی بنادی ہیں نے کہا کہ میں قسم کھاتا ہوں کہ نماز بھی میرے اباجان کی بنائی ہوئی
نہیں ہے۔ یہ بھی اللہ میاں ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ کیا لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ احکام مولویوں
کے تصنیف ہیں۔ ایک بڑھیا کی حکایت یاد آئی۔ جب حج میں صفا مروہ کے دو تین چکر لگا چکی
تو ہاتھ جوڑ کر مطوف سے کہتی ہے کہ مولوی صاحب اب چلا نہیں جاتا اللہ کے واسطے معاف کردو
اُس نے جواب دیا کہ میرے گھر کی تو بات نہیں مت چل تجھے اختیار ہے۔ غرض احکام
شرعیہ سب اللہ میاں کے بنائے ہوئے ہیں انہیں سے حکمتیں پوچھ لیناوہ یا تو زبان سے
جواب دیں گے یا ہاتھ سے اور زبان سے کیوں دینے لگے ہاتھ ہی سے جواب دیں گے
فقط اتنی بات کہ خدا کا حکم ہے یا نہیں یہ تو تحقیق کرلو۔ پھر یہ مت دیکھو کہ اس میں کیا حکمتیں ہیں یا
حکمتیں حکم مقرر کرنے والا جانے ہمیں امتثال سے مطلب۔ اس طرز کی برکت سے انشاء اللہ
ایک دن وہ بھی آجاوے گا کہ حکمتیں اور اسرار بھی معلوم ہوجاویں گے۔ شاید کسی کو بہت ہی
شوق ہو میری تقریر سُن کر وہ کہتا ہو گا کہ انہوں نے تو بالکل بند ہی کردیا جی میں ارمان ہی
رہ گیا۔ سو میں بشارت دیتا ہوں کہ اگر اسرار جاننے کا شوق ہے تو یہ طرز یعنی اطاعت اختیار
کیجئے۔ میں وعدہ بلکہ دعویٰ تجربہ کی بنا پر کرتا ہوں کہ اطاعت سے ایک نور اس کے قلب میں
ایسا پیدا ہوگا جس سے یہ حالت ہوگی کہ؎

بینی اندر خود علوم انبیا	بے کتاب و بے معید و اوستا

(ترجمہ اپنے اندر بے کتاب و بے مددگار و اُستاد انبیاء کے جیسے علوم دیکھو گے ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

خود بخود اُسکے قلب میں اسرار جھلکیں گے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھئے کہ ایک شخص
بغاوت کرتا ہے اور پھر چاہتا ہے کہ میں شاہی اسرار پر مطلع ہوجاؤں خزانہ شاہی کے حالات
معلوم ہوجائیں بلکہ شاہی بیبیوں کے خط و خال اور حسن و جمال تک کا مشاہدہ کرلوں۔
تو بادشاہ اُس کے لئے لگا دیگا کہ یہ بھی یاد رکھے۔ اگر اسرار معلوم کرنا چاہتے ہو تو فدا
ہوجاؤ بادشاہ پر۔ فدوی جو آج کل لکھا جاتا ہے یہ شاہی زمانہ میں بڑا رتبہ تھا جس سے
بہت ہی زیادہ خصوصیت ہوتی تھی اُس کو فدوی کا منصب دیا جاتا تھا۔ اس کے
معنی یہ ہوتے تھے کہ بادشاہ کے فدائیوں اور جاں نثاروں میں ہیں پرانے زمانہ کی مہروں

ہم نے دیکھیں اُن میں بعضے ناموں کے ساتھ فدوی لکھا ہے۔ یہ بڑی خصوصیت کا تبہ تھا عاشق کا ہم معنے ہے۔ تو بس تم بھی حق کے فدوی ہو جاؤ کامل اطاعت اور جان نثاری کی شان پیدا کرو عجب نہیں وہ دن آوے کہ بادشاہ خوش ہو کر خود ہی کہے کہ آؤ ہم تمہیں اپنا خزانہ دکھلا دوں اور خزانہ شاہی پر لیجا کر کھڑا کر دے کہ یہ جواہرات ہیں اور یہ محلات ہیں اور عجب نہیں جو زیادہ مہربان ہو اور زیادہ اعتماد ہو جاوے تو محل سرائے میں بھی لیجا کر دکھلا دے کہ یہ ہماری بیبیاں یہ ہماری باندیاں ہیں ہاں تمام اسرار اسے نظر آجاویں گے بس اطاعت ہی اس کا طریقہ ہے۔ خدا جانتا ہے۔ ترک استدلال سے اطلاعیں ہوئی ہیں جس کو ہوئی ہیں اسرار منکشف ہوئے ہیں۔ خود رائی کے چھوڑنے سے حضرت عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

فکر خود رائے خود در عالم رندی نیست	کفر ست دریں مذہب خود بینی خود رائی

(ترجمہ یعنی عالم عاشقی میں اپنی فکر و رائے بالکل بیکار ہے اس مذہب میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

دیکھئے خود رائی کو کفر کہتے ہیں جنہوں نے اپنے کو فدا کر دیا اور بلا تفتیش اور بلا چون وچرا کامل اطاعت اختیار کی اُن کو حق تعالیٰ اپنے اسرار پر مطلع کر دیتے ہیں حسب استعداد۔ یہ میں نہیں کہتا کہ تمام اسرار پر مطلع کر دیتے ہیں لیکن اتنا ضرور کر دیتے ہیں کہ اُن کو اطمینان ہو جاتا ہے کوئی شبہ و شک نہیں رہتا اور اس مرتبہ کا نام صدیق ہے حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی مرتبہ تھا۔ ایسا شخص نہ معجزہ کا طالب ہوتا ہے نہ کرامت کا اُس کا قلب گواہی دینے لگتا ہے کہ یہ حق ہے اس کو کبھی وسوسہ نہیں ہوتا۔ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی ہوں آپ نے فوراً تصدیق کی اور پڑھا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (ترجمہ میں گواہی دیتا ہوں کہ بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی معبود نہیں اور گواہی دیتا ہوں محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اُس کے رسول ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

حضرت عبد اللہ بن سلام کہتے ہیں فلمّا تبینت وجهه عرفت انه لیس بوجه کذاب (ترجمہ یعنی جبکہ آپ کا چہرہ مبارک ظاہر ہوا تو میں پہچان گیا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

صفحات اشرفیہ

طلب سے بھی صدیقیت کی شان پیدا ہو جاتی ہے جیسا عبداللہ بن سلام نے حضور کو دیکھتے ہی فرمایا کہ یہ چہرہ جھوٹے کا نہیں ہے سچ ہے ؎

نور حق ظاہر بود اندر ولی ۔۔۔ نیک بیں باشی اگر اہلِ دلی

(ترجمہ ولی میں انوار الٰہی نمایاں ہوتے ہیں مگر اس کا ادراک اہلِ دل کو ہوتا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

اس کا ترجمہ مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے ؎

مرد حقانی کی پیشانی کا نور ۔۔۔ کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور

اور یہاں میں ایک بات قابل یاد رکھنے کے بتلاتا ہوں کہ ایسی شہادت ہر شخص کے قلب کی معتبر نہیں ہے بلکہ اہل دل کی معتبر ہے یعنی جس کی طرف علماء صلحاء اتقیاء متوجہ ہوں وہ درویش کامل ہے اور جس کی طرف عوام زناکار شرابی اہلِ مال وجاہ رجوع ہوں وہ درویش نہیں۔ اہل تقویٰ کی آنکھ میں جو سما گیا وہ کامل ہے بہت شعبدہ باز مکار اس زمانہ میں ایسے پیدا ہو گئے ہیں جن کی طرف عوام ہجوم کرتے ہیں ایسے ایسے سائل گداگر آتے ہیں کہ ڈیوڑھی پر کھڑے بتلا دیتے ہیں کہ دیکھو فلانی الگنی پر یہ کپڑا پڑا ہے ہم وہی لیں گے لوگ ہیبت کے مارے لا کر دیدیتے ہیں کہ شاہ صاحب بڑے غیب دان ہیں حالانکہ وہ غیب دان نہیں بلکہ عیب دان ہیں۔ عوام ایسے کو سمجھتے ہیں کہ بڑا بزرگ ہے گھر کی بات بتلا دی اگر بزرگ ہوتے تو بھیک کیوں مانگتے۔ ایک ایسے ہی شاہ صاحب ہمارے دروازے پر پہنچے اور صدا لگائی۔ اندر سے کچھ آٹا بھیجا گیا لیکن آٹا بھلا وہاں کیا قبول ہوتا لمبی چوڑی فرمائشیں شروع کیں۔ میں اوپر تفسیر لکھ رہا تھا۔ دیر تک جھک جھک چق چق ہوتی رہی۔ میرا جی گھبرایا بالآخر خود مجھے نیچے آنا پڑا دیکھا تو ایک نہایت وجیہ شخص ہیں بڑا چغہ زیب تن کئے ہوئے لنگی باندھے ہوئے۔ بڑا سا عمامہ باندھے تسبیحیں بہت سی گلے میں ڈالے ہوئے عصا ہاتھ میں لئے جیسے کوئی شیخ المشائخ۔ میں نے کہا شاہ صاحب کیا تکرار ہے کہا ہم نقد لیں گے ہم آٹا نہیں لیتے۔ میں نے کہا شاہ صاحب جس کو جو توفیق ہو وہی لے لینا چاہئے۔ سرکار آپ کی توفیق ہوئی اسی کو قبول فرما لیا جاوے میرے پاس کوئی عبا نہیں ہوتی قبا نہیں ہوتی سادہ کرتہ پاجامہ پہنتا ہوں مجھے اُنھوں نے

اہل کمال کی پہچان میں کس قلب کی شہادت معتبر ہے

دھمکانا شروع کیا اور بڑے زور میں آکر پڑھا ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست	شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(ترجمہ ہر شخص کو خالی تصور نہ کرو شاید کشف و کرامت اور محبت الٰہی سے لبریز خدارسیدہ قطب و ابدال ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

میں نے کہا کہ جناب آپکو بھی تو یہی خیال کرنا چاہیئے کہ ؎

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی ست	شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

(ترجمہ ہر شخص کو خالی گمان نہ کرو شاید کشف و کرامت اور محبت الٰہی سے لبریز خدارسیدہ اور قطب و ابدال ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

پھر تو شاہ صاحب بڑے چکرائے اور سمجھے کہ یہ تو طالب علم نکلا۔ اس سے بیڈھب پالا پڑا۔ پھر میں نے سختی کے ساتھ کہا کہ آپ کی عقل ماری گئی ہے آپ نے میری نرمی کی قدر نہ کی اب یا تو سیدھی طرح سے اپنا راستہ لیجئے ورنہ میں کان پکڑ کر باہر کردونگا۔ بس پھر دم بھی نہیں مارا چپکے چلے گئے۔ ایسوں کا یہی علاج ہے۔ شاہجہاں پور میں ایک بناہوا فقیر آپہنچا پٹھانوں کے پاس آکر کہا کہ میں یہاں قطب ہوکر آیا ہوں مجھپر ایمان لاؤ۔ پٹھان بیچارے سیدھے سادے ہوتے ہیں اُنھوں نے کہا اچھا بھائی تم قطب سہی ایک پٹھان بڑے چلتے ہوئے تھے اُن کے پاس بھی جاکر یہی کہا کہ میں یہاں قطب ہوکر آیا ہوں اُنھوں نے کہا کہ ہاں آپ قطب ہوں گے۔ لیکن میں تصدیق نہیں کرسکتا کیونکہ آپ کے پہلے میں یہاں کا قطب تھا۔ میرے پاس آپ کے قطب ہونیکی اطلاع نہیں پہنچی بلا اطلاع میں آپ کو چارج نہیں دے سکتا۔ یا تو آپ اپنی تقرری کی چٹھی میرے پاس بھجوائیے ورنہ میں سمجھوں گا کہ آپ باغی ہیں اور شہر سے پٹوا کر نکلوادونگا غرض اُنھوں نے ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ اُس کو پیچھا چھڑانا مشکل پڑگیا۔ اور سوچا کہ بھائی یہاں دال نہیں گلے گی۔ اور دوسرے ہی دن غائب ہوگئے۔ اس خوف سے کہ کہیں پیٹنا نہ جاؤں۔ ساری قطبیت ختم ہوگئی۔ مگر عوام الناس کے اعتقاد کی یہ کیفیت ہے کہ میں ایک دفعہ مسجد سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص ننگ دھڑنگ

لنگی زمین پر بچھائے ہوئے اُس پر بیٹھا ہے اور ایک مجمع کا مجمع مسلمان ہندو چاروں طرف حلقہ باندھے کھڑے ہیں جیسے شمع کے گرد پروانہ غور کیا تو یہ وہی شخص تھا جس نے ہماری مسجد میں تھوڑی دیر پہلے آکر چھڑکاؤ کیا تھا اُس وقت تو لنگی باندھے ہوئے تھا اور باہر لنگی اُتار کر ننگا جا بیٹھا۔ خدا کی مار پھر عصر کیوقت مع لنگی کے مسجد میں موجود ہیں میں نے پوچھا کہ تم بنا لنگی کے باہر کیوں بیٹھے تھے۔ بس اس پوچھنے پر خفا ہو کر چلے گئے۔ بعض کا گمان تھا کہ قطب ہے۔ اگر ایسے ایسے لوگ بھی قطب ہونے لگے تو پھر دنیا میں کوئی اہلِ باطل ہی نہیں۔ آج کل یہ حالت ہی کہ جو جتنا شریعت سے دور اُتنا ہی وہ خدا رسیدہ اور مقبول اور جو شخص جتنا شریعت سے قریب بس مُلّا ہے۔ یاد رکھئے جس کو آنکھوں والے کہدیں کہ یہ کامل ہے۔ وہی کامل ہے ورنہ ایسا ہی ہے جیسا اندھوں نے ہاتھی کا حلیہ بیان کیا تھا اندھوں کی آنکھیں تو ہاتھ میں ہوتی ہیں۔ اندھوں کے شہر میں ایک ہاتھی کہیں سے پہنچ گیا جلسہ ہوا کہ تحقیقات ہوگی۔ ہاتھی کیسا ہوتا ہے۔ ایک ایک کرکے سب پہنچے۔ اور ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر حلیہ دریافت کیا۔ ایک آکر کہا کہ سانپ کے مشابہ ہوتا ہے اُس نے سونڈ ٹٹولی تھی۔ دوسرا بولا نہیں موسل کی طرح ہوتا ہے اُس کا پونچھ پر ہاتھ پڑا ہوگا۔ تیسرا آیا کہ پنکھے کی مانند ہوتا ہے اُس نے کان دیکھا تھا۔ ایک نے کہا کہ نہیں تخت کے مشابہ ہوتا ہے اُس نے کمر دیکھی تھی پھر آپس میں خوب لڑائی ہوئی۔ اگر کوئی سوانکھا وہاں ہوتا تو وہ کہتا کہ سب جھوٹے ہو اور سب سچے ہو۔ سب نے ایک ایک جزو دیکھا ہے پُورا ہاتھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اسی کو حضرت حافظ فرماتے ہیں ؎

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را عذر بنہ		چوں نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

(ترجمہ سوائے طریق سنت کے تمام طُرق ڈھکوسلے اور باطل ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

سو آنکھیں اطاعت کی برکت سے کھلتی ہیں ایسا ہی شخص خدا کو بھی اور خدا والوں کو بھی پہچانتا ہے۔ حکموں کو بھی جانتا ہے اور اُن کی حکمتوں کو بھی گویا جمال ہی کے درجہ میں

سہی۔ لیکن اس قدر علم ضرور دے دیا جاتا ہے کہ اُس کی تسلّی ہو جاوے ــــ تسلّی داد
ہر یک را بر نگے (ترجمہ ہر ایک کو اس کی ضرورت کے موافق علم دے کر تسلی عطا کی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ہمیں ضرورت صرف اتنے ہی علم کی ہے کہ شبہات رفع ہو جاویں البتہ انبیاء
کو زیادہ علم کی ضرورت ہے۔ سو اطاعت کی برکت سے اتنا علم ضرور ہو جاتا ہے کہ پھر
شبہ نہیں ہوتا اہل اللہ کو دیکھا اُنہیں وساوس کبھی نہیں آتے۔ وساوس کا علاج
سوائے اطاعت و فنا کے کچھ نہیں خوب سمجھ لو۔ اور اُس کے متعلق ایک اور ضروری بات
سمجھائے دیتا ہوں کہ یہ برکت اطاعت میں جب ہوگی کہ اُس کو بقصد اطلاع اسرار نہ اختیار
کیا جاوے ورنہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہ تو غرض کے واسطے اطاعت ہوئی۔ جیسے کوئی بادشاہ
کے یہاں صبح و شام ہر روز دو بار حاضری دے آیا کرتا ہے اور لوگوں کے پوچھنے پر
کہہ دیتا ہے کہ میں اس خیال سے جایا کرتا ہوں کہ ہمیں خزانہ شاہی کا حال معلوم
کرنا ہے۔ شاید مہربان ہو جاوے اور خزانہ میں آنے جانے کی ممانعت مجھ سے اُٹھا
دی جاوے۔ خفیہ پولیس نے خبر لگا کر بادشاہ کو اُس کے مقصود سے مطلع کیا۔ کہ
حضور یہ آپ کا طالب نہیں ہے آپ کے اسرار معلوم کرنا چاہتا ہے۔ اُس کو بھید
لینا ہے آپ کے خزانوں کا۔ عجب نہیں بادشاہ اُس کی اس حرکت پر اُسی دن حکم
دیدے کہ دربار کی حاضری بند ایسے شخص کو ہرگز نہ آنے دیا جاوے۔ مگر بادشاہ کو تو
اس کی نیت کی اطلاع خفیہ پولیس کے ذریعہ سے ہوئی اور اللہ تعالیٰ کو تو بلا واسطہ
اطلاع ہے۔ اگر اس غرض سے اطاعت کسی نے شروع کی کہ اُس کو اسرار کی اطلاع ہو
جاوے تو یہ غرض کی اطاعت ہوئی پھر نہیں ہوگی اطلاع۔

اطاعت اطاعت کی غرض سے کرنا چاہیئے۔ اسرار کا قصد ہی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ
بقدر آپ کی تسلّی کے اسرار کی بھی اطلاع کر دیں گے۔ بس طریق یہ ہے جس کو اہل اللہ نے
تجویز کیا ہے۔ اس لئے وہ اسرار قصداً نہیں بیان کرتے سب جوابوں کا جواب یہی دیتے
ہیں کہ ہم نہیں جانتے یا ہم نہیں بتلاتے بجز اس کے کہ مالک اور محبوب کا حکم ہے
کرنا چاہئے اور یہی وہ معنی ہے جو اعمال کے سب ارواح کی روح ہے۔ اور جو منشا

مصالح باطنی کے متعلق اہل ظاہر و اہل باطن کی غلطیاں

ہے اس وعظ کے روح الارواح کے ساتھ مسمّٰی ہونے کا۔ پس اصل جواب مشترک تو اس سوال کا جو کہ شروع وعظ میں مذکور ہے کہ احکام میں کیا مصلحتیں ہیں۔ یہی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر عمل اور حکم میں جُدا جُدا اسرار اور مصالح بھی ہیں جو محققین کے کلام میں پائے جاتے ہیں۔ سو اس پر تو سب کا اتفاق ہوا کہ احکام میں مصالح ہیں۔ لیکن ان مصالح کے متعلق دو جماعتوں میں دو قسم کی غلطیاں واقع ہو رہی ہیں ایک اُن میں جو محض اہلِ ظاہر ہیں ایک اُن میں محض اہلِ باطن ہیں۔ ان ہی دو جماعتوں کو میں نے شروع وعظ میں بلفظ بعض علماء تعبیر کیا ہے اور اُن کے مقابل ایک تیسری جماعت جو محققین ہیں وہ اُن سے محفوظ ہیں اور اُن کا مسلک وہی فیصلہ ہے اُن اہل اختلاف کی اغلاط کا اس وقت ان ہی دونوں غلطیوں کی اصلاح مقصود ہے اور وہ ایک معرکہ کی بات ہے۔ اور اس وقت اسی غرض سے اس آیت کی تلاوت کی گئی ہے بیان اُس کا یہ ہے کہ اس پر تو سب کا اتفاق ہے کہ شرائع میں حکمتیں ہیں جن کے دوسرے نام روح اور مغز اور جوہر اور حقیقت اور اسرار ہیں۔ مگر باوجود اس اتفاق کے اُن کے ساتھ معاملہ غیر محققین کا مختلف ہوا البتہ محققین جو کہ جامع ہوتے ہیں ظاہر و باطن اور صورت و حقیقت کے وہ حکمت باطنی اور صورت ظاہری دونوں پر عمل کرتے ہیں۔ مثلاً صورت بھی بناتے ہیں نماز کی اور اس کی حکمت کہ توجہ الی اللہ ہے جو اُس کا مغز ہے اُس کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔ پس وہ دونوں کو جمع کرتے ہیں۔ باقی غیر محققین میں سے جو محض اہلِ قال ہیں وہ یہ غلطی کرتے ہیں کہ عمر بھر صورت ہی پر اکتفا کرتے ہیں روح یعنی توجہ الی اللہ کی طرف التفات نہیں کرتے۔ نہایت نادان ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں۔ سب کچھ ہے سمت قبلہ بھی وضو بھی رکوع بھی سجدہ بھی۔ مگر مقصود اعظم کی فکر نہیں نہ توجہ اور نہ اُس کی تحصیل کی کوشش۔ بس ہم سوالوں کی نماز یہ ہے۔ پھر سمجھتے ہیں کہ کامل نماز ہے۔ مگر یہ غلطی محض عملی ہے اور اُس کے ساتھ ہی باطن کے وہ منکر نہیں۔ اب رہ گئے وہ غیر محققین

ے اور اتفاق سے اس میں جواب شافی ہو گیا ہے۔ اس سوال کا جس کا جواب ... الاسرار میں دیا گیا ہے جس سے غلطیوں کا بنیاد و اندیشہ ہی ۱۲ منہ

جو محض اہل باطن سمجھے جاتے ہیں وہ صوفیہ منکرین ہیں۔ ظاہر شریعت کے اُن کی حالت یہ ہے کہ اُنہوں نے صرف باطن کو دیکھا۔ اُنہوں نے سمجھا کہ مقصود اصلی ہے۔ اُنہوں نے صورت کو بالکل ہی اُڑا دیا۔ اُنہوں نے سمجھا کہ نماز رکوع سجدہ پوست ہے۔ مغز نہیں مقصود محض مغز ہوتا ہے۔ پوست حذف کر دیا جاوے اُنہوں نے توجہ کو کافی سمجھا۔ لہذا صورتِ ارکان کو اُنہوں نے بے وقعت قرار دیا حتیٰ کہ بعضوں نے صاف کہدیا کہ نماز بہیئتِ کذائیہ فرض نہیں اسی طرح ستر عورت کی روح لباس تقویٰ عن الحرام (ترجمہ حرام سے پرہیز کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) قرار دیکر اور اُس کو اپنے نزدیک حاصل کر کے سمجھے کہ ظاہر بدن کا ڈھکنا فرض نہیں برہنہ رہنا جائز ہے۔ روزہ کی حقیقت قوت بہیمیہ کا توڑنا سمجھے اُس کو اپنے زعم میں توڑ ڈالا اب ضرورت روزہ کی نہیں۔ حج کی روح معیت مع اللہ اور کیفیت محبت و عشق کی نکالی اور بزعم خود کیفیت عشق و محبت کی حاصل کر کے اپنے زعم میں جو حج کا مقصود تھا وہ حاصل کر لیا اور اپنے مشرب کیلئے بزرگوں کے کلام ذووجوہ سے استدلال کیا اور اپنے مذاق پر ڈھال کر تمام احکام پر ایسا ہی تصرف کیا۔ اور شریعت ظاہرہ کو اُڑا دیا اور اہلِ ظاہر پہ طعن کیا کہ زکوٰۃ پر خوش ہیں حالانکہ جبتک حب مال نہ زائل کریں تو سب بیکار ہے۔ غرض اہل صلوٰۃ اہل زکوٰۃ پہ طعن کیئے اور اُن پر ہنسے جس کا انجام اُن کے لئے کفر اور دوسروں کے لئے مطلق العنانی ہوا۔ پھر اُنہوں نے تو ریاضت مجاہدہ کے بعد یہ کیا۔ دوسروں نے بلا ریاضت مجاہدہ نماز روزہ چھوڑ کر فسق و فجور اختیار کیا۔ طوائفوں میں ٹھیرے مُنہ کالا کیا۔ اور کسی نے اعتراض کیا تو کہدیا کہ میاں ہمہ اوست کون کرتا ہے کون کراتا ہے ایسے لوگوں نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی کوشش کو مٹانا چاہا۔ لیکن اسلام کے حافظ حضرت حق ہیں۔ اُن کا وار چلا نہیں۔ مگر اُنہوں نے کوتاہی نہیں کی شریعت بزبان حال اُن سے خطاب کر رہی ہے ؎

قتل این خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود	ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

تم نے تو کسر نہ چھوڑی تھی پر اُٹھنا مقدر نہ تھا نہ مٹا سکے خدا کا ہاتھ میرے سر پہ تھا
خدائی چراغ کو کوئی نہیں بجھا سکتا۔ پس ایک جماعت نے روح کی طرف التفات نہیں کیا۔ اور ایک نے صورت کی طرف۔ لیکن پھر بھی ان دونوں میں تفاوت عظیم ہے۔ جنھوں نے روح کی طرف التفات نہیں کیا اُنھوں نے روح کا انکار نہیں کیا۔ اور جنھوں نے صرف روح کو لیا اُنھوں نے صورت کا انکار کیا نیز جنھوں نے روح کی طرف التفات نہیں کیا وہ روح کو بالکل چھوڑے ہوئے نہیں ہیں۔ یہ ایک باریک بات سمجھنے کے قابل ہے۔ یعنی روح کے درجات متفاوت ہیں۔ صوفیہ نے روح کے بعض درجات کو ذکر کیا ہے۔ رمضان کے وعظوں میں میں نے انھیں ارواح کو بیان کیا ہے۔ لیکن ارواح میں اُن کے علاوہ اور مراتب بھی ہیں گو اُن سے ضعیف ہوں جیسے انسان زندہ ہوتا ہے روح حیوانی سے اور اُس کے مراتب مختلف ہیں۔ ایک پہلوان قوی الجثہ کے اندر روح ہے اُس کی روح ایسی قوی ہے کہ چلتا پھرتا ہے شہ زوروں کو اُٹھا کر پٹک دیتا ہے سیر سیر بھر کھا جاتا ہے۔ پیسوں کو مل دیتا ہے۔ ایک ایسے بیمار کی روح ہے جو چار برس سے مدقوق ہے اور اُس کی دق درجۂ ثالث کو پہنچ گئی ہے۔ کھانسا بھی نہیں جاتا۔ آنکھ کھولنے میں بھی تکلیف۔ اُس کی روح بہت ضعیف ہے۔ لیکن ایسی با قدر ہے کہ اُس کی خاص طور سے حفاظت کی جاتی ہے۔ اُس کو صدمات سے بچایا جاتا ہے اُس کی ایسی قدر ہے کہ گو وہ خود ہی چار دن بعد مرنے والا ہو۔ لیکن اگر کوئی اُس کو مار ڈالے تو پھانسی ہوگی۔ قوی الجثہ پہلوان اور مریض مدقوق دونوں کے مار ڈالنے میں ویسی ہی پھانسی ہوگی۔ بلکہ جو ایسے مریض کو مار ڈالے تو اُس کو علاوہ پھانسی کے یہ بھی ملامت کی جاوے گی کہ شرم نہیں آئی مرتے کو مارا قانون کے مرتبے میں پھانسی اور نخ کے طور پر ملامت۔ پس ایسا مریض گو کمزور ہے۔ لیکن روح سے خالی نہیں گو روح ضعیف سہی۔ اسی طرح اعمال کی روح کو سمجھو۔ پس منکرین ظاہر کہتے ہیں کہ صورت کو بیکر بیٹھے ہیں۔ یہ معترض نادان یہ نہیں جانتا کہ یہ صورت محضہ نہیں ہے۔ اس میں بھی روح ہے۔

روح اعمال کے درجات ضعیف و قوی کوئی عامل ظاہر کا اس روح سے خالی نہیں

گوادنیٰ درجہ کی سہی۔ پس جس وقت نیت نماز کی باندھی وہی نیت روح ہے نماز
کی چنانچہ اگر نیت نہو روزہ صحیح نہ ہو خواہ دن بھر کچھ نہ کھائے نہ پیئے روزہ کی شرط نیت
ہے۔ اور نیت فعل القلب ہے۔ جب نیت کی بس روح متحقق ہو گئی۔ جنیدؒ و شبلیؒ
کے اعمال میں بڑی قوی روح ہے کہ نیت بھی زیادہ خالص اور توجہ الی اللہ بھی
مستمر ہمارے اعمال میں ضعیف ہے لیکن ہے ضرور مگر اس ضعیف روح کا بھی
جو شخص حق ضائع کرے گا وہ بھی سرکاری مجرم ہوگا۔ چنانچہ ان مدعیانِ تصوف
نے اس روح کا حق ضائع کیا۔ اور عجب نہیں جنیدؒ کی نماز سے زیادہ سرکار عالی میں
ہماری نماز کی حفاظت کی جاوے۔ کیونکہ اس میں بہت ہی ضعیف روح ہے کہیں
نکل نہ جاوے۔ خیر تو لطیفہ ہے۔ ہمیں یہ ثابت کرنا ہے کہ ہماری نماز زکوۃ بے
روح نہیں۔ اس مدعی نے ہماری زکوۃ پر اعتراض کیا کہ زکوۃ دینے سے کیا ہوا
جبکہ صفت بخل زائل نہ ہوئی۔ لیکن اُس نے یہ نہ دیکھا کہ اتنی تو بخل کی صفت
گئی۔ کہ پچاس روپے دے دیے۔ غرض ہماری زکوۃ بالکل بے جان تو نہیں
معترض نے ہماری نماز زکوۃ کو پوست بے مغز سے تشبیہ دی لیکن وہ تشبیہ غلط
ہے البتہ اُس کی تشبیہ ہے پوست با مغز کم روغن کے ساتھ مغز ہے لیکن کم روغن
ہے سو کھا روکھا مگر ہے ضرور ایسا ہے کہ جتنا روغن اچھے مغز سے ایک سیر میں نکلتا
یہاں چار میں سے نکلے گا۔ حضرت جنیدؒ کی دو رکعتیں ہماری بیس رکعتوں کے
برابر ہوں گی۔ جمع ہو کر انشاء اللہ تعالیٰ با مغز کے برابر ہو رہے گا۔ الحمد للہ یہ علم
عظیم آج ہی عطا ہوا ہے۔ گو یہ مضمون ذہن میں مدت سے تھا۔ لیکن مبہم تھا۔ اُس کی
تعبیر کبھی بیان نہیں کر سکا۔ میں سوچتا تھا کہ کیا چیز اٹکی ہوئی ہے جو زبان پر نہیں آتی
سو آج وہ مضمون زبان پر بھی آگیا۔ الحمد للہ غرض نیت بھی روح ہے گو ادنیٰ درجہ کی
روح ہے۔ تو ہماری نماز بے روح نہیں۔ پس اُن کے یہاں روح بلا صورت ہے اور ہمارے
یہاں صورت مع الروح الضعیفہ (ترجمہ کمزور روح کے ساتھ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اب میں ترقی کر کے
کہتا ہوں کہ جن کو دعویٰ نری روح کا ہے اُن کے یہاں روح بھی نہیں اگر ہیں اول سے

یہ دعویٰ کرتا تو تسلیم بھی نہ کیا جاتا اس لئے اوّل روح بلا صورت کا دعویٰ کیا۔ اب انشاء اللہ اُس کو بھی ثابت کئے دیتا ہوں کہ روح بھی نہیں اور اس میں جواب ہو جاویگا بعضی ایسی کتابوں کا بھی جن کی نسبت میرا خیال تھا کہ ان کا جواب ہونا چاہئیے سو بحمد اللہ بلا قصد اسکا جواب ہو گیا۔ گو مختصر ہے لیکن الحمد للہ پورا جواب ہے۔ رنجک (ترجمہ وہ بارود جو بندوق کی پیالی میں رکھی جاتی ہے جس سے پہاڑ اڑائے جاتے ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) تھوڑی سی ہوتی ہے لیکن پہاڑ اڑانے کے واسطے کافی ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ جس کو وہ لوگ بلا نماز کے روح نماز کی سمجھتے ہیں۔ وہ روح نماز ہی نہیں۔ یہ میرا دعویٰ ہے تحقیق اس کی یہ ہے کہ بعض ارواح کے تحقق کے بعض شرائط ہوتے ہیں۔ قاعدہ عقلیہ ہے کہ بلا شرط کے مشروط نہیں پایا جاتا۔ پس نماز کی جو روح ہے یعنی توجہ الی اللہ (ترجمہ اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ بدون نماز کی صورت کے نماز کی اُس روح کا تحقق ہی نہیں ہوتا یعنی جب نماز مع توجہ الی اللہ (ترجمہ اللہ کی طرف توجہ کرنے کے ساتھ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) فرض کی گئی تو اُس سے ثابت ہوا کہ مطلق توجہ الی اللہ نماز کی روح نہیں ہے بلکہ خاص وہی توجہ الی اللہ جو نماز کے ضمن میں پائی جاوے اور ظاہر ہے کہ بدون نماز کے نہ پائی جاوے گی۔ پس اُن کا یہی دعویٰ غلط ہے کہ ہم نے نماز کی روح بدون نماز کے حاصل کر لی ہے مثلاً روح انسانی کے فیضان کیلئے بدن انسانی کا شرط ہونا معلوم ہے تو اگر گائے سامنے آوے اور یہ کہا جاوے کہ اسکے اندر روح انسانی ہے تو اُس کی کبھی کوئی تصدیق نہ کرے گا کیونکہ عادۃً اللہ یوں ہی جاری ہے کہ روح انسانی کا جب تحقق ہوگا۔ اسی قالب انسانی میں ہوگا۔ پس کہیں گے کہ گائے کے اندر روح حیوانی ہے۔ روح انسانی نہیں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے فعل سے یہ بات معلوم ہوئی۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے قول سے کہ اُرْكَعُوْا اُسْجُدُوْا (ترجمہ رکوع اور سجدہ کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہے مع وعید ترک نماز یہ معلوم ہوا کہ نماز کی روح نماز سے مجرد ہو کر کبھی پائی نہیں جا سکتی۔ جب قالب نہیں ہے تو روح جس کا دعویٰ ہے وہ نماز کی روح ہی نہیں کسی اور چیز کی روح ہوگی چاہے مشابہ روح نماز کے ہو۔ اب ایک اور ترقی کرتا ہوں کہ جس طرح وہ نماز کی روح نہیں اسی طرح کسی دوسری چیز کی بھی روح نہیں۔ پس کسی قسم کی

بھی روح نہیں۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ نماز کی روح اللہ کی یاد ذکر اللہ باخلوص یا مثلاً عبادت
کی روح محبت وعشق یہ سب جب پایا جاویگا کسی نہ کسی تشخص کے ساتھ پایا جاوے گا
کیونکہ مطلق من حیث ہو مطلق (ترجمہ اس اعتبار سے کہ وہ مطلق ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) نہیں پایا جا سکتا
جب پایا جاوے گا کسی تشخص کے ساتھ ہوگا۔ کلی مرتبۂ کلی میں کبھی نہیں پائی جا سکتی
جس طرح کہ انسان جب کبھی پایا جاوے گا کسی نہ کسی شخص کے ضمن میں پایا جاوے گا
یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ زید بھی نہ ہو بکر بھی نہ ہو اللہ بخش بھی نہ ہو کوئی نہ ہو اور انسان ہو
اب ہم دیکھتے ہیں کہ روح یعنی توجہ الی اللہ کے جو افراد مطلوب ہیں وہ اُس تشخص کیساتھ
تو مطلوب نہیں جو بلا واسطہ کسی عمل ظاہری کے ہو کیونکہ اُن میں کوئی مشقت وکلفت
ومجاہدہ ہی نہیں بلکہ مطلوب خاص وہ افراد ہیں جو ضمن میں کسی عمل ظاہری کے ہوں
پس اگر کوئی عمل ظاہری نہیں تو وہ تشخص نہیں اور کلی من حیث ھو کلی کا وجود ہوتا نہیں
پس وہ توجہ الی اللہ ہی نہ پائی گئی۔ اس لئے ہم کہتے ہیں کہ کوئی روح ہی نہ پائی گئی۔
نہ نماز کی نہ غیر نماز کی اور اگر کوئی عمل غیر نماز کیا ہے تو صورت کی حاجت ہوئی۔ تو اے
مدعی پھر وہی صورت کیوں نہیں قبول کرتا جو محبوب نے تجویز کی۔ ہم تو تیری نفی صورت
کو جب جانتے جب نری روح کو لاکر کھڑا کر دیتے۔ جب صورت سے چارہ نہیں۔ تو
صورت مجوزہ محبوب سے کونسی اچھی صورت ہوگی۔ ایک سیاح نے ایک جوگی کو دیکھا
جو قشقہ لگائے ہوئے مندر میں بیٹھا تھا۔ مگر اُس کے چہرہ سے نور ایمان نمایاں تھا۔ کیونکہ
ایمان کا نور چھپا نہیں رہ سکتا چاہے لاکھ پردوں میں ہو اس سیاح نے اس جوگی سے
خلوت میں پوچھا تو اُس نے اقرار کیا کہ ہاں میں مسلمان ہوں وجہ اس ظاہری وضع کی
دریافت کی تو کہا اسلام میں قیود بہت ہیں۔ میں آزاد ہوں قیود سے وحشت ہوتی تھی سیاح
نے کہا کہ شرم نہیں آتی اطلاق کا دعویٰ ہے تو یہاں بھی قید کفر کی ہے وہاں قید اسلام کی تھی
وہاں زمزم کی قید تھی تو یہاں گنگا کی قید ہے۔ وہاں سیما سے سجدہ تھا تو یہاں قشقہ ہے
وہاں قمیص وقبا تھا۔ تو یہاں زنار ولنگوٹ ہے۔ غرض اطلاق کا محض دعویٰ ہی ہے
آزادی یہاں بھی نہیں ہاں البتہ اتنا فرق ہے کہ ایک قید محبوب کو پسند ہے اور ایک

ناپسند پس تنبیہ ہوا۔ چونکار۔ فوراً توبہ کرکے مسلمان ہوا اور بزبان حال پڑھا ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی　　　مرا با جان جاں ہمراز کردی

(ترجمہ اللہ تعالیٰ تجھے اچھا بدلہ دیں کہ تو نے میری آنکھیں کھولدیں اور میرا محبوب حقیقی سے تعلق کردیا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ایسی غلطیاں بڑوں بڑوں کو ہوجاتی ہیں یعنی عوام کے نزدیک جو بڑے ہیں جن کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ (ترجمہ اللہ تعالیٰ کی اُن پر رحمۃ نازل ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) لگا ہوا ہو ورنہ درحصل تو بڑا وہ ہے جو متبع شریعت ہو۔ کیونکہ ولایت شعبہ ہے نبوت کا جتنا کوئی نبی کے مشابہ ہوگا۔ اُتنا ہی وہ بڑا ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ اُن کی جو روح ہے وہ روح بھی نہیں ہے۔ موٹی بات ہے کہ گنّے کا رس گنّے سے حاصل ہو کر پایا جاسکتا ہے۔ انگور سے نہیں۔ جو رس انگور سے حاصل ہوگا وہ انگور کا شیرہ ہوگا۔ گنے کا رس نہ ہوگا۔ گو مشابہ گنے کے رس کے ہو۔ اس راہ میں بہت دھوکے ہوجاتے ہیں بعضے بڑوں کو بھی دھوکے ہوئے ہیں۔ اور وہ چونکہ مرگئے ہیں۔ اس لئے ہم اُن کی شان میں گستاخی کرنے سے زبان کو بچاتے ہیں کہ اللہ کا نام لینے والے تھے۔ یہ اللہ کے نام کا ادب ہے لیکن اُن کے مقالات سے ہم قرآن وحدیث کو نہیں چھوڑ سکتے۔ اُن کے حق میں یوں تاویل کرلیں گے کہ اُن سے غلطی ہوئی حال کا غلبہ ہوگیا۔ غرض جو تاویل ہوسکے گی کریں گے۔ چاہے وہ واقعی ہو یا غیر واقعی۔ جب کوئی نہ ماننے لگا تو ہم صاف طور سے کہیں گے کہ ہم اُن کی نہیں مانتے وہ کوئی نبی نہیں تھے فرشتے نہیں تھے جن کا ماننا فرض ہو۔ یہ طریق ہے بڑا نازک اہلِ باطن سے جو غلطی ہوتی ہے وہ کفر تک پہنچ جاتی ہے اور اہلِ ظاہر کی غلطی محض معصیت تک رہتی ہے۔ اسی واسطے ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ نحن نخاف الکفر وانتم تخافون المعصیۃ (ترجمہ تم تو غلطی سے گناہ ہی کا خوف کرتے ہو ہمکو تو کفر کا اندیشہ ہے محمد صابر غفرلہ) فرماتے ہیں ؎

روح ولایت کی مثال بمنزلہ شیرہ گنا ہے

مغلوب الحال بزرگوں کے اقوال کی تاویل کی جاوے

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسی است		ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار	

(ترجمہ طریق باطن میں شیطان کے وساوس اور خطرات ہیں اور ان سے بچنا چاہتے ہو تو ہوشیار رہو اور شریعت کا اتباع کرو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ہزاروں وسوسے ہزاروں خطرے یہاں تک حالت ہی کہ بعض کے سامنے شیطان ایک آسمان پیش کردیتا ہے جس میں اشکال مثل فرشتوں کے نظر آتے ہیں۔ جو گفتگو کرتے ہیں۔ پھر وہ لوگ کسی مولوی کی نہیں سنتے۔ ایک بزرگ کو روح کا نور منکشف ہوا۔ بوجہ غایت لطافت کے اُس کو وہ نور حق سمجھے اور تیس[۳۰] برس تک اُس غلطی میں مبتلا رہے تیس[۳۰] برس کے بعد سمجھے کہ یہ تو روح کا نور تھا سخت حرمان ہوا کہ میں اتنے عرصہ تک شرک میں مبتلا رہا۔ اسی واسطے بہت بڑے شیخ کامل محقق جامع بین الظاہر والباطن (ترجمہ ظاہر و باطن کا جامع ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کی ضرورت ہی جس کی یہ شان ہوے

ہر ہوسناکے نداند جام وسنداں باختن		بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق

(ترجمہ ایک ہاتھ میں جام شریعت ہو دوسرے ہاتھ میں سندان عشق یعنی شریعت اور حقیقت دونوں میں ماہر ہو۔ شریعت اور حقیقت طریقت دونوں میں پورے طور سے واقف ہونا ہر ہوسناک کا کام نہیں ہی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

یہ نہ نرے صاحب ظاہر کا کام ہے کہ صاحب ظاہر اہلِ باطن کی غلطیاں نہیں نکال سکتا۔ نہ نرے صاحب باطن کا کام ہے کہ اُس کی بھی نظر ناتمام ہے اس وجہ سے بہت بڑے جامع بین الظاہر والباطن (ترجمہ ظاہر و باطن کے جامع و ماہر ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کی ضرورت ہے (الحمد للہ کہ ایسا جامع شخص اس زمانہ میں حق تعالیٰ نے پیدا فرما کر دکھلا بھی دیا۔ اُس شخص کا نام ہے امداد اللہ)

(ان الفاظ کو نہایت جوش و خروش سے فرمایا اور بے اختیار آنکھوں میں آنسو آگئے جس کا اثر سامعین پر بے حد پڑا اور بہت سے لوگوں پر جن میں بعضے انگریزی خواں بھی تھے بے اختیار گریہ طاری ہو گیا۔ بعد کے بھی کلمات اسی جوش و خروش سے بمشکل گریہ کو ضبط فرما کر متغیر لہجہ میں فرماتے رہے جامع) وہ شخص فن تصوف کا مجتہد تھا امام تھا مجدد تھا۔ اُس نے کفر و ایمان کو بالکل الگ الگ کر دیا حق و باطل کو جدا کر دیا فن کو ایسا صاف کیا ہے کہ کہیں گنجلک نہیں رہی۔ ظاہری حالت بالکل معمولی تھی نہ جبہ تھا نہ عبا تھا نہ قبا۔ تھانہ کے ایک شخص سے معلوم ہوتے تھے لیکن سبحان اللہ حق تعالیٰ نے

اس شخص میں کیا کمال رکھا تھا جب ہی تو بڑے بڑے علما رنے اُدھر رجوع کیا۔ مگر حق یہ ہے کہ اُس شخص کو سب علما رنے بھی نہ پہچانا۔ اُنھوں نے یہ مذکورہ غلطیاں رفع کی ہیں دگرنہ (جوش و خروش جاری ہے) ہم پر دو زمانے گذرے ہیں ایک وہ کہ صوفیہ میں جو ذرا ظاہر کے خلاف نظر آیا اُسے گمراہ سمجھے اور ایک وہ زمانہ گذرا ہے کہ کوئی صوفی چاہے جتنا گمراہ ہو اُسے بھی کامل سمجھے۔ اس شخص کی بدولت معلوم ہوا کہ دونوں راہ غلط تھے۔ الحمدللہ اب غلطی ایسی نظر آتی ہے کہ غلطی کرنے والا بھی سمجھ لیتا ہے کہ دُکھتی ہوئی پکڑی ہے۔ اگر صاحب تلبیس (درجہ فریبی و مکار ۱۲ محمد صابر غفر لہ) بھی سُنتا ہے اُس کا دل بھی مان لیتا ہے محض یہ کہنا کافر کافر اس سے غلطی نہیں نکلتی اس غلطی کے متعلق جو اعمال کے ظاہر و باطن کے باب میں مذکور ہوئی ہے۔ ایک درویش صاحب سے بھی سوال کیا گیا ہے۔ اُنھوں نے ایک رسالہ کی شکل میں شریعت و طریقت کو ظاہر اور حقیقت و معرفت کو باطن قرار دے کر متبعین نبی کے دو فرقے ٹھیرا دیے ہیں وہ بھی جو باطن اصطلاحی کو لیے ہوئے نہیں اور وہ بھی جو ظاہر کے بالکل تارک ہیں اور دونوں کو متبعین نبی بتلایا ہے۔ بلکہ ان دونوں میں طرف اہل باطن کو ترجیح دی ہے اور اہل ظاہر پر طعن کیا ہے۔ اُس میں ایک غلطی یہ بھی ہے کہ ان الفاظ کو عمل کے چار درجوں کا نام سمجھے ہیں جن میں اصطلاحی معنی بھی متروک ہو گئے۔ کیونکہ شریعت کہتے ہیں مجموعہ احکام الٰہیہ کو جن میں احکام ظاہر و باطن سب داخل ہیں۔ احکام ظاہری و احکام باطنی میں تضاد نہیں بلکہ احکام ظاہری کے معنی یہ ہیں کہ احکام متعلق بالظاہر مثلاً حکم ہے کہ اقیموا الصّلوٰۃ یعنی نماز پڑھو اور ادائے حقوق کے ساتھ پڑھو اس میں وہ احکام ہیں ظاہر و باطن ظاہر ادائے ارکان باعتدال اور باطن اخلاص و خشوع جو حقوق صلوٰۃ میں داخل ہیں متاخرین کے اصطلاح میں احکام باطن کی تحصیل کے طریق کو طریقت کہتے ہیں اور شریعت اس سب مجموعہ کا نام ہے۔ طریقت اُسی کا ایک جزو ہے۔ جیسے شریعت کا ایک جزو کتاب الصلوٰۃ ہے ایک کتاب الزکوٰۃ ہے ویسے ہی اُس کا ایک جزو کتاب الشکر ایک جزو کتاب الصبر

ف ایک رسالہ کا خلاصہ اور اس کا غیر صحیح ہونا

ف الفاظ شریعت و طریقت و حقیقت

ایک جزو کتاب الاخلاص ایک جزو کتاب المحبۃ بھی ہے۔غرض طریقت شریعت ہی کا ایک
جزو ہے اُس کے مقابل کوئی چیز نہیں ہے اور شریعت مجموعہ ہے ان سب کا۔پھر
جب آدمی شریعت پر پورا عمل کرتا ہے تو اُس سے حسب استعداد بعض وجوہ تکوینیہ
تعلق ہیں الحق والخلق (ترجمہ خالق اور مخلوق کے درمیان ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کے منکشف ہوتے ہیں
مثلاً مسئلہ تقدیر کی تحقیق تجدد امثال کی کیفیت روح کی حقیقت جن کا عدم انکشاف
بھی مضر نہ تھا اور بعض وجود تشریعیہ تعلق مذکور کے منکشف ہوتے ہیں جس کو علم
معاملہ کہتے ہیں اور جس کا انکشاف حسب استعداد لازم ہے۔ان وجوہ کو حقیقت
کہتے ہیں۔ان انکشافات سے خدا تعالیٰ کی شناخت بڑھتی ہے۔اس کو معرفت
کہتے ہیں۔یہ تحقیق ہے ان الفاظ کی نہ یہ کہ چاروں متقابل ومتغایر ہیں۔جیسے
حیدر آباد میں چار منارے ہیں۔بحمد اللہ اس تقریر سے سب غلطیاں لفظی ومعنوی
سب رفع ہوگئیں اور ثابت ہوگیا کہ نرے باطن پر اکتفا کیا تو محض باطل ہے
اور جس کو ظاہر پر اکتفا کرنا سمجھا جاتا ہے وہ محض عاطل (ترجمہ بیکار ۱۲ محمد صابر) نہیں پس
نرا ظاہر والا نرے باطن والے سے اچھا ہے کیونکہ وہاں ظاہر تو خود اُن کے اقرار
سے ہے ہی نہیں اور باطن بھی دلیل سے ثابت ہوچکا کہ نہیں اور یہاں ظاہر کے
ساتھ باطن بھی ہے گو کم ہی سہی پس نرا باطن والا ازیں سو راندہ ازاں سو ماندہ (ترجمہ
نہ ادھر ہی کا نہ اُدھر کا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کا مصداق ہے مسئلہ تو بفضلہ تعالیٰ ثابت ہوچکا
اب اگر مسلم حضرات میں سے کسی نے اس کے خلاف کہا ہے یا کیا ہے تو اُس میں
تاویل کریں گے اور اگر تاویل نہ ہوسکے کہدیں گے کہ غلطی ایسے لوگ اولیاء مستہلکین
(ترجمہ ہلاک ہونیوالے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہلاتے ہیں باقی یہ کہ ایسے لوگوں کے ساتھ معاملہ کیا
ہوگا۔یقینی تو یہ حق تعالیٰ کو معلوم ہے باقی ظن یہ ہے کہ چونکہ نیت بُری نہیں تھی۔
ممکن ہے معاف کردیے جاویں۔دیکھئے اجلاس حکام میں بڑے بڑے خون ناحق
نیت بُری نہ ہونے سے معاف ہوجاتے ہیں۔رہا یہ کہ بعض اقوال وافعال منقولہ
تو قاعدہ سے کفر معلوم ہوتے ہیں۔سو کفر کس طرح معاف ہوسکتا ہے۔لیکن یہ

ایک دقیق بات ہے جس سے وہ کفر نہیں ہوسکتا اور یہ بھی میں ہی کہہ رہا ہوں اور
کسی مولوی سے تو کہلوالو۔ اور یہ سب حضرت کا طفیل ہے۔ حضرت کی جوتی سیدھی
نہ کی ہوتی تو ہم کو بھی فتوی کفر میں باک نہ ہوتا۔ مگر ہم نے وہاں ادب ہی ادب دیکھا۔
حضرت بہت سے کفر کے فتوے کے موارد کو بھی یہی فرماتے تھے کہ نہیں صاحب
باطن تھے غلطی میں پڑ گئے۔ جب سے وہاں یہ حال دیکھا۔ ہم بھی ایسے فتوے سے
بچنے لگے ہیں ایکبار مولوی محمد احسن صاحب ایک تارک ظاہر کا کفر ثابت کر رہے تھے
اور حضرت اُن کی تقریر کا رد فرما رہے تھے۔ اللہ اکبر اس قدر حلم و کرم اور دقت نظر (باریک بینی ۱۲ ص)
بھی کہ کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے۔ اب میں وہ دقیق بات مانع عن التکفیر (ترجمہ تکفیر سے
مانع ۱۲ محمد صابر غفرلہ) بتلاتا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ تین شخص مرفوع القلم ہیں اس میں یہ بھی
ہے عن المجنون حتی یعقل (ترجمہ مجنوں جبتک ہوش درست نہو مرفوع القلم ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور ایک
روایت میں ہے عن المعتوہ حتی یبرأ یعنی مختل الحواس (ترجمہ جبتک صحت یاب ہو ۱۲ محمد صابر)
بھی مرفوع القلم ہے اور ایک روایت میں ہے عن الخرف (ترجمہ یعنی جس کی عقل میں بڑھاپے کی
وجہ سے فتور آگیا ہو وہ بھی مرفوع القلم ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) مرفوع کلہا ابو داؤد (ترجمہ ان سب کو ابو داؤد
نے روایت کیا ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اور عتہ (ترجمہ مختل حواس ہونا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) جس طرح مرض سے ہوتا
ہے اسی طرح دوسرے اسباب باطنہ سے بھی ہوسکتا ہے گو اُن اسباب کا ادراک عوام
کو نہو بلکہ اخیر کی روایت سے تو زوال عقل کا جنون وعتہ میں عدم انحصار زیادہ صریح
ہے۔ بس آپ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ اُن کی کیا حالت ہوتی ہے۔ بظاہر ہوش و حواس بجا
رہتے ہیں۔ فرزند اور بیوی سب کا ہوش رہتا ہے لیکن اُن کی ایک ایسی حالت
ہوجاتی ہے کہ اُن کے اقوال و افعال غیر منتظم ہوجاتے ہیں۔ ایسی ہی حالت کو
خسرو حیرت سے تعبیر کرکے کہتے ہیں ؎

حیراں شدہ ام درآرزویت	اے چشم جہانیاں بسویت

(ترجمہ تیری آرزو میں حیران ہوں اے محبوب جہان والوں کی آنکھیں تیری طرف لگی ہوئی ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ملفوظ و لقد استدلال بما ذکرہ فی التکشف حدیث شادم و ہمیشہ شادم ... [illegible]
... ۱۲ محمد صابر غفرلہ

بعض حالات عارفین کی تفسیر

ماییم و تحیر و خموشی	آفاق ہمہ بگفتگویت

(ترجمہ ہم ہیں اور تحیر اور خموشی ہے تمام دنیا تمہاری گفتگو میں لگی ہوئی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

خسرو بکمند تو اسیرست	بیچارہ کجا رود ز کویت

(ترجمہ خسرو تمہاری کمند کا قیدی ہے تمہارے کوچہ کو چھوڑ کر بیچارہ کہاں جائے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

پس ایسے حواس مختل ہو جاتے ہیں کہ پورے ہوش نہیں رہتے کہ صحیح عقیدے کیا ہیں۔ سمجھ میں ایسا تغیر ہوتا ہے کہ آیتوں کے معنے اُلٹ پلٹ کر دیتے ہیں لیکن نیت بُری نہیں ہوتی۔ خلاف خدا و رسول کے قصد نہیں کرتے۔ غلبۂ حال میں خیال ہوتا ہے کہ جو میں سمجھتا ہوں وہی ٹھیک ہے باقی سب غلط ہیں سمجھتا ہے کہ میں ہی ٹھیک سمجھا ہوں اور علامت آمیزش نفس نہ ہونے کی یہ ہوتی ہے کہ وہ تمہارے کافر کہنے کا بُرا نہیں مانتا تمہارے کافر کہنے کا تو وہ کیا بُرا مانتا وہ اپنے کو خود فرعون سے بدتر خیال کرتا ہے۔ یہ وجدانی حالت ہے دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ غرض وہ ایک حیرت کی کیفیت ہے۔ وہ پیشوا نہیں ہے۔ معذور ہے کیا عجب حق تعالےٰ معاف کر دے۔ اُسے شریعت کا منہدم کرنا مقصود نہیں۔ حیرت سے پریشان ہو کر کبھی ننگا پھرنے لگتا ہے۔ کبھی ڈاڑھی منڈا دیتا ہے۔ کبھی شوالہ میں گھنٹہ ناقوس جا کر بجانے لگتا ہے اُس کی طرف سے میں آپ سے یہ کہوں گا ؎

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل	کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

(ترجمہ حقیقت میں ہماری حالت ایسی ہے جیسے اندھیری رات ہو اور موج کا خوف ہو اور ہولناک بھنور میں کشتی آگئی ہو۔ تو ہنسنے اس حال کی اُن لوگوں کو کب خبر ہو سکتی ہے جو ہلکے پھلکے کنارے پر کھڑے ہیں دریا میں قدم نہیں رکھا ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

مگر یہ یاد رہے کہ اس ساحل سے مراد ادھر کا ساحل ہے جس کے کھڑے ہونے والے ابھی دریا میں بھی نہیں گھسے کیونکہ اُدھر کے ساحل والے جو کہ دریا سے پار ہو چکے ہیں۔ الحمد للہ حال بھی جانتے ہیں۔ اور اگر اُن کے ہاتھ میں یہ شخص ہاتھ دیدے تو بچا بھی سکتے ہیں۔ البتہ ادھر والے سوائے ہنسنے کے کچھ نہیں کر سکتے سو کاملین اُس ساحل پر ہیں۔ حضرت غوث پاک رحؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر منصور میرے

زمانے میں ہوتا تو میں اُس کو بچا لیتا۔ شیخ عبد الحق ہمارے سلسلے کے بزرگ فرماتے ہیں
کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد۔ ایں جا مردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغ
نہ زنند (ترجمہ یعنی منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش و خروش میں آگیا۔ یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا
چڑھا جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے ۱۲ محمد صابر عفرلہ) حالانکہ شیخ اس قدر مغلوب تھے۔ کہ
چالیس برس یا کم و بیش ردولی کی مسجد میں پانچ وقت نماز پڑھی لیکن راستہ نہیں
یاد ہوا۔ بختیار خادم آگے آگے حق حق کہتے جاتے تھے۔ اس آواز پر چلتے تھے۔
رستہ کی خبر نہیں مگر باوجود اس کے اس قدر سنبھلے ہوئے ہیں کہ فرماتے ہیں
کہ منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نہ
زنند۔ (ترجمہ منصور بچہ تھا کہ ایک قطرہ سے جوش و خروش میں آگیا۔ یہاں مرد ہیں کہ دریا کے دریا چڑھا
جاتے ہیں اور ڈکار تک نہیں لیتے ۱۲ محمد صابر عفرلہ) کبھی شریعت کے خلاف نہیں کیا بارہ برس
حضرت مخدوم صابر مراقبہ ہوا ایسی مدہوش رہے۔ لیکن ایک وقت کی نماز قضا نہیں
ہوئی۔ جہاں کان میں اذان دی گئی بس آنکھیں کھول دیں۔ پانی تیار رہتا تھا وضو
کر کے نماز پڑھ کر پھر بے ہوش۔ بارہ برس تک یہی حال رہا۔ اُن کے پیر یعنی شیخ
فرید رحمۃ اللہ علیہ نے ڈوم خیریت دریافت کرنے کیلئے بھیجا۔ جس وقت پہنچا
افاقہ کا وقت تھا بس اتنا دریافت فرمایا کہ پیر اچھے ہیں۔ اور پھر چپ۔ آپ کی
یہ حالت تھی کہ بارہ برس تک گولر کھائے اُس روز فرمایا کہ پیر کا بھیجا ہوا ڈوم ہے
آج نمک ڈال دینا۔ پیر کا مہمان ہے۔ یہاں سے وہ ڈوم دہلی پہنچا۔ حضرت سلطان جی
بھی حضرت شیخ کے مرید تھے۔ یہاں شاہی دربار تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے
کہ وزیر شاہی حاضر خدمت تھا۔ کھانے کا وقت آگیا۔ وزیر نے خیال کیا کہ مچھلی کے
کباب ہوں تو اچھا ہے۔ جب خادموں نے کھانا لانے کے لئے اجازت چاہی تو
فرمایا ذرا ٹھیرو جب کچھ دیر ہو گئی تو پھر آکر عرض کیا کہ حضرت کھانا بے لطف ہوا
جاتا ہے۔ آپ نے پھر فرمایا کہ ذرا ٹھیرو تھوڑی دیر بعد ایک شخص سر پر خوان رکھے
ہوئے آیا اور عرض کیا کہ فلاں صاحب نے مچھلی کے کباب بھیجے ہیں سلطان جی

نے حکم دیا کہ اب کھانا لایا جاوے۔ اب وزیر صاحب چونکے خوان لگایا گیا۔ وزیر کو خیال ہوا کہ مچھلی کے کباب اتفاقاً آ گئے ہیں۔ سلطان جی نے خادم سے کہا کہ مچھلی کے کباب آپ کے سامنے زیادہ رکھنا۔ آپ کو زیادہ شوق ہے وزیر کو پھر بھی خیال ہوا کہ اتفاقی بات ہے۔ تب حضرت سلطان جی نے فرمایا کہ جناب وزیر صاحب فرمایش کا تو مضایقہ نہیں لیکن ذرا وقت گنجایش دیکھ کر ہونا چاہیئے۔ عین وقت پر فرمایش کرنا تکلیف دینا ہے۔ ویسے مہمان کو حق ہے فرمایش کرنے کا۔ وزیر اب سمجھے کہ یہ میرے خطرہ کا جواب تھا۔ حضرت سلطان جی کو وزیر کی خواہش کا کشف ہوا آپ نے اللہ تعالےٰ سے دعا کی۔ بادشاہ یہ لوگ ہیں۔ اور یہ حضرات اللہ میاں ہی سے کہتے ہیں جب کہتے ہیں۔ جیسے کسی رئیس کا بچہ ہو کہ سارا حشم خدم اُس کا فرمان بردار ہے۔ لیکن جب اُسے کسی چیز کی خواہش ہوگی تو اپنی ماں ہی سے مانگے گا کہ اماں یہ لوں گا۔ اماں چاہے جس کو حکم دے کر اُسے دلوا دے حضرت سلطان جی نے بھی اسی طرح اللہ تعالےٰ ہی سے عرض کیا کہ کباب دیجئے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک ادنیٰ پیادہ کو حکم دیا کہ لیجاؤ ہمارے محبوب کے سامنے۔ غرض یہاں یہ سامان تھا۔ جب پیر کا ڈوم قریب پہنچا تو حشم وخدم سے اُس کا استقبال کرایا اور خوب خوب کھانے کھلائے۔ چلتے وقت انعام واکرام بھی دیا۔ ڈوم نے واپس ہوکر حضرت شیخ سے سلطان جی کی بڑی تعریف کی اور حضرت مخدوم کے بارہ میں کہا کہ وہ بڑے روکھے ہیں۔ مجھے تو کیا تمہیں بھی نہیں پوچھا۔ بس صرف اتنا دریافت کیا کہ پیر اچھے ہیں۔ یہ سُنکر حضرت فرید رقص کرنے لگے کہ الحمد للہ میں ابھی تک اُنہیں یاد ہوں۔ ورنہ مجھے کچھ بھی نسبت نہیں رہی ہے۔ اُن کے مقام سے مگر مجھے اب تک یاد رکھتے ہیں۔ ہمارے مشایخ میں بحمد اللہ ایسے ایسے بکثرت گذرے ہیں کہ جن کو ماسوا اللہ کا ہوش نہیں رہا۔ مگر اُن کو اللہ کا ہوش تھا۔ اس لئے اُن سے ایسی غلطیاں نہیں ہوتیں۔ اور جو مغلوب الحال غلطیاں کرتے ہیں وہ واقع میں خدا سے بھی بیہوش ہیں۔ کیونکہ اگر بادشاہ پر پوری نظر ہو تو کوئی بے ادبی اُس سے ہو نہیں سکتی

ہمارے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید ہیں خورجہ کے وہ بڑے صاحب حال ہیں۔ ہمیشہ تڑپتے لوٹتے رہتے ہیں۔ اپنے سلسلہ کے حضرات کو دیکھ کر بلکہ اُن کا نام سُنکر تڑپنے چیخنے لگتے ہیں۔ مگر نماز میں اُن کی کبھی آہ بھی نہ نکلی۔ یہ اتباع سنت کی برکت ہے ؎

برکفی جامِ شریعت برکفی سندانِ عشق	ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

(ترجمہ ادھر شریعت کا مقتضیٰ اُدھر عشق کا مقتضیٰ شریعت اور عشق دونوں کے مقتضیٰ پر عمل کرنا ہر ہوسناک کا کام نہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

عوام کو ایسے لوگوں پر گمان خالی ہونے کا ہوتا ہے لیکن وہ اس گمان سے خوش ہوتے ہیں۔ کیمیاگر اسی میں خوش رہتا ہے کہ اسے کوئی نہ جانے کیونکہ وہ پولیس کے مواخذہ سے بچا۔ لوگوں کے ہجوم سے بچا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ لوگ اب اس کو سمجھنے لگے اور بھیڑ ہوئی۔ بس وہاں سے روپوش ہو جاتا ہے ایسے متبع سنت کاملین پر عام لوگوں کا گمان خالی ہونے کا ہے لیکن وہ پورے بھرے ہوئے ہیں۔ مگر پُر ہونے کے ساتھ اُبلتے نہیں۔ تو وجہ یہ ہے کہ اُن کو دوسری چیز نے روک رکھا ہے وہ نکلنے نہیں دیتی غیر ضابطہ تو تنگ ہو کر یہ کہہ اُٹھا کہ ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ	باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

(ترجمہ یعنی گہرے دریا میں تختہ میں جکڑ کر ڈالدیا ہے پھر کہتے ہو کہ ہوشیار دامن تر نہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

کاملین باوجود اس کے کہ قعر دریا میں غرق ہیں لیکن پھر بھی اُن کا دامن تر نہیں ہوتا۔ ہر زمانے میں اللہ کے بندے ایسے پیدا ہوئے ہیں اور اب بھی موجود ہیں عوام الناس ایسوں کو نہیں سمجھتے۔ پس اگر ایسی جامعیت و نسبت مطلوب ہے تو کسی متبع سنت شیخ کامل کا دامن پکڑنا چاہئے۔ اور بہت ہی سنبھال کر قدم رکھنا چاہیئے۔ نیز شیخ کے تجویز کرنے میں بھی عجلت نہیں چاہئے۔ پہچان میں نہایت جانچ کی ضرورت ہے۔ بس شیخ بنانے کے قابل وہ شخص ہے۔ جو غلطیوں کا پکڑنیوالا

شیخ کامل سے بیعت کی ضرورت اور اس کی پہچان

ہو یہ نہیں کہ ناتمام سا قال وحال دیکھ لیا اور پھنس گئے ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند	نہ ہر کہ آئینہ دارد سکندری داند

(ترجمہ جو شخص بھی چہرہ کو برافروختہ کرے لازم نہیں کہ دلبری جانتا ہو جیسے جو شخص بھی آئینہ بناتا ہو۔ لازم نہیں کہ سکندری بھی جانتا ہو یعنی جس نے کاملین کی وضع اختیار کی ضرور نہیں کہ کامل بھی ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

خوب کہا ہے ؎

شاہد آں نیست کہ موئے ومیانے دارد	بندہ طلعت آں باش کہ آنے دارد

(ترجمہ محبوب وہ نہیں جس کے بال عمدہ کمر پتلی ہو بلکہ محبوبیت اسکی ایک آن اور ادا میں ہوتی ہی جو محبوب ورد لکش ہوتی ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

نہ مجاہدہ دیکھو نہ ریاضت نہ کشف دیکھو نہ کرامت یہ دیکھو کہ فن کو کتنا سمجھتا ہے۔ صحبت میں کیا برکت ہے۔ حضرات مجتہدین کو ہم سے حدیثیں زیادہ یاد نہیں تھیں لیکن اُن میں ایک شان تھی مناسبت فن کے فن کو اتنا جانتے تھے کہ ہم لوگ قیامت تک بھی نہیں جان سکتے۔ بوعلی سینا کو نسخے زیادہ یاد نہیں تھے لیکن فن کو ایسا جانتا تھا کہ بعد کو لوگوں نے بڑی بڑی قرابادینیں لکھیں۔ لیکن شیخ سے نہ بڑھ سکے اور اُس کی کتاب قانون شاہد ہے اس پر سب کا اتفاق ہے۔ کہ اُس کے بعد ایسا شخص نہیں ہوا۔ یہ بات خدا کی جانب سے ہوتی ہے اور شیخ میں یہ بھی دیکھ لینا کہ عارف کے ساتھ عاشق بھی ہو۔ نرے عارف کا دامن ہرگز پکڑنا کہ کفایت اس کی قلیل ہے۔ حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ میں دونوں شانیں ایسی بڑھی ہوئی تھیں کہ سبحان اللہ بس یا تو دیکھا پڑتا ہے۔ یہ جی چاہتا تھا کہ ہر ہر بات پر ہر ہر ادا پر جان فدا کر دیں۔ حضرت کے عارف ہونے پر بعضے تذکرے یاد آئے حضرت جب یہاں وطن میں تھے۔ تو مولانا گنگوہی اور اور بھی بعض ذاکرین اپنے اپنے حالات حضرت سے بیان کرتے لیکن مولانا محمد قاسم صاحبؒ کچھ بھی نہ بیان فرماتے حضرت نے ایک دن پوچھا کہ آپ کچھ نہیں کہتے مولانا یہ سنکر رونے لگے اور عرض کیا کہ حضرت حالات و ثمرات تو بڑے لوگوں کو ہوتے ہیں مجھ سے تو جتنا کام حضرت نے فرمایا ہے وہ بھی نہیں ہوتا

جہاں تسبیح لیکر بیٹھا بس ایک مصیبت ہوتی ہے۔ اس قدر گرانی کہ جیسے سو سو من کے پتھر کسی نے رکھدیے ہوں زبان قلب سب بستہ ہوجاتے ہیں حضرت کے کامل یا شفیق ہونے میں شبہ نہیں لیکن ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　　کہ خضر از آب حیوان تشنہ می آرد سکندر را

(ترجمہ بدقسمت لوگوں کو رہبر کامل سے کیا فائدہ ہو خضر علیہ السلام سا رہبر کامل سکندر کو آب حیات کے چشمہ سے واپس لاتا ہے کیونکہ سکندر قسمت کا تہیدست تھا ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

میں ہی بدقسمت ہوں ایسا ہوتا ہے جیسے کسی نے زبان کو جکڑ دیا ہو تو یہ حال سُنکر بیساختہ حضرت فرماتے ہیں کہ مبارک ہو یہ نبوت کا آپ کے قلب پر فیضان ہوتا ہے اور یہ وہ ثقل ہے جو حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔ اس زمانہ میں مولانا محض نوآموز طالب علم تھے اُس وقت یہ گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ یہ اس قدر بڑے عالم ہونیوالے ہیں۔ اب تو اس پیشین گوئی کا انطباق آسان ہے لیکن اُس وقت یہ فرما دینا عجیب و غریب بصیرت کا پتہ دیتا ہے حضرت نے فرمایا کہ تم سے حق تعالے کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے۔ جاؤ دین کی خدمت کرو ذکر و شغل کا اہتمام چھوڑو۔ احمد جام فرماتے ہیں ؎

احمد تو عاشقی بہ مشیخت تراچہ کار　　　دیوانہ باش سلسلہ شد شد نشد نشد

(ترجمہ احمد تو عاشق ہے مشیخت سے تجھ کو کیا کام محبوب کا دیوانہ ہو سلسلہ ہو ہو نہ ہو نہ ہو ۱۲ محمد صابر غفرلہٗ)

سبحان اللہ حالت کو کیسا پہچانا بصیرت کیسی زبردست تھی۔ حضرت کی پہچان غضب کی تھی۔ مکہ میں حضرت کے ایک خلیفہ ہیں ولایتی۔ اُنہوں نے دو رکعت نماز اس اہتمام سے پڑھیں کہ سوائے حق تعالے کے خیال کے اور کوئی وسوسہ نہ آوے۔ وسوسوں کے روکنے کی غرض سے آنکھیں بھی بند کرلیں بعد کو وہ متوجہ ہوئے حقیقت صلوۃ کی طرف کہ دیکھیں حق تعالے کے یہاں میری اس نماز کی کیا شکل ہوئی چنانچہ ایک نہایت حسین و جمیل عورت کی شکل میں اُنہیں وہ نماز دکھلائی گئی۔ مگر اندھی۔ حضرت سے عرض کیا کہ میں نے نماز کامل آداب کے ساتھ پڑھی تھی لیکن یہ

کیا ہوا کہ اندھی دکھائی گئی۔ فی البدیہ فرمایا معلوم ہوتا ہے تم نے آنکھیں بند کرکے نماز پڑھی تھی۔ عرض کیا کہ جی ہاں وساوس کے روکنے کیلئے بند کرلی تھیں۔ فرمایا کہ یہی سبب ہے کہ اندھی دکھلائی گئی کیونکہ نماز میں آنکھیں بند رکھنا سنت کے خلاف ہے خلاف سنت نماز پڑھنے کا یہ اثر ہوا سنت کیموافق آنکھیں کھول کر نماز پڑھتے تو گو ہزاروں وسوسے آتے لیکن وہ نماز اس نماز سے ہزار درجہ افضل ہوتی جو خلاف سنت طریقہ پر آنکھیں بند کرکے ادا کی گئی خواہ اُس میں ایک بھی وسوسہ نہ آیا ہو۔ اللہ اکبر کیا ٹھکانا ہے پہچان کا بھی اور اتباع سنت کا بھی۔ اسی وجہ سے مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی جو ایک مشہور نہایت متقی جامع ظاہر و باطن عالم تھے یوں فرمایا کرتے تھے کہ حاجی صاحب اکابر سلف میں سے ہیں۔ گو پیدا اس زمانہ میں ہوئے ہیں لیکن درجہ اُن کا سا ہے اُس طبقہ میں سے ہیں۔ میں نے یہ روایت قاری محمد علی خاں صاحب جلال آبادی سے سُنی اُنہوں نے مولانا سے سُنا۔ واللہ رحمت تھی حق تعالیٰ کی کہ اس زمانے میں ایسے ایسے حضرات پیدا فرمائے۔ حضرت کی صحبت کیوقت سے زیادہ مجھکو مثنوی شریف کی شرح لکھتے وقت حضرت کے علوم و معارف کی قدر معلوم ہوئی وہاں آنکھیں کھلیں۔ حضرت ہی کے علوم کی بدولت یہ دقیق کتاب سمجھ میں آئی ورنہ ناممکن تھا۔ لکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کوئی ایک ہی دفتر کی شرح لکھدے کوئی لکھ کر تو دیکھے۔ ع ہمیں میداں ہمیں چوگاں ہمیں گوی (ترجمہ یعنی یہی مثنوی اور یہی لکھنے والے اب بھی موجود ہیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یہ حضرت ہی کے کلیات کے سہارے ساری شرح لکھی ہے۔ چونکہ وہی کلیات ذہن میں محفوظ تھے کوئی مشکل مقام ایسا نہیں آیا کہ حل نہ ہو گیا ہو۔ کسی جگہ ذہن نہیں اٹکا۔ کوئی میرے دل سے پوچھے کتنے با وقعت وہ کلیات تھے۔ اس کشتی کی قدر وہ جانے جس نے اُس سے دریا قطع کیا ہو کہ وہ جب کشتی لیکر چلا کوئی سمندر ایسا نہیں ملا جس نے اُسے روکا ہو۔ اسی طرح الحمد للہ کوئی طالب ایسا نہیں ہوتا کہ جس کا مرض اور دواسب اس طرح کی تھوڑی سی حالت لکھتے ہی سمجھ میں نہ آجاتا ہو۔ یہ سب اُنہیں کلیات کی بدولت ہے یہ نہیں

بخاری مسلم سب کچھ پڑھا تھا۔ لیکن کچھ نہ سمجھے تھے اگرچہ کلمے حضرت سے نہ سُنتے تو ساری کتابیں کچھ بھی نہ سمجھی ہوتیں۔ جبھی تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہم علم کی وجہ سے حضرت کے معتقد ہوئے ہیں۔ حضرت کی شان علمی کے متعلق ایک عجیب قصہ یاد آیا۔ کہ ایک جلسہ میں جبکہ حقائق کا بیان فرمارہے تھے۔ دوران تقریر میں ایسے ایسے الفاظ بشرط شئے بشرط لا شئے لا بشرط شئی استعمال فرمانے لگے ایک معقولی بھی شریک جلسہ تھے۔ اُن کے دل میں خیال ہوا کہ درسی علم تو حضرت نے حاصل کیا نہیں پھر یہ اصطلاحیں کیا جانیں۔ معاً حضرت کو اس خطرہ کا کشف ہوا۔ فرمایا کہ معانی کا القا کبھی بواسطہ الفاظ بھی ہوتا ہے۔ اُس وقت ایسی اصطلاحات بول سکتا ہے۔ وہ معقولی صاحب دم بخود رہ گئے۔ غرض ایسے شیخ کی بدولت ایسی غلطیاں رفع ہوتی ہیں کہ شریعت میں الحاد بھی نہ ہوا اور جنھوں نے ایسی غلطیاں غلبۂ حال میں کی ہیں اُن پر فتوی کفر و ارتداد بھی نہ ہو۔ چنانچہ اوپر حدیث سے ایسے لوگوں کا عذر بیان کیا گیا ہے۔ اور وہ حدیثیں قواعد کلیہ تھیں۔ اب اُن کی تائید ایک حدیث جزئی سے عرض کرتا ہوں اور کوئی جامد علی الظاہر (ترجمہ یعنی ظاہر پر اڑا ہوا یعنی ظاہر پرست ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اس کو صوفیہ کی طرفداری نہ سمجھیں میں کسی صوفی کے قول سے استدلال نہیں کرتا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کرتا ہوں کہ ایک گنہگار شخص تھا۔ اُس نے اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ میں مرجاؤں تو میری نعش کو جلا کر خاک کر کے ہوا میں اُڑا دینا پھر بالکل بچ جاؤں اور اگر کہیں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ آ گیا تو پھر وہ ایسی سزا دیں گے کہ کسی کو بھی نہ دی ہوگی۔ اُس کے بیٹوں نے ایسا ہی کیا اور اُس کے مرنے کے بعد اُس کی نعش کو جلا پھونک آندھی کے دن اُڑا دیا کچھ دریا میں کچھ خشکی میں وہ سمجھتا تھا کہ اللہ میاں کہاں جمع کر سکیں گے جیسا کہ اُس کا قول لئن قدر اللہ علی (ترجمہ یعنی اگر اللہ تعالیٰ مجھ پر قدرت پالے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) اس پر دال ہے لیکن وہاں کیا تھا کن فرمایا اور فوراً سب اکٹھا ہو گیا۔ دریافت فرمایا کہ کیوں تم نے ایسا کیا؟ اُس نے کہا خشیتک یا اللہ تیری خشیت سے فرمایا جا تجھ کو بخش دیا۔ اس حدیث پر غور کرو کہ اُس

تکلیف بقدر عقل

ہوئی ہیں کہ حق تعالیٰ کی قدرت میں اُس نے شک کیا لہذا کافر ہوا۔ پھر مغفرت کیسی۔ بات یہ ہے کہ عقل کم تھی۔ خدا کی قدرت کو بڑا تو جانتا تھا۔ لیکن کتنی بڑی اس کا اندازہ نہیں کرسکا۔ ہر شخص کا اندازہ اُس کی عقل کے موافق ہوتا ہے۔ پس ایسے شک سے وہ کافر نہیں ہوا۔ اسی کی فرع ایک اور قصہ ہے کہ ایک شخص نے وعظ میں سُنا کہ اللہ تعالیٰ کے نہ ہاتھ ہیں نہ پاؤں ہیں۔ وہ تھا محض ایک گنوار دیہاتی آدمی اُسے نہایت غصّہ آیا اور کہا کہ کیا وہ بطیخ شامی ہے۔ اور بولا ہمارے خدا کے ہاتھ بھی ہیں پاؤں بھی ہیں تیرا خدا ہوگا جس کے ہاتھ نہ پاؤں۔ جیسے شام کا خربوزہ۔ اب کیا ایسے شخص کو کافر کہہ سکتے ہیں وہ ہرگز کافر نہ تھا۔ اس میں عقل ہی نہ تھی بلکہ اُس سے یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ پیر مت سمجھو اُسکو کفر میں ڈالنا تھا حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابی نے آکر عرض کیا کہ میں نے ایک لونڈی کے تھپڑ مار دیا ہے اُس کو ایک کفارہ میں آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ اُس میں آزاد کرنے کیلئے ایمان کی شرط ہوگی حضور نے اس لونڈی کو طلب فرمایا۔ اُس سے دریافت فرمایا این اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کہاں ہیں اُس نے کہا فی السماء آسمان میں۔ پھر دریافت فرمایا کہ میں کون ہوں عرض کیا انت رسول اللہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضور نے صحابی سے فرمایا کہ یہ مومن ہے اس کو آزاد کردو باوجود اس کے کہ وہ لونڈی یہ سمجھتی تھی کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہیں لیکن پھر بھی حضور نے اُسے مومن فرمایا۔ حالانکہ بھلا اللہ تعالیٰ آسمان میں کیا سماتا۔ عام آدمی بھی سمجھ سکتا ہے مظروف سے ظرف بڑا ہونا چاہیئے۔ سو خدا تعالیٰ کی عظمت کے سامنے عرش تک تو کوئی چیز ہی نہیں تو آسمان تو کیا ہوتا۔ ادھر دلائل قطعیہ قائم ہیں کہ حق تعالیٰ پاک ہیں کسی مکان کے اندر آنے سے لیکن اُس جاریہ (لونڈی ۱۲ مصح) کی عقل اتنی ہی تھی چنانچہ اگر بچوں سے پوچھو کہ خدا کہاں ہے تو وہ کہتے ہیں کہ اوپر ہے۔ حالانکہ حدیث میں ہے لو دلیتم الحبل الی الارض السفلی لهبط علی اللہ یعنی اگر رسی ساتوں زمین سے پار ہوکر اُترے گی وہاں بھی اللہ میاں ہیں وہ نہ زمین کے ساتھ مقید ہیں نہ آسمان کے ساتھ مگر فطری امر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوپر ہی ہونے کا

گمان ہوتا ہے کیونکہ اُس کی ذات عالی ہے۔ عوام کی سلامتی اسی میں ہے کہ اوپر سمجھیں
عرش پر سمجھیں یا آسمان پر سمجھیں کچھ حرج نہیں۔ خواص کے لئے ہے اس کو مکان سے
پاک سمجھنا۔ چنانچہ میں نے ایک بار یہیں تھانہ بھون میں حق تعالیٰ کو خواب میں دیکھا
کہ ایک رفیع الشان مکان کے فوق کی طرف جلوہ فرما ہیں۔ لیکن بلا کسی لون اور
رنگ یا مقدار یا کیفیت کے چونکہ میرے اعتقاد میں تنزیہ ہے اور بہت سوں نے
جن پر کہ تشبیہ کا مذاق غالب تھا آدمی کی شکل میں دیکھا اور اس فرق کے اور بھی
اسباب ہیں۔ سو اسی طرح یقظہ میں جتنی جس کی عقل ہوگی اُتنا ہی سمجھے گا۔ چنانچہ
وہی شخص حق تعالیٰ کی قدرت کا قائل (بیماری کی حالت میں) تھا سب کچھ تھا۔ لیکن کچھ عقل کی کمی کچھ خشیت کا
غلبہ اُس نے اُس کو بد حواس کر دیا۔ اسی طرح مغلوب الحال کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی
غلبۂ حال سے عقل کم ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگ معذور ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ نہ
گستاخی چاہیے۔ نہ اُن کا اتباع چاہیے۔ معذور سمجھ کر معافی کی اُمید رکھنا چاہیے۔
اور اگر اُن حضرات کی طرف اُن اقوال و افعال کی نسبت ہی ثابت نہو تو ایک جواب
سب سے سہل یہ ہے کہ یہ ثابت ہی نہیں۔ الحمد للہ اُن معذورین کے ساتھ جو
معاملہ رکھنا چاہیے۔ اُس وقت سمجھ میں آگیا ہوگا۔ یہ تو تاویل تھی معذورین اہل
اغلاط کی باقی جو شرعاً معذور نہیں اور وہ محض نقل و تقلید سے ایسے اغلاط کو اختیار کرتے
ہیں۔ وہ یقیناً دائرۂ ایمان سے خارج ہیں۔ بہر حال یہ تھا بیان اُن اغلاط اہل ظاہر و
اہل باطن کا جو آیتیں میں نے پڑھی ہیں۔ ان میں ان اغلاط و اختلافات کا فیصلہ
ہے جس کو میں بضمن اپنی تقریر کے بیان بھی کر چکا ہوں جس کا حاصل جمع کرنا ہے ظاہر
و باطن کے درمیان میں اب اسی کو ان آیات پر منطبق کئے دیتا ہوں اور میرا ارادہ اس انطباق
کی بھی زیادہ تفصیل کا تھا لیکن وقت زیادہ ہو گیا لہذا میں ترجمہ آیت کا کر کے ختم کئے دیتا ہوں
اور اسی کے ضمن میں انطباق سے بھی مختصراً تعرض ہو جاویگا۔ پس حق تعالیٰ فرماتے ہیں لَنْ يَنَالَ
اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ترجمہ یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ
اُن کا خون لیکن اُنکے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے [illegible] کی بیان [illegible] فرمائی کہ پہلے [illegible]

معاملہ با معذورین

خلاصہ فیصلہ اختلافات اہل ظاہر و اہل باطن [illegible]

ہیں اہل ظاہر کی غلطی بیان فرمائی اور غلطی بھی ایسی بلاغت سے بیان کی کہ کوئی بیان نہیں کر سکتا پھر دوسرے جملہ میں وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى قربانی کی حکمت واللہ کیا بیان کی اور اس تقویٰ کا مصداق اس سے اوپر ارشاد فرمایا ہے وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (ترجمہ جو شخص تعظیم کرے شعائر اللہ و احکام الٰہیہ کی تو ان کی یہ تعظیم کرنا دلوں کے تقویٰ سے ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یعنی یہ تقویٰ تعظیم ہے شعائر اللہ و احکام الٰہیہ کی اس حکمت تعظیم شعائر اللہ کی جامعیت پر نظر کر کے مجھ کو وہ شعر شریعت کی شان میں یاد آجاتا ہے

بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ میدارد	برنگ اصحاب صورت را ببو ارباب معنی را

(ترجمہ اسکی عالم حسن کی بہار ظاہر پرستوں کے دل و جان کو رنگ سے اور حقیقت پرستوں کے دل و جان کو بو سے تازہ رکھتی ہے ۱۲ محمد صابر)

یعنی عاملین میں دو طرح کے لوگ ہیں ایک تو وہ جو قربانی کی حکمت سمجھ گئے ہیں دوسرے وہ جو حکمت نہیں سمجھے جو حکمت سمجھ گئے ہیں اور ظاہر ہے کہ حکمت معلوم ہو جانے سے وقعت بڑھتی ہے حکم کی وہ تو یوں حکم کی تعظیم کریں گے اور جو حکمت نہیں سمجھے انہوں نے اتنی تعظیم کی کہ حکمت بھی نہ سمجھے اور پھر بھی کر ڈالا۔ وہاں تو کسی درجہ میں رائے کا بھی دخل تھا یہاں کچھ بھی نہیں اگر کسی نے کہا کیوں کرتے ہو کہا حکم خدا کا بس آیت وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (ترجمہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے شعائر اور اس کے احکام کی تعظیم کرے تو ان کی یہ تعظیم کرنا دلوں کے تقویٰ سے ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ) میں روح بتلادی قربانی کی آگے اس آیت لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ میں فرماتے ہیں کہ اس روح یعنی تقویٰ خاص کی کہ تعظیم شعائر ہے بہت حفاظت کرو اور سمجھو کہ ذبح بالذات مقصود نہیں دیکھو وہاں نہ خون پہنچتا ہے نہ گوشت جو چیز مقصود ہے وہ البتہ پہنچتی ہے یعنی تقویٰ چنانچہ اگر لحم و دم مقصود [گوشت و خون ۱۲] ہوتا تو سارا جانور اٹھ کر چلا جایا کرتا۔ پس صرف ذبح کو مقصود مت سمجھو خدا کے یہاں تقویٰ پہنچتا ہے اس کو دیکھو کہ اس ذبح کے ساتھ تقویٰ بھی مقترن [شامل ۱۲] ہے جو کہ تعظیم شعائر اللہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک مدلول من کا یہ بھی ہو سکتا ہے اس طرح سے کہ تعظیم شعائر منجملہ تقویٰ ہے جب تعظیم بجالائے تقویٰ متحقق ہو گیا یا تقویٰ سے تعظیم شعائر اللہ پیدا ہوتی ہے ایک مدلول من کا یہ بھی ہو سکتا ہے اس طرح کہ تعظیم ناشی ہوتی ہے تقویٰ سے غرض جو چاہو کہو بقول حافظؒ

بخت اگر مدد کند دامنش آورم بکف	گر بکشد زہے طرب ور بکشم زہے شرف

(ترجمہ خوش قسمتی ہو اگر اس کا دامن ہاتھ آجائے وہ کھینچ لے تب بھی مقصود حاصل ہم کھینچ لیں تب بھی ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

سو تقویٰ ہی ہر حال میں مقصود بالذبح ہوا۔ اور حضور فرماتے ہیں سینہ کی طرف اشارہ کرکے کہ یہاں ہے تقویٰ اور رنا فی الصدر (ترجمہ اندرون سینہ ۱۲ محمد صابر غفرلہ) باطن ہی پس معلوم ہوا کہ اس ظاہر کا ایک باطن بھی ہے اسکو حاصل کرو شاید اسکو سن کر اہل باطن پھولتے کہ دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ باطن ہی ہے جو کچھ ہے لہذا آگے انکی غلطی بیان کرنے کیلئے ایک ظاہر کو فرماتے ہیں کذالک سخرھا لکم لتکبروا اللہ علیٰ ماھدٰکم (ترجمہ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تمہارا مسخر کردیا ہے تاکہ قربانی کرکے اس بات پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو کہ تمکو اس طرح قربانی کرنیکی توفیق دی ۱۲ محمد صابر غفرلہ) یعنی نرے تقویٰ کو کوئی نہیں پوچھیگا۔ تقویٰ مطلق مقبول نہوگا۔ تقویٰ وہ قبول ہوگا جس کو قربانی سے تعلق ہو۔ یہاں سخر کا مفعول بھی ہے جس سے تکبیر کا فعل بھی متعلق ہو پس اس میں اچھی طرح سے ثابت کردیا گیا کہ روح سے مراد وہی روح ہے جو اس قالب کے ساتھ ہو اسی کو فرماتے ہیں کہ جانوروں کو تمہارے لیے مسخر کردیا تاکہ تم نعمت ہدایت و توفیق للذبح پر اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔ اس میں اللہ اکبر کہنے کی بھی حکمت بتلادی کہ یہ دراصل شکر ہے اللہ کا کہ اللہ بہت بڑا ہے کہ اس نے توفیق دی کہ ہم حکم بجالاسکیں واقعی اگر خدا کی توفیق نہوتی تو ترحم طبعی ہاتھ کو گردن پر نہیں چلنے دیتا جب ملحدین کے شبہ کی بنا تھی یعنی ذبح کا خلاف ترحم ہونیکے سبب مخالف حکم الٰہی ہونا اُسی سے ہم جواب دیتے ہیں کہ یہی خلاف ترحم ہونا بہت بڑی علامت ہے اس ذبح کے حکم الٰہی ہونے کی بعض لوگ اس مخالفت ترحم مخالف عقل قرار دیکر کہتے ہیں کہ ذبح کرنا عقل کیخلاف ہے ہم کہتے ہیں کہ اگر ذبح کرنا عقل کیخلاف ہے تو جانوروں کو کوٹنا پیٹنا بھی عقل کیخلاف ہے بلکہ یہ تو ساری عمر کا کرمارنا ہے ذبح میں تو ایک ساتھ کام تمام کردیا جاتا ہے دم کے دم میں جان نکل جاتی ہے اس میں ذراسی دیر کی تکلیف ہے جو ہوئی اور گذر گئی اور سچ تو یہ ہے کہ نہ یہ عقل کیخلاف ہے نہ وہ۔ ہم تحقیق کے تابع ہیں ہم انکی طرف سے ہی کہتے ہیں کہ آر مارنا عقل کیخلاف نہیں اور اپنی طرف سے بھی کہتے ہیں کہ ذبح بھی عقل کیخلاف نہیں اور حقیقت یہ ہے کہ خلاف عقل وہ ہوتا ہے جس میں کوئی محال لازم آوے خلاف عقل ہے خدا کا دو ہونا اجتماع ضدین کا واقع ہونا دور و تسلسل کا صادق آنا تو ذبح کرنے میں یا مارنے کوٹنے میں کونسی بات عقل کیخلاف استحالہ کی لازم آئی جو بات خلاف عقل ہوتی ہے وہ تو واقع ہی نہیں ہوتی معترض ایسے بےعقل ہیں کہ غیر ممتنع الوقوع (جن کا واقع ہونا محال ہے ۱۲ محمد صابر غفرلہ)

ذبح کو خلاف ترحم و خلاف عقل سمجھنے والوں کا جواب

معنی خلاف عقل

کو عقل کے خلاف کہتے ہیں ذبح تو واقع ہوتا ہی وہ عقل کیخلاف کیسے ہوا بلکہ اُنکا یہ کہنا خود اُن کی
اصطلاح کیمطابق خلاف عقل ہی بات یہ ہی کہ یہ لوگ علوم عقلیہ پڑھتے نہیں جو چیز ترحم طبعی کیخلاف
ہی اُسے عقل کیخلاف کہتے ہیں ترحم طبعی کیخلاف کہو تو البتہ ہم مانتے ہیں واقعی ذبح ترحم کیخلاف ہے
لیکن اے صاحب یہی تو بڑی عبدیت ہے کہ گو ترحم کیخلاف ہی لیکن خلاف طبع و خلاف نفس مالک کے
امتثال امر کیلئے دل پر پتھر رکھکر کرتے ہیں جلاد کا بیٹا کسی جرم میں پکڑا آیا ذرا غور کر کے دیکھئے کہ بادشاہ
حکم دیا کہ ایک درجن بید لگاؤ۔ اُسوقت باپ سے پوچھئے کہ دل کی تو کیا حالت ہوگی مگر اسکے ساتھ ہی
یہ سوال ہی کہ خیر خواہی سرکاری اور جان نثاری کس میں ہی۔ آیا جان نثاری یہ ہی کہ کہدی مجھ سے
نہیں ہو سکتا یہ آپکی نوکری رکھی ہی یا یہ ہی کہ با دل نخواستہ سڑ سڑ بید لگا رہا ہی دل اندر سے لوٹ
پوٹ ہو رہا ہی لیکن حکم کی تعمیل کیے جا رہا ہے ایمان سے بتاؤ یہی جان نثاری اور خیر خواہی
یا وہ اگر حاکم کو یہ معلوم ہو جاوے کہ یہ اُس کا بیٹا تھا اور باوجود اُس سے بیحد محبت ہونیکے اور ضرب کی
بیحد بیچینی کے پھر بھی اُس نے میرا حکم بلا چون و چرا مانا تو اُسکی نظر میں اس شخص کی کتنی قدر ہوگی
آجکل جنگ میں جان دینے بہت جا رہے ہیں اُنکی مدح کیجاتی ہی کہ بڑے خیر خواہ سرکار ہیں جان
نثار ہیں یہ کیوں حالانکہ بقول آپکے جان دینا عقل کیخلاف ہی۔ یہ خوب ہی کہ کہیں تو عقل کیخلاف
ہے اور کہیں نہیں یہ عجیب بے جوڑ بات ہی معترض کہتے ہیں کہ مسلمان بڑے قسائی ہیں اسکے
مختلف جواب دیے جاتے ہیں لیکن جواب اصلی یہ ہی کہ معترض کیا جانیں ہمپر کیا گذرتی ہے
جب چھری پھیرتے ہیں ہمسے حلف لیلو جسوقت گا ئے کٹتی ہی ہمارا دل نکلا جاتا ہی۔ لیکن
دل پر پتھر رکھکر یہ حکم معلوم کر کے کہ قربانی کرو کرتے ہیں ترحم تو ہی مگر ترحم پر عمل نہیں حکم کی تعمیل کرتے
ہیں یہی عبدیت پوری اُسی کی توفیق ہے کہ اتنے بڑے عمل پر قادر ہو گئے اُسی کو فرماتے ہیں لِتُكَبِّرُوا
اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس بات پر بڑائی بیان کرو کہ اُس نے قربانی کرنیکی توفیق دی الحمد منہ
اس سوال و جواب پر ایک حکایت یاد آئی۔ مجھ سے ایک صاحب نے پوچھا کہ طاعون سے بھاگنا کیوں
ناجائز ہے حالانکہ وہاں رہنا عقل کیخلاف ہی میں نے کہا کہ لڑائی سے بھاگنا کیوں ناجائز ہے
حالانکہ وہاں طاعون سے بھی زیادہ ہلاکت کا خوف ہی یہاں تو موت یقینی ہی وہاں مشتبہ
اور وہاں عقل کے خلاف نہیں وہ سمجھ گئے میں نے کہا کہ بادشاہ تو تیس روپیہ تنخواہ دیکر جان کا مالک

ہوجاوے اور حق تعالیٰ جان کو پیدا کرکے بھی جان کا مالک نہو اور اُس میں تصرف اور اپنی قانون کی تنفیذ نہ کرسکے وہ صاحب جواب سُن کر کھل گئے یہ شاندار مولویوں کے جواب نہیں ہیں خاکسار غریبوں کے جواب ہیں۔ سچی بات سیدھی سادی قناعت دینے والی ہوتی ہی پس حکمتوں کی تفتیش کے درپے مت ہو صرف یہ دیکھو کہ آیا یہ خدا کا حکم ہے یا نہیں۔ بس یہ معلوم کرلیا اور اطمینان ہوگیا۔ چنانچہ جس طرح جلاد کو حکم ہے کہ بید مارو ہمیں یہ حکم ہی کہ قربانی کرو۔ اسی طرح تمام احکام ہیں بعد اس امر کے ثابت ہوجانیکے کہ خدا کا حکم ہے پھر حکمتیں مت پوچھو اور نہ بتلاؤ کہ انجام اس کا خطرناک ہی کیونکہ سور کے حرام ہونیکی اگر یہ حکمت بیان کی کہ وہ بیحیا ہوتا ہی اور اُس کے بعد ایک شخص نے اُس کا حیادار ہونا ثابت کردیا جیسا کہ ایک شخص نے اس کا دعویٰ کیا ہے پس اگر کسی فلسفی مسلمان کا عقیدہ یہی ہو کہ سور اسلئے حرام ہوتا ہی کہ بیحیا ہوتا ہی۔ تو جب اُسکے نزدیک وہ حیادار ثابت ہوجاویگا اُسی روز پھر دہی شبہ موجود یہ بڑا خطرناک طرز ہی خدا کیلئے اس طرز کو چھوڑو اور غیر منصوص حکمتیں جتنی بیان کی جاتی ہیں وہ اکثر اٹکل پچو ہوتی ہیں اگر تم نے شریعت کو انہیں پر مبنی سمجھ لیا تو اگر کبھی پچاس برس کے بعد ایسے عقلاء پیدا ہوئے جنھوں نے اُنکی نفی کردی تو جب بنا منہدم ہوگی مبنی بھی منہدم ہوجاویگا۔ ہم ایسی حکمتیں نکال کر شریعت کی بنیاد ریت پر کھڑی کرتے ہیں جہاں ایک سیلاب آیا سب رخصت لیں یوں کہو سور حرام ہے اسلئے کہ خدا کا حکم ہے۔ قیامت آجائے تو اُس کو توڑ ہی نہیں سکتا۔

جس طرح کوئی سرکاری آدمی سے پوچھے کہ موروثی کا کیا حکم ہوا یا پوچھے کہ تولہ بھر تک ٹکٹ لگانے سے بیرنگ نہیں ہوتا دو تولہ کا بیرنگ ہوجاتا ہے اس پر یہی کہیگا کہ واضعان قانون جانیں ضابطہ یوں ہی ہے۔ ایسا نوسیدھا سا جواب ہی کہ ہم واضع قانون نہیں ہم سے کیوں پوچھتے ہو۔ یہ خدا سے پوچھئے۔ البتہ اُصول اسلام کے ضرور عقلی ہیں باقی فروع کا عقلی ہونا ضروری نہیں۔ اسکی مثال ایسی ہے کہ حجاج بادشاہ کا بادشاہ ہونا عقلی طور پر ثابت کیا جاویگا۔ باغی کو مباحثہ سے سمجھایا جاویگا۔ پھر جب اس کو منصب سلطنت مان لیا پھر ہر حکم میں حکمتیں تلاش کرنا بغاوت کا شعبہ ہی اگر کسی کو چوری میں سزا دی گئی اور اُس نے کہنا شروع کیا کہ فوجداری کی دفعہ سرقہ میری سمجھ میں نہیں آئی آیا دو پیسہ کا

سرقہ بھی کوئی جرم ہے تو کیا جج اس کو ظلم سمجھا کر سزا دیگا یا یوں کہدیگا کہ بادشاہِ وقت کا یہی قانون ہے اگر اصرار کریگا تو ڈانٹ دیگا کہ بکو مت[1] اور اُلٹی توہین عدالت کی بھی سزا بڑھا دیگا اور کہدیگا کہ ہم بڑی بات سمجھا چکے کہ بادشاہِ وقت کا یہی قانون ہے۔ اسی طرح توحید و رسالت عقلی طور پہ سمجھ لو پھر قال اللہ وقال الرسول بس ہے۔ نصرانی۔ آریہ۔ یہودی جو کوئی پوچھے یہی جواب ہے کہ خدا کا حکم ہے قرآن میں ہے قرآن کا اللہ تعالیٰ کا کلام ہونا دلیل عقلی سے ثابت کر دینگے اب سنار کی کھٹ کھٹ اور لہار کی ایک یعنی ساری شریعت کی حفاظت کا سامان تبلا رہا ہوں ورنہ اگر حکمتیں تبلانے پر آئے تو آخر کہیں تو عاجز ہو گے مثلاً پوچھا گیا نماز کیوں فرض ہوئی کہا عبدیت کا اظہار ہے پانچ وقت کیوں مقرر ہوئے تاکہ پابندی میں سہولت ہو پھا ننگ تو چلتا رہا کیں کیوں مختلف تعداد میں مقرر کی گئیں ظہر میں چار فجر میں دو مغرب اور وتر میں تین بس یہاں آ کر تھک گئے جو یہاں آ کر کہو گے وہ پہلے ہی کیوں نہ کہدو جب اہ پر دو کوس چلکر بالآخر آنا ہے اُسے ابھی سے کیوں نہ اختیار کرو خواہ مخواہ اتنا تعب بھی کیوں سر لیا جیسا اُس وقت ایک اور مرض عالمگیر ہو رہا ہے کہ باوجودیکہ حجج شرعیہ (ترجمہ حجتیں دلیلیں ۱۲ محمد صابر غفرلہ) چار ہیں مگر پھر بھی ہر حکم کا ثبوت قرآن مجید سے مانگا جاتا ہے اور ہمارے ذہین اہلِ علم اسقدر سخی ہیں کہ ثبوت دینے کو تیار ہو جاتے ہیں میں ہاں بھی یہی کرتا ہوں کہ کہیں تو عاجز ہو کر کہنا ہی پڑیگا کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے ضروری نہیں۔ پھر یہ جواب اول ہی سے کیوں نہ دیدو۔ میرے ایک صاحب علم دوست سے کسی نے ڈاڑھی کا ثبوت قرآن شریف سے مانگا اُنھوں نے یہ آیت پڑھی لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ (ترجمہ میرا سر اور میری داڑھی مت پکڑو ۱۲ محمد صابر غفرلہ) کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے ہارون علیہ السلام کی ڈاڑھی پکڑلی تھی معلوم ہوا کہ ہارون علیہ السلام کے ڈاڑھی تھی لیجئے ڈاڑھی کا ہونا قرآن سے ثابت ہو گیا۔ مجھ سے اُنھوں نے جواب نقل کیا میں نے کہا کہ مولانا وہ تو وجوب ڈاڑھی کا پوچھتا تھا۔ اور ثابت ہوا وجود اگر وہ یہ سوال کرتا تو کیا ہوتا۔ مولوی صاحب نے کہا ابھی اتنی عقل اس میں کہاں تھی کہ وہ یہ سوال کرتا۔ مگر صاحب ہمیں تو شرم آتی ہے ایسی ویسی بات کہتے ہوئے۔ جو بات ہو محقق و باوقعت ہونا چاہیے۔ خیر اس سے تو وجوب ثابت ہی نہیں ہوا۔ لیکن اگر کسی آیت سے وجوب بھی ثابت ہو جاتا

[1] دلیل

تب بھی اوّل وہلہ میں سائل کے جواب میں یہی کہنا چاہئے تھا کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے ضروری نہیں۔ ورنہ اگر وہ اور کوئی سوال کرتا تو کہیں نہ کہیں تو یہ کہنا پڑتا ہے کہ ہر حکم کا ثبوت قرآن سے ضروری نہیں۔ مگر آج کل اس محقق جواب کو بے وقعت سمجھا جاتا ہے اور تلبیس کے جواب کی وقعت ہوتی ہے لیکن اُس کی بے وقعتی اور اسکی وقعت چندروزہ ہوتی ہے پھر معاملہ منعکس ہو جاتا ہے۔

مجھ سے ایک انسپکٹر ڈاک خانہ کہتے تھے کہ میں ایک لیکچرار کو جو اخباری دنیا میں مشہور شخص ہیں یہ سمجھتا تھا کہ دنیا میں ایسا محقق نہیں بعد کو علماء کی جو تقریریں سنیں۔ تو غور سے یہ فرق معلوم ہوا کہ علماء کی تقریریں فوری اثر تو زیادہ گہرا نہیں کرتیں مگر جتنا زمانہ گذرتا گیا دل میں گھستی گئیں۔ اور اُس شخص کی تقریریں جتنا زمانہ گذرتا گیا دُھلتی گئیں۔ بس یہ معلوم ہونے لگا کہ محض روغن قاز ملتا تھا۔ علماء جڑ کی اور گر کی کہتے ہیں غرض اصل جواب سوال حکمت کا یہی کہ خدا کا حکم ہے اور اُس کے بعد اگر تبرعاً کچھ حکمتیں بیان کر دیجاویں وہ اور بات ہے میرا بھی ارادہ تھا کہ اس آیت میں مفصل حکمتیں قربانی کی بیان کروں گو اجمال کا درجہ تو بفضلہ حاصل ہوگیا لیکن تفصیل کا درجہ نہیں ہوسکا مگر چونکہ وعظ روح الحج والثج میں بیان بھی ہو چکا ہے اور وقت بھی نہیں اسلئے اجمال ہی پر کفایت کرتا ہوں نیز اس وقت زیادہ مقصود بیان کرنا اسکا تھا کہ مسلک محقق جمع بین الظاہر والباطن (ترجمہ ظاہر و باطن دونوں کو جمع کرنا ۱۲ محمد صابر غفرلہ) ہے سو اسی کو یہاں سمجھ لیجئے کہ اس عمل کا باطن تقویٰ اور تعظیم شعائر اللہ ہے اور ظاہر یہی کہ ذبح کرو یہ نہیں کہ دام ادا کر دیئے۔ ایک بزرگ اہل حال اس غلطی میں مبتلا تھے کہ ہمیشہ دام دیدیا کرتے قربانی نہ کرتے ایک روز خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے سب کے پاس سواری ہیں اُن کے پاس نہیں اُنہوں نے سواری طلب کی جواب ملا کہ یہاں کہاں سواری جو قربانی کرتے ہیں اُن کو یہاں سواری ملتی ہے۔ تم قربانی نہیں کرتے جاؤ گھسٹتے ہوئے۔ بیدار ہوتے تو بہت پریشان ہوئے فوراً توبہ کی اور قربانی کرنا شروع کر دیا اس پر بعضے تو عوام سنتے ہیں کہ بہت سے جانور ہوں گے کون سے جانور پر سواری ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب پر قادر ہیں۔ ایک توجیہ تو یہ ہے کہ سب کے عوض میں ایک بہت بڑا جانور دیدیں ورنہ سب کی ڈاک لگا دیں۔ اگر کسی

اصطبل میں بہت سے گھوڑے بندھے ہوں تو کیا اس پر بھی کبھی تعجب کیا ہے کہ آپنے گھوڑوں میں کس پر سواری کرتا ہوگا۔ وہاں تو یہ سمجھ لیتے ہو کہ مثلاً یہ ڈاک لگانیکے کام میں آتے ہیں طویل سفر ہو تو ایک گھوڑا کام نہیں دیسکتا۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایک ایک گھوڑا بھیجدیا جاتا ہے اور نہایت سہولت سے اتنا بڑا سفر بہت جلد قطع ہو جاتا ہے۔ آخرت کی سب باتوں پر تعجب اور دنیا کی کسی بات پر تعجب نہیں دنیا کی سب باتونکو عقل کے قریب کر لیتے ہیں۔ مولانا احمد حسن صاحب امروہی خود مجھ سے بیان فرماتے تھے کہ میں ریل میں سوار تھا۔ دوسرے درجہ میں ایک مولوی صاحب پرانی وضع کے اور ایک نئی وضع کے میانہ عمر شخص سوار تھے ایک اسٹیشن پر گاڑی پہنچی تو چند انگریزی خواں لڑکے آکر اُسی دوسرے درجہ میں بیٹھے اور ان مولوی صاحب کا اسباب منتشر کر کے خود اپنا اسباب جما کر بیٹھ گئے وہ مولوی صاحب آئے تو ملامت کی یہ شرمندہ ہوئے۔ چاہا کہ مولوی صاحب کو شرمندہ کریں۔ کہنے لگے۔ کیوں جناب نماز پنجگانہ فرض ہے۔ انہوں نے کہا ہاں۔ کہا یہ سب جگہ پانچ ہی وقت فرض ہے انہوں نے کہا ہاں۔ کہنے لگے کہ جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے وہاں بھی پانچ ہی وقت فرض ہے۔ مولوی صاحب نے کہا کیا تم وہاں سے آرہے ہو یا وہاں جا رہے ہو۔ کہنے لگے نہیں۔ مولوی صاحب نے کہا تو بس ہم ایسے فضول سوال کا جواب نہیں دیتے اس پر وہ سب قہقہہ مار کر ہنسے اور اس ہنسنے میں وہ میانہ عمر شخص بھی شریک ہوئے۔ مولانا فرماتے تھے کہ مجھکو اُن کا ہنسنا بہت ناگوار ہوا۔ آیندہ اسٹیشن پر وہ لڑکے تو اُتر گئے میں وہاں جا کر بیٹھا اور اُن صاحب سے میں نے پوچھا کیوں جناب آپکا دولت خانہ کہاں ہے آپ ملازم کہاں ہیں۔ سب کا جواب ملا۔ پھر میں نے پوچھا آپ کو شب و روز میں کے گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے اُس کا بھی جواب دیا میں نے کہا کیوں جناب اگر گورنمنٹ کی سلطنت اُس مقام پر ہو جائے جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے اور آپکی وہاں کی بدلی ہو جاوے تو کیا وہاں بھی ایک شب و روز میں اتنے ہی گھنٹے کام کرنا ہوگا۔ کہنے لگے کہ نہیں بلکہ اندازہ وقت کا کر کے اُس شب و روز کو سال بھر قرار دیکر سال بھر کا کام لیا جاویگا میں نے کہا افسوس سلطان

دنیا کے احکام وتجویز کی تو آپ کے ذہن میں یہ وقعت کہ اُس پر اشکال واقع ہو تو فوراً اُس کی توجیہ کرلی اور سلطانِ دارین کے احکام کی اتنی بے وقعتی کہ اُس پر جو ایسا ہی اشکال واقع ہوا تو بجائے توجیہ کے اُسکی تحقیر کی اور اُسپر تمسخر اُڑایا۔ وہ شخص بیحد شرمندہ ہوا اور معذرت اور توبہ کی۔ پس اس طرح یہاں بھی ایسی ہی توجیہ کرسکتے ہو۔ بس یہ سوال ہی واہیات ہے کہ بہت سے جانور ہونگے کونسے جانور پر سواری ہوگی۔ یہاں بھی اُس کی نظیر موجود ہے۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ اس توجیہ پر کچھ موقوف نہیں ہم یوں کیوں نہ کہدیں کہ تعدد کیوقت ہمکو معلوم نہیں کس طرح ہوگا کیونکہ بتایا ہم کو گیا نہیں اور رائے کا کام نہیں خواہ یہ صورت ہوجاوے یا کچھ اور ہوجاوے۔ ایک مجذوب کا قول مجھے بہت پسند آیا۔ اُس سے کسی واقعہ کی نسبت پوچھا کب ہوگا اُس نے کہا ہم اللہ میاں کے بھتیجے نہیں کہ چچا جان نے یہ کیا ہو کہ لاؤ بھتیجے سے بھی مشورہ کرلیں ہم اُن کے سررشتہ دار نہیں ہم کو کیا خبر کب ہوگا۔ پس تکوینیات میں بھی اور تشریعیات میں بھی بندہ کو اپنا یہ مذہب رکھنا چاہیے کہ ؎

رند عالم سوز را با مصلحت بینی چہ کار　　کار ملک است آں کہ تدبیر وتحمل بایدش

(ترجمہ رند عالم سوز یعنی عاشق کو مصلحت بینی سے کیا تعلق اُسکو تو محبوب حقیقی کا کام بجا لانا، تدبیر چاہیئے ۱۲ محمد مصطفیٰ بجنوری) [illegible]

کار کن کار بگذر از گفتار　　اندریں راہ کار باید کار

(ترجمہ عمل کرو دعوے کو ترک کرو۔ اس طریق میں عمل ہی کی ضرورت ہے ۱۲ محمد مصطفیٰ غفرلہ)

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　کہ اصلے ندارد دم بے قدم

(ترجمہ یعنی طریقت میں قدم رکھنا چاہیے یعنی عمل کرنا نہ دعوی کرنا اسلئے بغیر قدم کے عمل کے دعویٰ کی کچھ اصلیت نہیں [illegible])

اب دعا فرمایئے فہم سلیم وعمل مستقیم کی (پھر دعا کر کے جلسہ ختم کیا) فقط۔

تمام شد

الحمد للہ کہ وعظ روح الارواح آخر ربیع الثانی ۱۳۵۴ھ میں بخیر وخوبی ختم ہوا۔

محض یہ کتاب کافی ہے۔ مؤلفہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم جامعۂ قاسمیہ دار العلوم دیوبند و مدیر القاسم۔ کتابت و طباعت نہایت اعلیٰ کاغذ ۲۰ پونڈ ولایتی صفحات [illegible]

قیمت باایں ہمہ خوبیوں کے صرف تین روپے (سے) رعایتی (عہ)

سیرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مختصر مگر نہایت جامع اور مستند سوانح عمری نہایت سلیس عام فہم اردو میں لکھی ہے۔ خصوصیت سے ایسے واقعات کا انتخاب کیا گیا ہے جو بجائے خود حقانیت اسلام اور حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل ہیں۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب دامت برکاتہم نے اس کو تعلیم کیلئے پسند فرما کر اپنے مدرسہ اسلامیہ کے ابتدائی نصاب میں داخل فرما لیا۔ دو تین سال کے قلیل عرصہ میں پنجاب و بنگال اور ہندوستان کے اکثر مدارس کے ابتدائی نصاب میں اور عورتوں کی تعلیم میں مقبول ہو چکا ہے۔ لکھائی چھپائی بہت عمدہ اور ٹائٹل رنگین نہایت دیدہ زیب۔

قیمت (۱۲) رعایتی ([illegible])

التصویر لاحکام التصویر

اس کتاب کا اشتہار [illegible] الحمد للہ نہایت عمدہ طبع ہو کر تیار ہو گئی ہے [illegible] حصہ اول میں تصاویر کے مفصل احکام عقلی دلائل اور قرآن و حدیث کے مفصل [illegible] کے ساتھ لکھے گئے ہیں اور موجودہ زمانہ کے ابتلائے عام پر نظر کر کے ان تمام صورتوں کو جمع کر دیا گیا ہے جو تصویر کے استعمال میں شرعی قواعد کے ماتحت دی جا سکتی ہیں۔ [illegible] تصاویر کی تجارت۔ تصویر سازی کی اجرت۔ مصور کے مکان میں داخل ہونا۔ پاسپورٹ کے لئے تصویر لینا۔ بچوں کے مصور کھلونے بیچنا اور خریدنا۔ ڈاکٹری تشریحات وغیرہ کیلئے اعضاء انسانی کی تصویر بنانا۔ سینما کی تصاویر سے کام لینا اور ان کا دیکھنا وغیرہ وغیرہ تمام احکام متعلقہ تصاویر کو اسقدر تفصیل سے لکھا ہے کہ ہر مسئلہ ایک مستقل رسالہ بن گیا ہے۔ [illegible] میں ان شبہات کے محققانہ جوابات ہیں جو نئی روشنی کے اثر یا بعض روایات اسلامیہ کے اجمال سے پیدا ہو گئے تھے۔ قیمت ہر دو حصہ (۱۲) رعایتی ([illegible])

ملنے کا پتہ:- ناظم کتب خانہ امداد الغربا سہارنپور